ماہ نامہ
سفینۂ نسواں
مدیرہ:- صادقہ قریشی
Safina-i-Niswan

(۵)

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ تاریخ تک شائع کیا جائے گا۔

۲۔ اگر ۲۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ ۸ سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہو کر پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوگا۔

۴۔ زرِ معاوضہ عوام سے سالانہ للعہ ششماہی عاہر اور فی پرچہ ۶ر آنہ مقرر ہے نمونہ کے لیئے ۶ر آنہ کے ٹکٹ بھیجئے۔

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دے کر کارکنانِ دفتر کو مرہونِ منت فرمائیے۔

۶۔ جواب طلب امور کے لیئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷۔ ترسیل زرِ معاوضہ اور جملہ استفسارات بنام "مینجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے۔ ناقابلِ اشاعت مضامین خرچۂ ڈاک وصول ہونے پر واپس کیئے جائیں گے۔

۸۔ چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجالانے کے لیئے جاری ہوا ہے۔ لہٰذا ادارۂ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شائع کرنے سے احتراز رہے گا۔

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائے گی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لیئے جو متذکرۂ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرِ معاوضہ ادا کرے گا۔

۱۱۔ ادارۂ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہے گا۔

"مینجر"

(۵)

دولت آصفیہ اور بیرونجات میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ تصفیہ طلب امور کے لیئے "مینجنگ ایڈیٹر" کو مخاطب فرمائیے۔

S ON BUILDING THE FUTURE GENERATION

to publish, in these pages, the speech made by the Hon'ble Lady
nber 1932, at the Women's Association for Educational Advance-
ad Residency. It gives me much pleasure to say, that Lady Keyes
the cause of Women's Education, and I am sure, in a very short
one of us will remain un-educated, specially the women in
round the awakened world, it will be clearly known that they
methods for training the newly born generation ; and Lady Keyes'
e should also follow the same methods for the protection of

speech the Hon'ble Lady says :—

our object is not for you to become westernized, but to rise
and carry the lamp of your Indian personality high for
e."

great deal of good things, and hundreds of valuable views in the
ld throw immense light, if we all try our best to follow them.
and for the betterment of the generation. Betterment and welfare
uccess for the motherland.

he whole speech in the Vernacular (Urdu) and the same will
ry shortly. Before ending this note, I have to thank heartily
s", on behalf of the Board, for the honour bestowed upon my
-i-Niswan". And hope that Lady Keyes would graciously let me
ing her valuable notes and articles in this humble Magazine (as
y of its kind, in the whole Deccan, devoted merely for the
girls.

(Begum) SADIQA QURAISHI,
The Editoress.

easure to pre-
an important
ery glad indeed
of speaking on
ation of women

talking about
ment, what I
lo is to go back
all education,
ngly that the
being built on
We are build-
he foundations

undation upon
structure rests ?

It is the Home. And who is the corner-stone of the Home?

The mother. She is the support upon which the whole building is raised Will the building not fall down if the foundations are not properly laid ?

Mothers have the power in their own hands from the very start,— to use badly or well.

So in the stress of the battle for the education of women in India I do want to say something about the Home and about the important part the mothers play in it. Every woman's home is the growing place for the new generation,— and the next generation is—India.

will all give this
t. Because I feel
very much to your
ill reap so many

s for starting

dents should be
s, most carefully

l to be a trained,
se with another
e also to work

and young chil
or poor homes
ge as boarders
y right methods

urses training
cal and theore-
ing should last
rses would live
ers.

proposed (and
that the sala-
adequate to
nurse under-
nts must now
come when
eless luxuries
give place to
bringing and

be picked
schools and
outstanding
intelligence
They would
College who

would take an interest in them, after they go out to work and only send them to suitable houses. They should go to Indian homes which would adopt themselves and their rooms to meet the new requirements treating the nurses properly, thus ensuring the progreess of the State from within the family.

I hope we shall soon be able to call together a Committee of ladies to discuss this suggestion, and to examine all the difficulties which stand in the way of the fulfilment of this idea.

In closing I would like to say as forcibly as I can that I hope that the advancement in education of women in India will not do anything to take away the charm and individuality of Indian ladies. Nothing is so tragic as the elimination of personality. Your object is not for you to become westernized but to rise to your full stature and carry the lamp of your Indian personality high for all the world to see.

(روزنامہ) **رہبر دکن** (حیدرآباد دکن)
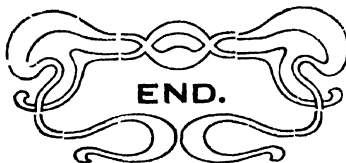
"مین ایسوسی ایٹڈ پریس" اور "ریوٹر" کے راست تار شایع ہوتے

ہین۔ اس کے علاوہ ولایتی اور عربی ڈاک کے تراجم کا بھی خاص انتظام

کیا گیا ہے۔ یہ ایسی خصوصیات ہین جو دارالسلطنت دکن کے کسی

دوسرے روزنامہ مین نہین مل سکتین اس لئے اگر آپ

ہندوستان کے تازہ ترین واقعات۔ اور اسلامی

ممالک کے حالات سے جلد واقف ہونا چاہتے ہو تو "رہبر"

ملاحظہ فرمائے۔ چونکہ الحمد للہ "رہبر" کی اشاعت مملکت آصفیہ

میں شایع ہونے والے سارے رسایل واخبارات سے زیادہ تر ہے

اس لئے تشہیر کا بہترین ذریعہ ہے۔

مینجر

دفتر روزنامہ رہبر دکن افضل گنج حیدرآباد دکن

Safina-i-Niswan.

"دسہرہ کی مبارکباد"

(از)

ہز اکسلینسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شادؔ یمین السلطنۃ و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

(نظم)

مژدہ ہو قوم کو کہ دسہرہ کی عید ہے
یہ عید شادؔ فتح و ظفر کی کلید ہے

مدت کے بچھڑے ملتے ہیں سیتا سے رام آج
خوش ہو، تمام ہو گیا راون کا کام آج

استاذ السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مد ظلہٗ نے حقیر "سفینۂ نسواں" کے "میلاد نمبر" کو بعد ملاحظہ نہ صرف حوصلا فزا ستائش ہی فرمایا بلکہ ذیل کا شعر تحریر فرما کر گرانقدر رائے کا اظہار عجیب نرالے اسلوب میں فرمایا ہے جو اپنی جامعیت اور ندرت بیان کی وجہ یقیناً ناظرات سفینہ کے لئے ایک بیش بہا ادبی تحفہ ہوگا۔ حقیر

اختر قریشی

مدیر معاون

یہ لکھا ہے پکارے نقش جو ہے اس نگینے مین
کہ دل سینے مین ہے، اور دل کے ٹکڑے ہیں "سفینے" مین

جلیل

Safina-i-Niswan.

یہ کہتا ہے پکارے نقش جو اس نگینے میں ہے * کہ دل سینے میں ہے اور دل کے ٹکڑے ہیں سفینے میں

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد نسائی آرگن

(لمعہ جلیل)

ماہنامہ "سفینۃ النسواں"

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد (۱)

نمبر (۷)

بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء

م جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

(فہرست مضامین)

فہرست تصاویر

سالگرہ

نمبر کے سب سے بہتر مضمون پر منجانب محترمہ صغرا صاحبہ مسز ہمایون مرزا (بیرسٹر ایٹ لا) ایک قیمتی کپ پیش کیا جائیگا۔
ادارہ کو انتخاب مضمون اور قطعی فیصلہ کا حق حاصل رہیگا۔

نوٹ:- میں "ادارہ" کی جانب سے علیہ محترمہ موصوفہ کی خدمت میں "سفینہ" کی اس حوصلہ افزائی پر "شکریہ" ادا کرتا ہوں اور امید کہ میرا یہ "حقیر ترین اساس تشکر" قبول خاطر والا ہو کر عنایات پیہم کا حریف ہوگا۔

اختر قریشی (مدیر معاون)

ضیائے علم سے روشن ہوں گوشے تاریک ؎ کہ ہر ورق کو "سفینہ" کے آفتاب بنا

سلطانہ

(از محترمہ ڈاکٹر مرزا رضا خانصاحب)

احوال ما

(از)

مدیرہ

الحمد للہ ہے کہ حقیر ماہ نامہ "سفینۂ نسواں" کی گذشتہ تمام اشاعتیں ملکی اخبارات و رسائل سے گذر کر بیرون ملک سے تک خراج تحسین حاصل کیے بغیر نہ رہ سکیں خصوصاً "محرم نمبر" اور "میلاد نمبر" جس حد تک کامیاب ہا اسکے اظہار کیلیے میں چاہتی ہوں کہ اخبارات و رسائل کے اقتباسات اور ہمدرد بہنوں کے خطوط پیش کروں مگر افسوس "سفینہ" کو پریس کی بدعنوانیوں سے زیادہ دوچار ہونا پڑا۔ جسکا نتیجہ یہ رہا کہ آج پھر میں رسالہ کو تاخیر سے پیش کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد "سفینہ" کا خود اپنا ذاتی پریس ہو جائیگا اور تب مجھے یہ ندامت اٹھانی نہ پڑیگی۔

"سفینہ" محض اسکی اصلاحی روش کی وجہ جہاں عوام میں مقبول ہوا وہاں طبقۂ امراء میں بھی یہ خاص وقعت کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے خصوصاً ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ اور نواب مستطاب سر سالار جنگ بہادر کی نظر کرم کو یہ تو نہال حاصل کر ہی لیا تھا اور ان دونوں علم پرور ہستیوں کی نوازشیں بارش کی طرح اس پر برس رہی تھیں کہ حال ہی میں آنریبل لیڈی کینیر (بیگم کرنل کینیر رزیڈنٹ حیدرآباد (دکن) نے اپنی علم دوستی اور علمی شغف کا ثبوت دیتے ہوئے "حقیر سفینہ" کو نوازا ہے۔ ایک گرامی نامہ میں حوصلہ افزا تعریف فرماتے ہوئے اپنے گرانقدر مضامین سے ہمراہ سفینہ کے صفحات کو مفتخر فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ایک "تقریر" کی صورت میں یہیں کہیں ملیگی میں محترم لیڈی موصوفہ کی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرے ادنی رسالہ کو اس قابل سمجھا۔

علیہ محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خانصاحب (ایم۔ بی سی۔ ایچ۔ بی اڈنبرا) کی میں احسان مند ہوں کہ جنکی عنایتیں ہر گھڑی سفینہ کی شامل حال رہیں حال میں بسلسلہ "میلاد نمبر" محترمہ موصوفہ نے ایک قیمتی تمغہ بھجوا کر ادنی سفینہ کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے۔

محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا بیرسٹر لا) کی لاتعداد عنایتیں اس دفعہ سفینہ کے ساتھ رہیں محترم بہن نے

رسالہ کی توقیر بڑھاتے ہوئے سالگرہ نمبر کے سب سے بہتر مضمون پر ایک قیمتی کپ اپنی جانب سے دینے کا وعدہ کیا ہے
میں اپنی ہمدرد بہنوں کی خدمت میں "ادارہ" کی جانب سے شکریہ ادا کرتی ہوں

"سفینہ" کی ناظرات میں اب ایک گروہ ایسا نکل آیا ہے جو اسکی ظاہری حالت کو سدھارنے کی طرف مجھے متوجہ کر رہا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ "سفینہ" میں بلند پایہ اور اصلاحی مضامین ہوتے ہیں چاہیئے کہ اسکی ظاہری حالت درست کیجائے"۔ میں ایسی بہنوں کی خدمت میں التماس کرونگی کہ سفینہ کی اجرائی طبقہ نسواں کی صلاح و فلاح اور ان میں علمی ذوق کو بڑھانے کی خاطر عمل میں آئی ہے، نہ کہ بھڑکیلی پوشاک پہنا کر بازار کی رونق میں اضافہ کرنے۔ یہ اسوقت ممکن تھا کہ جبکہ میرے پیش نظر اسکی اجرائی محض تجارتی اصول کے تحت ہوتی۔ مجھے قابل معافی سمجھا جائے اگر میں ایسی بہنوں کے ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہوں۔ کسی فرصت میں بعض نسوانی رسائل کا "سفینہ" سے مقابلہ ہوگا تاکہ یہ واضح ہو کہ وہ اپنے مقاصد سے کتنے پرے ہٹے ہوئے ہیں

بلدہ میں لڑکیوں کیلئے "درسگاہ صنعتی" (انڈسٹریل انسٹیٹیوٹ) کی شدید ترین ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ نیز زنانہ کالج (بشمول ٹریننگ کالج) جملہ مدارس نسواں فوقانیہ و وسطانیہ کیلئے موٹر لاری کی جس حد تک ضرورت ہے، اسکا اظہار اس درخواست اور محضر سے بخوبی ہو سکتا ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہیں افسوس کہ وقت کی تنگی نے مجھے اسکی اہمیت کو گنواتے ہوئے، جناب ناظم صاحب تعلیمات سرکار عالی کی توجہ کو مبذول کرانے کا موقع نہ دیا جن بہنوں نے "سفینہ" کو اپنا حقیقی رہنما جان کر اسکے ذریعہ اپنی ضروریات کو فیاض گورنمنٹ کے آگے پیش کرنے کیلئے مجھے متوجہ کیا ہے، میں ان سے معافی کی خواستگار ہوں۔ اور انشاء اللہ آیندہ نمبر میں ضرور ان چیزوں سے بحث ہوگی۔

مجھے محکمۂ اطلاعات عامہ سرکار عالی سے شکایت کرنی ہے کہ ابتک "سفینہ" کو ملکی خواتین کی علمی و عملی جد و جہد کی اطلاعات سے کیوں محروم رکھا گیا؟ امید کہ جناب ناظم صاحب محکمۂ مذکور ضرور ادہر توجہ دینگے۔

اختتام سے پہلے میں اُن نام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طرح "سفینہ" کو مدد دیا۔ — مدیرہ

(ماہوار "ساقی" (دہلی) کی بوکھلاہٹ۔ اس دفعہ ہم چاہتے تھے کہ ہمارے مذکورہ معاصر کی "بوکھلاہٹ" جو "سفینہ" پر تنقید کے دوران میں اس سے ظاہر ہوئی ہے ناظرین سفینہ کی دلچسپی کیلئے پیش کریں مگر عدم گنجائش کا سوال ہماری تمناؤں کا خون کئے دیرہا ہے جسکے لئے ہمیں آیندہ نمبر تک منتظر رہنا پڑا۔ اسی سلسلہ میں محض تفریح طبع کی خاطر رسالہ مذکور کے ایڈیٹوریل نوٹ (بابتہ ماہ اگسٹ کا) وہ حصہ شائع کرینگے، جسکو پڑھکر آپ بلا مبالغہ یہی پکار اٹھیں گے کہ یہ تو سر شک پر بیٹھنے والے کسی حکیم یا شعبدہ باز کی پکار ہے یا اس سے زیادہ کسی ایسے دواخانہ کا اشتہار ہے جن کے ہاں امراض کی تیر بہدف دوائیں ہیں) — مترجم

حصولِ علم اور اُس کا ماحصل

محترمہ زبیدہ مصطفےٰ صاحبہ قریشی

یوں تو موجودہ دور میں تعلیم یافتہ لوگ متعدد پائے جاتے ہیں ۔ مگر حقیقی معنوں میں تعلیم یافتہ یعنے عالم باعمل بہت ہی کم نظر آئیں گے ۔ آج کل تعلیم کا چرچا ہر چہار طرف ہے اور ہر ایک زیورِ علم سے آراستہ ہونے کی کوشش کر رہا ہے ۔ جامعہ عثمانیہ مبارک دورِ عثمانی کے برکات و فیوضات کی ایک غیر فانی یادگار رہے گی ۔

مسعود دور میں دکن نے متمدن ممالک کے دوش بدوش بہت ہی قلیل عرصہ میں جہاں ہر شعبہ میں ترقی کیا ۔ وہاں علم کے دریا بہادئے، جس سے ہر ایک بلا امتیاز مذہب و ملت سیراب ہوا اور ہو رہا ہے، گویا وہ وقت دور نہیں جب ہماری یہ یونیورسٹی ہندوستان سے باہر اکناف عالم کے تشنگانِ علم کی پیاس کو بجھائے گی ۔

زندہ کردی چوں مسیحا علم و فن را در دکن

شاد باش! اے حضرت عثمان علی خاں شاد باش

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "حصولِ علم کا ماحصل کیا ہے"؟ علم کس کو کہتے ہیں؟ اور تعلیم یافتہ کون کہلائے جانے کا مستحق ہے؟ "تعلیم یافتہ یا عالم وہ ہے جو باعمل ہو"۔ "حصولِ علم کا ماحصل یہ کہ اس سے اوروں کو مستفید ہونے کا موقع دیا جائے اور علم اس کو کہتے ہیں کہ جس سے تاریک دل روشن و منور ہوں"۔ ان چیزوں کی موجودگی میں ہماری موجودہ حالت کا موازنہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص اپنے آپ کو ایک "علامہ دہر" سمجھ رکھا ہے ۔ انگریزی کہاوت ہے کہ (Art is Long, and Life is Short) اور یہ واقعہ ہے کوئی شخص اپنے آپ کو کسی فن یا علم میں کامل نہیں کر سکتا ۔ آج کل تعلیم کا یہ حال ہے کہ اگر دو چار انگریزی کتابیں اور اردو میں بیسے ناول اور پھر ناول پڑھ لیں جن کو لٹریچر سے کوئی واسطہ نہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم بہت لایق فایق ہو گئے اور غرور و تکبر ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا ہے یہ حال تو ان کا رہا ۔ جو ابتدائی دس بیس کتابیں پڑھ لیتے ہیں ۔

اب دوسرے طبقے کی حالت سنئے جو واقعی عالم ہیں اور لٹریچر سے خوب ذوق رکھتے ہیں مگر فی زمانہ ان کا یہ علم یا تو حصولِ معاش کے لئے وقف نظر آتا ہے یا جھوٹی نام آوری کی تمنا کے نذر ہو جاتا ہے۔ کاش! ان دونوں چیزوں سے بہت کم ان میں اس سے اوروں کو مستفید کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ اسلاف کا طرز رہا ہے۔ خیال کرنے کی جگہ ہے کہ ایسا علم کس کام کا جو اوروں کے کام نہ آئے۔ سنا ہے کہ علم اخلاق انسانی کو سنوارتا ہے۔ مگر اس پستی اور پست ذہنیت کا منظاہرہ بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ غور کیجئے اور ہمارے عالموں کی اس اخلاقی پستی پر آٹھ آٹھ آنسو بہایئے۔

ایک عالم کی مثال اس درخت سے دی جا سکتی ہے جو ثمردار ہو اور جس سے ہر ایک مستفید ہوتا رہے۔ اور عالم کو چاہیئے کہ کبھی بھی علم کے لٹانے میں کوتاہی نہ کرے۔ کیونکہ وہ جس قدر لٹائے گا اس سے اس کو بھی فائدہ پہونچے گا اور دوسرے بھی زیورِ علم سے آراستہ ہوں گے۔ سچ ہے "علم ایک خداداد دولت ہے کہ جتنی گھٹے اُتنی ہی بڑھے"۔ اگر کسی نے کچھ سیکھ کر اس سے دوسروں کو فائدہ نہ پہونچایا تو اس کا سیکھنا بیکار اور اس کا علم فضول ہے۔ کیونکہ وہی تعلیم یافتہ کہلانے کا مستحق ہوگا جو باعمل ہو اور جس کی تعلیم نے اس کے اخلاق وسیع کئے ہوں۔ عادات و خصائل پر اچھا اثر ڈالا ہو۔ جو شخص علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خوش خلقی، دیانتداری، ہمدردی، رحمدلی، انصاف وغیرہ جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوگا وہی "تعلیم یافتہ" کہلائیگا۔

ایک دن کا ذکر ہے میں اسکول سے گھر آنے کے بعد انگریزی تاریخ پڑھنے بیٹھی تھی اس لئے کہ دوسرے دن اُس میں میرا امتحان تھا میں اس فکر میں تھی کس طرح امتحان دوں گی۔ کیونکہ بعض چیزیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ میں پریشان اپنی میز پر کتاب کھولے بیٹھی اور حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں میرے ایک رشتہ دار ادھر آ نکلے جو خدا کے فضل سے تعلیم یافتہ کہلائے جا سکتے ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہا "تم کیا پڑھ رہی ہو؟" میں نے جواب دیا "تاریخ مگر یہ میری سمجھ میں برابر نہیں آ سکتا ہے اگر آپ سمجھا دیں تو مہربانی ہوگی"۔ "آخر تم اسکول میں کیا پڑھتی ہو؟" کچھ عجیب لہجہ میں انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں اس وقت غیر حاضر تھی" میں نے جواب دیا۔ وہ کہنے لگے۔ "اچھا ایسی بات ہے۔ تم ڈکشنری وغیرہ میں دیکھ کر پڑھ لینا" میں اب تمہیں کہاں پڑھاؤں"۔ لیجئے چھٹی ملی۔ یہ ہیں عالم اور ایسے ہوتے ہیں ان کے عمل! میری اس پریشانی کے وقت میں ان الفاظ سے میری تسلی کی گئی۔ اس کے بعد میں نے اپنے بھائی سے خواہش کی تو جواب یہ ملا کہ "مجھے نیند آ رہی ہے اور میں ابھی پڑھ کر آیا ہوں تمہیں کہاں پڑھاؤں"۔ میں نے کہا "اگر آپ نہ سمجھائیں گے تو کل کیا امتحان دوں گی"۔ مگر ان کا خاموش چلے جانا میری ایک ادنیٰ سی التجا کا جواب تھا۔ بتائیے کیا یہ لوگ تعلیم یافتہ کہلانے کے مستحق ہیں۔

ایک فلاسفر کا قول ہے۔ "عالم اپنے علم کو بے دریغ لٹائے"۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان علم کیوں حاصل کرتا ہے؟ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے قرآن شریف میں ایک آیت آئی ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ یعنے "جو چیز تم خرچ کرتے ہو اللہ اس کا عوض دیتا ہے"۔

میں اپنی چھوٹی بہن کو جب کبھی وہ مجھ سے پوچھتی ہے تو جو کچھ میری سمجھ میں آتا ہے بتا دیتی ہوں کبھی میں نے اس کو "نہیں" نہ کہا۔ اگر میں پڑھتی بھی رہتی ہوں تو پہلے اس کو بتلا کر بعد میں اپنا کام کرتی ہوں۔ شاید انسان اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ ایک مسرور اور کامیاب زندگی بسر کرے اور خدا کی عظمت ہر ایک کے حقوق پہچانے اور اپنی اخلاقی کمزوریوں کو دور کرے۔ مگر تحصیل علم کا مقصد اس قدر نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اوروں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔

مگر شاید آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ بعض وہ لوگ بھی جو خود کو تعلیم یافتہ کہتے یا کہلائے جاتے ہیں۔ اخلاقی کمزوری کے مرض میں کس شدت کے ساتھ مبتلا ہیں جنہوں نے علم کو برباد کر دیا ہے۔ میں اپنی ہی ہم جنس بہنوں کی کہتی ہوں کہ ایسے بزرگ محض ان ہی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے حصولِ علم کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور انگشت نمائی کی۔ جو در اصل ایک واقعہ ہے اور اس کی بدولت ہی ہزار ہا ہستیاں علم جیسی شئے سے محروم رہیں۔

آج کل سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض تعلیم یافتہ پرانی طرز کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان سے گفتگو کرنا اپنے لئے باعثِ ذلت سمجھتے ہیں۔ ذرا غور کریں اور تیرہ سو برس پہلے والا زمانہ یاد کریں تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں کیسے کیسے نایاب ہستیاں گذری ہیں۔ جن کے کارنامے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ان بزرگ ہستیوں کی زندگیوں کا مطالعہ اور مفصل حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ آج سے تیرہ سو برس پہلے والا زمانہ کیا تھا اور کیا اُس زمانے میں عروج تھا یا اب۔ اس زمانے میں بھی تعلیم تھی۔

دعا ہے کہ خدا ہر تعلیم یافتہ کو راہ راست پر لائے۔ تعلیم یافتہ کی سب سے بڑی پہچان اس کے اخلاق اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے ہوتی ہے۔ خوش خلقی اور مروت ہی اس کا ثبوت ہے۔

ہماری جہالت کا سہرا کِس کے سر ہے؟

از محترمہ عزیزہ ک۔ ف۔ بیگم صاحبہ

آج کل ہندوستان میں تعلیم نسواں جس سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خود ہم میں حصولِ علم کا شوق پیدا ہو گیا ہے اور ہماری کامیابی و کامرانی کی یہ داغ بیل ہے۔

لیکن اکثر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بعض گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم عیب میں داخل ہے' ان غریبوں کو اس زیور سے محروم رکھا جاتا ہے۔ سنتی ہوں کہ ایک عالم میں ہندی عورت محض اس کی بدتہذیبی اور عدم شائستگی کی وجہ رسوا و بدنام ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ یہ شکایت غلط اور سراسر ہندی عورت پر بہتان ہے۔ مگر غور بھی کرنا چاہیئے کہ اس رسوائی کا سہرا آخر اس کے سر کس نے باندھوایا؟ ظاہر ہے ایسی عورتیں اور لڑکیاں تعداد میں بہت' اور بہت ہی کم ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ کہی جا سکیں۔ عام طور پر' لڑکی کے لئے حصولِ علم کے کافی مواقع فراہم ہی نہیں کئے جاتے' وہ سہولتیں اس کو بہم نہیں پہنچائی جاتیں جن سے لڑکے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اگر لڑکی بدتہذیب اور شائستگی سے کوسوں دور نہ رہے گی تو کیا کریگی؟ میں یہ سوال کرنے کی جرأت کرتی ہوں کہ اس میں کس کا قصور ہے؟ کیا لڑکی کا ہی؟ غور کیجئے کہ علم کا دروازہ اس کیلئے بند کر دیا گیا۔ سوسائٹی میں اس کو شرکت کی اجازت نہیں' اس کی معلومات گھر کی چار دیواری میں محدود!! تو پھر وہ کیسے مہذب اور شائستہ بنتی؟ کس طرح اس کے اخلاق و عادات سنورتے؟ اگر حصولِ علم کا کافی موقعہ اس کو دیا جاتا تو اس کی معلومات وسیع ہوتے' وہ زیورِ علم سے آراستہ ہو کر تہذیب و شائستگی کا جامہ زیب تن کرتی۔ اس کے خیالات بھی روشن ہوتے' اخلاق کی درستگی ہوتی مگر اس کو تعلیم دلوانا عیب سمجھا گیا اور پھر اُلٹا یہ الزام اسی کے سر رہا کہ "جاہل ہے بدتمیز اور بدتہذیب ہے"۔

یہ صریحاً ظلم اور زیادتی ہے کہ کلہاڑی خود اپنے پیر پر ماریں اور نام بدنام ہو اُس کا۔ عورتوں اور لڑکیوں کو گھر کی چاردیواری

میں مقید رکھا گیا۔ انہیں علم حاصل کرنے کا موقعہ ملا اور نہ تعلیمیافتہ لوگوں سے ملنے کی اجازت دی گئی، اور پھر ہر طرف سے انہیں طعن دیئے جاتے ہیں کہ زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے مگر ہندی عورتیں اپنی جہالت اور قدامت پرستی کو چھوڑتی نظر نہیں آتیں۔

میں یہ ہرگز نہیں کہتی کہ پردہ کی قید سے ہندی خواتین کو آزاد کیا جائے اور نہ میرا یہ خیال کہ پردہ حصول علم میں مانع ہے نہیں ہرگز نہیں! پردہ ایک حد تک عیوب کو چھپاتا ہے اور یقیناً وہ ایک ایسا محافظ ہے جو تمام آفات سے بچائے رکھے۔ میں صرف یہ عرض کروں گی کہ حتی الامکان ایسی صورتیں مہیا کی جائیں جن سے لڑکی پردہ میں ہی رہکر تعلیم پائے۔ پھر دیکھئے کہ وہ کیسے تہذیب و شائستگی کا دامن تار تار کرتی ہے؟ اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسلِمٍ وَّ المُسلِمَاتِ کہکر مرد اور عورت دونوں کے لیے حصول علم فرض قرار دیا۔ مگر آج مسلمان جہاں اپنے اور فرائض کو بھولتے جارہے ہیں وہاں یہ فرض یعنے لڑکی کی تعلیم بھی ان کی غفلت کی نذر ہو رہی ہے۔ عورت کی جہالت خود آپ کی اور وطن عزیز کی تباہی کا باعث بن رہی ہے وہ ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا جہاں کی عورتیں کاہل اور جاہل ہوں۔ اس لیئے کہ ان کی جہالت کا اثر آنے والی نسلوں پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہی حال کچھ صدیوں تک رہا تو ملک و قوم کا نشان تک باقی رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دور ماضی کی سینکڑوں مثالیں شاہد ہیں کہ جس قوم یا ملک نے عورت کی عزت کی، اقبال و ظفرمندی کا تاج اس کے زیب سر رہا۔

ہمارے والدین لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر بیدریغ روپیہ صرف کرتے ہیں، مگر لڑکیوں کی تعلیم ان کے ہاں فضول قرار پاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ وہ جاہل رہ جاتے ہیں۔ مجھے یہ سنکر ہنسی آتی ہے کہ بعض والدین لڑکیوں کو زنانہ مدارس میں تک بھیجنے روادار نہیں، جب ایسا ہی ہے تو انہیں گھر پر ہی تعلیم دلوائیے، اگر کچھ تھوڑی سی توجہ برتی جائے تو لڑکی گھر پر ہی رہکر سب کچھ سیکھ سکتی ہے پڑھنے کے لئے مدرسہ کا جانا ہی فرض نہیں، مکان پر بھی بطور خانگی تعلیم و تعلم کا بخوبی انتظام ہو سکتا ہے۔ قدرت نے لڑکی کو زندگی کے ابتدائی دور میں بہ نسبت لڑکے کے فہم و ادراک کا مادہ زیادہ عطا فرمایا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ لڑکی بچپن میں لڑکے سے کہیں زیادہ ذہین، طباع اور بلند حوصلہ ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کی ذہانت کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ ان کے حوصلے پامال کیئے جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ اکثر گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم ضروری خیال کی جارہی ہے۔ ایسی لڑکیاں یقیناً خوش قسمت ہیں جن کے والدین کا ایسا نیک خیال ہو کسی کا کیا ہی بہتر قول ہے کہ "عورت ہی جنت ہے اور عورت ہی دوزخ" یہ واقعہ ہے کہ وہ گھر جس کی ملکہ تہذیب و تمدن سے آراستہ اپنے اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے دراصل جنت ہے"۔ اور بغیر علم کے یہ چیز محال ہے۔ ماں کی گود بچہ کی پہلی درسگاہ ہے۔ اگر خود ماں جاہل رہے تو بچہ (خواہ لڑکی ہو

یا لڑکا) کی حقیقت معلوم!!

خدا کا شکر ہے کہ مجھے حصولِ علم میں کافی موقعہ مل رہا ہے اور میرے ساتھ وہ سارے مراعات برتے جا رہے ہیں جو فی زمانہ لڑکوں کے لیے مخصوص ہیں۔ اس اعانت اور فرض شناسی کے لئے میں اپنے بزرگوں کی بہیں منت ہوں مگر افسوس ہے تو میری اُن بہنوں پر جن کے ساتھ ظلم روا رکھا جا رہا ہے جنھیں علم کے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ نہیں دیا جاتا اور وہ اپنے علمی شغف کو لیے جہالت اور بد تہذیبی کا طوق گردن میں ڈالے اپنی زندگی کے نیئے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں ان کا نباہ جس طرح ہوگا ظاہر ہے۔ کیا ہندوستانی والدین کبھی ٹھنڈے دل سے اس حقیقت پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائینگے؟

زرین اقوال

(از عزیزہ کشف بیگم صاحبہ)

۱۔ خدا کا خوف کامیابی کی چوٹی اور پرہیزگاری فضائل کی کنجی ہے۔

۲۔ آدمی جب تک اپنے بدخواہوں کا خیرخواہ نہ ہو اس کی نیکی کمال کو نہیں پہنچتی۔

۳۔ تمہارے ساتھ جو احسان ہو اُس کو یاد رکھو اور تم جو احسان کرو اس کو بھول جاؤ۔

۴۔ عمدہ اخلاق سے انسان دنیا کی تمام مخلوق پر قبضہ حاصل کرتا ہے۔

۵۔ جاہل کو ادب سکھانا ایسا ہی بعید ہے جیسا کہ آگ کو پانی میں روشن کرنا۔

۶۔ انسان بغیر عقل کے بے جان صورت ہے۔

۷۔ جب تمہارے کچھ دوست ہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے پاس بیش بہا خزانے ہیں۔

۸۔ دنیا کی محبت میں جو حد سے گزر گیا وہ محتاج مرا۔

۹۔ غصہ میں تاب نہ لانا رندوں کی خصلت ہے۔

۱۰۔ آدمی کو اس کے فعل سے جانچو نہ کہ قول سے۔

غزل

از محترمہ مسز سید ریاض الحسن صاحبہ

از نالۂ من بزمِ رقیباں گلہ دارد		از دودِ دلم شمع فروزاں گلہ دارد

ترسم ز پریشانیِ آں شوخ نگارے		از شوقِ دلم گیسوئے پیچاں گلہ دارد

چوں قیس زنم سنگِ ستم بر سرِ خویشم		از شورشِ من کوہ و بیاباں گلہ دارد

برپاست قیامت کہ توئی یوسفِ ثانی		از حسنِ تو معمورۂ کنعاں گلہ دارد

وابستۂ زنجیر بکا آہ رسائیم		غوغائے دلم از شبِ ہجراں گلہ دارد

وحشت کہ ز حد میگذرد کرد ترقی		از شورشِ پا خانۂ زنداں گلہ دارد

خمہا کہ تہی کرد توائے پیرِ خرابات		از مستیِ تو مشربِ رنداں گلہ دارد

رازم بہ نیازم کہ سراپردۂ رازم

از ہستیِ من صورتِ انساں گلہ دارد

خاص سفینہ کیلئے

موجودہ تعلیم کا ہماری معاشرت پر اثر

از محترمہ اقتدار منظور صاحبہ (مسز باہر القادری)

اس روشن زمانے میں تعلیم نسواں جس قدر ترقی پر ہے وہ کسی اظہار کی محتاج نہیں۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں خواتین نے حصول علم میں جس قدر جد وجہد کی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ سال کی مردم شماری سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ اعداد وشمار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خواتین کے علمی شغف کی یہی حالت رہی تو یقیناً بہت جلد ہمارا ہندوستان دیگر ممالک سے اس خصوص میں جو بہت کچھ پیچھے تھا ان کے دوش بدوش ہو جائے گا۔

مگر افسوس کا مقام ہے کہ تعلیم نسواں کی ترقی سے بجائے ملک وقوم کو فائدہ پہنچنے کے اُلٹا نقصان پہنچ رہا ہے۔ علم کی زیادتی ہم کو سدھارنے کی بجائے بگاڑ رہی ہے۔ پیشتر کے مقابلے سے ہم زیادہ کفایت شعار اور مذہب کے پابند ہوتے۔ نیز بچوں کو بھی اس کی ہدایت کرتے جس سے ہماری آیندہ نسلیں درست ہوتیں۔

شوہر کے فرمانبردار اور والدین کے اطاعت شعار بنتے جس سے ہماری دنیا اور عاقبت دونوں بہتر ہوتی کفایت شعاری کی بدولت قوم وملک کی حالت درست ہوتی۔ کوشش کی جاتی کہ ملکی اشیاء استعمال کی جائیں۔ اور بدیسی چیزوں سے پرہیز کیا جاتے۔ مگر ہم نے اس کے برعکس کیا۔

کسبِ معاش کو جو ایام جہالت میں ایک بڑی حد تک برا خیال کیا جاتا تھا۔ اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے میرا اس سے یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ ہم بےپردہ ہوکر مردوں کے دوش بدوش ہوکر روپیہ کماتے۔ بلکہ پردے کے اندر رکر بھی اگر ہم چاہیں تو دستکاری، سوزن کاری اور دیگر گھریلو صنعتوں سے ہم روپیہ پیدا کرسکتے ہیں۔ جس سے مردوں کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوسکتا ہے۔ لیکن تعلیم پاکر تو ہم نے بجائے خوبیاں پیدا کرنے کے اپنے اندر اس قسم کے بہت سے نقائص

پیدا کر لئے۔ جس سے لوگ تعلیم نسواں ہی کو بری نظروں سے دیکھنے لگے اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تعلیم نسواں کے سبب یہ ساری خرابیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے تعلیم پا کر دوسری قوموں کی آنکھ بند کر کے تقلید کرنا شروع کر دیا ہے۔ خواہ وہ ہمارے لئے کتنی ہی ضرر رساں کیوں نہ ہو۔ غور کا مقام ہے کہ جب ہماری اپنی خود یہ حالت ہے تو اس کا اثر ہمارے بچوں پر بھی کیا ہوگا یہ ایک مسلمہ نظریہ ہے کہ ماں کی گود بچے کے حق میں سب سے پہلی درسگاہ ہے۔ تعلیم پا کر جو خرابیاں ہمارے اندر پیدا ہوتی ہیں ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔ تعلیم پانے کے بعد ہم خیال کر لیتے ہیں اب گھر کا کام کرنا ہمارے واسطے یقیناً ناجائز ہو گیا۔ اگر پہلے گھر میں دو نوکر تھے تو اب کوشش کرتے ہیں کہ دس ملازم ہونے چاہئیں۔ پھر جدید تعلیم کے سبب یہ خیالات بھی لازمی طور پر ہو جاتے ہیں کہ سونے کھانا کھانے۔ گھر کے اندر رہنے ہوا خوری اور ملاقات وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ لباس ہونا چاہئے۔ غرض دن میں پانچ چھ مرتبہ لباس بھی تبدیل ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بلا ناغہ روزانہ کم از کم دن میں ایک بار ہوا خوری کو جانا بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں کوشش کی جاتی ہے کہ لباس کل ولایتی ہونا چاہئے ورنہ فیشن کے خلاف ہوگا۔ نسبتاً پیشتر سے زیادہ ہمارے تعلیم یافتہ ہونے کے باعث ملنے ملانے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کسی دن ہمارے گھر پر ہماری سہیلیاں تشریف لائی ہیں تو کسی دن ہم کو ان کے یہاں جانا ہوتا ہے۔ جس وقت تک ہم جاہل تھے، اول تو یہ روز روز کا جانا آنا نہیں تھا۔ اور اگر کبھی ہفتوں میں کوئی آ نکلا تو آنے والے کی خاطر تواضع بھی کی جاتی تھی جو ہماری حیثیت سے کبھی بھی زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ نیز کچھ زیادہ تکلفات نہیں کئے جاتے تھے۔

مگر اب تو زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ ہماری تواضع بھی ایسی گراں ہوگئی ہے کہ گھر کے میاں غریب کا تو اس وقت روز کی پر تکلف دعوتوں میں دیوالہ نکل جاتا ہے۔ اگر صرف چائے کی تواضع کی جائے تب بھی کم از کم پانچ دس روپے کیک بسکٹ وغیرہ میں ضرور نکل جاتے ہیں۔ جدید فیشن کے سبب تانگے وغیرہ پر چلنے کو ہم کسر شان خیال کرنے لگے ہیں لہٰذا موٹر ہونا ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ سینما اور تھیٹر میں روزانہ شرکت کی جائے۔ نیز پردے سے بھی بے نیازی اختیار کی جائے۔ اس کے ماسوا اب کیونکہ ہمارا شمار تعلیم یافتہ طبقہ میں ہونے لگا ہے۔ لہٰذا ہمارے گھر کے اندر قریب قریب تمام چیزیں ولایتی یا پھر کم از کم قیمتی تو ضرور ہونی چاہئیں، ورنہ جگ ہنسائی کا اندیشہ لگا رہتا ہے اس دور میں بچوں کی خود پرورش کرنا تو فیشن کے خلاف ہے۔ اور ہم جیسے تعلیم یافتہ فیشن کے خلاف کرنا تو ممکن نہیں۔ خواہ اس میں کتنی ہی خرابیاں اور دشواریاں کیوں نہ ہوں، اس لئے شروع ہی سے ہمارے بچے نوکروں کے سپرد

کر دیے جاتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخراجات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور بچوں کی نگہداشت بھی ٹھیک اور مناسب طور پر نہیں ہو سکتی اور جس کو ہم خیال کئے ہوئے ہیں کہ ہمارے بچوں کی تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی ہے جو یقیناً خراب ہوتی ہے مذہبیت کا تو کہنا ہی کیا۔ مذہب کا تو نام لینا بھی فیشن کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

اکثر فجر۔ عصر۔ مغرب عشاء۔ یہ چاروں وقت تو یقیناً ہمارے سیر و تفریح سینما تھیٹر وغیرہ کی نذر ہوتے ہیں۔ اگر کسی جلسہ یا پارٹی میں کوئی نیک مسلمان یہ کہہ دے کہ آپ لوگوں نے اس وقت کی نماز ادا نہیں کی تو وہ غریب لازمی طور پر جاہل مطلق خیال کیا جاتا ہے۔

ہم لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے شوہروں کی مساوات کا دم بھرنے لگتے ہیں اور اکثر اس خیال میں ان بیچاروں کے حقوق کی بھی پروا کم کی جاتی ہے۔ جس کے سبب عموماً آپس میں اختلاف ہی رہتا ہے۔ لیکن دونوں نئی روشنی کے تعلیم یافتہ ہیں یہ بھی ممکن نہیں کہ جو کچھ شکایات ہیں ان کو ظاہر کر کے شکوک رفع کر لیں۔ یہ بات تو فیشن کے خلاف ٹھہری۔ اس کے برعکس یہ ہوتا ہے کہ میاں اپنا وقت زیادہ کلب گھر میں اور دوستوں کے ساتھ ذکر گزار دیتے ہیں اور بیوی یا تو رنج و افسوس سے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر دق یا سل کی شکار ہو جاتی ہیں یا اگر بے پروا واقع ہوئیں تو انہوں نے بھی سیر و تفریح اور سہیلیوں میں رہ کر ہنسی خوشی وقت گزار دیا۔ الغرض اس جدید فیشن پرستی کے سبب ہمارے اندر سینکڑوں نقائص پیدا ہو گئے ہیں اور ان ہی وجوہات کے سبب تعلیم سے ہم لوگ فائدہ اٹھانے کی بجائے الٹا نقصان اٹھا رہے ہیں نیز اپنی اس غلط روش کی وجہ سے غریب تعلیم کو بدنام کر رہے ہیں۔ فیشن کی پرستاری میں ہماری فضول خرچیاں اسقدر بڑھ گئی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اور لازمی طور پر موجودہ فضول خرچیاں ہماری بربادی کا باعث ہیں۔ مذہبیت روز بروز ہمارے دلوں سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے ہم لوگ اپنے ہاتھ سے گھر کے کام کاج نوکر کے ہونے پر بھی کرتے تھے۔ اور اسکو اپنا فرض سمجھتے تھے مگر اب تو گھر کے کام میں حصہ لینا معیوب قرار دیا گیا ہے۔ لہذا سارا دن بیکار وقت گزرتا ہے۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ بالوں کے سنوارنے اور لباس تبدیل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ گھر کے کام کاج میں دخل دینے کی وجہ پہلے ہماری کافی ورزش ہو جاتی تھی جس سے ہماری صحت بھی اچھی رہتی تھی۔ اب چونکہ کام کرنا فیشن کے خلاف ہے۔ اس لئے ہماری ورزش نہیں ہوتی اور ہم لوگ آئے دن بیمار رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے بجائے اپنی بیماری کی اصل وجہ معلوم کرنے کے یہ خیال کر لیا ہے کہ پردہ ہماری بیماری کا باعث ہے۔ چنانچہ ہر طرف سے یہی رونا رویا جا رہا ہے کہ چار دیواری کے اندر رہنے سے کھلی ہوا نہیں ملتی جسکی وجہ سے صحت خراب ہو گئی ہے۔

میں یہ دریافت کرتی ہوں کہ آخر پہلے بھی تو ہم لوگ پردہ میں رہتے تھے۔ اسوقت ہماری صحتیں کیوں اچھی تھیں۔ سبب

کیسے آئے دن بگڑتی رہتی ہیں۔ صحت کی اس خرابی ہماری کاہلی اور فیشن پرستی ہے۔ ورنہ تازہ ہوا تو پیشتر سے زیادہ میسر ہے۔ ضرورت ہے کہ ان نقائص کو دور کرنے کی جلد از جلد کوشش کی جائے۔ ورنہ ہمارے تمدن و معاشرت۔ اخلاق و مذہب کا رہا سہا وقار بھی تباہ و برباد ہو جائیگا جس کے اثرات ہماری نسلیں محسوس کریں گی۔

اطلاع

"ادارہ" نہایت مسرت کے ساتھ اطلاع دیتا ہے کہ "میلاد نمبر" میں جو "خاص مضامین" شریک تھے ناظرات "سفینہ" نے ان میں سے "ہمارا ماضی، حال اور مستقبل" اور عورت کی زندگی کے تین دور، کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔ محترمہ نگینہ صاحبہ قاسمی (مومن آباد) اور محترمہ "ج" نقوی صاحبہ کی خدمات میں مدیرہ محترمہ کی جانب سے ہدیہ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔

ہم معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب (یم، بی، سی ایچ، بی، انبیسر) کے شکر گذار و رہین کرم ہیں، جنہوں نے اس سلسلہ میں ایک "قیمتی تحفہ" بھیجوا کر "سفینہ" کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ حسب اعلان گذشتہ ادارہ کی جانب سے بھی ایک تحفہ پیش کیا جائیگا، جو مسز پی۔ آر اینڈ سنس جویلرس (مدراس) کے یہاں تیار ہو رہا ہے۔ دونوں تحفہ جات کے فوٹو بلاک آئندہ اشاعت میں شریک رہینگے اور اسی وقت مذکورہ محترم خواتین کی خدمت میں یہ گذرانے جائینگے۔

اختر قریشی

"خانہ داری"

محترمہ نزہت افضل صاحبہ (از سیالکوٹ)

جس طرح ایک باغبان کو ہر قسم کے پھولوں اور پودوں کی نشو و نما کا جاننا چمن کا سنوارنا اور گلزار کی ہر سجاوٹ سے واقفیت رکھنا از بس ضروری ہے اسی طرح ہر عورت کو انتظام خانہ داری سے پوری طرح واقف ہونا چاہئے۔ یہی ایک جوہر ہے جس سے ایک مسکین عورت بھی اپنی جھونپڑی کو بہشت بریں کا نمونہ بنا سکتی ہے۔ اس سے نہ صرف خلقوں کا حسن سلیقہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ محنت پسند، کفایت شعار اور خوش مزاج بن جاتی ہیں۔ وہ معمولی آمدنی میں گھر کا معقول انتظام کر سکتی ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے۔ کہ بیوی کے سلیقہ شعار نہ ہونے سے شوہر کی جان عذاب میں ہو جاتی ہے۔ آخر کار اس ازدواجی زندگی کا انجام بہت ناخوشگوار ہوتا ہے۔ ناخوشگواری کی زندگی پُر لطف نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورتوں میں جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ نہایت تباہ کن اور حسرت ناک ہوتے ہیں۔

گھر کی منتظمہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے مکان کو خواہ وہ وسیع ہو یا تنگ صفائی پر پوری توجہ کام میں لائے۔ بعض ہندوستانی عورتیں اپنے گھر ایسی لاپروائی سے غلیظ رکھتی ہیں۔ کہ وہاں چند منٹ بیٹھنے سے طبیعت الٹنے لگتی ہے۔ بعض گھرانے آجکل فیشن کی تقلید میں بجائے مکانوں کے بنگلوں وغیرہ میں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ تاہم صفائی انکی جگہ رہائش میں بھی نہیں پائی جاتی۔

خانہ داری کا تمام بار عورت کے ذمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد تمام دن فکر معاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ انکو اسقدر فرصت نہیں مل سکتی۔ کہ وہ گھر کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ لہٰذا عورت کا فرض ہے۔ کہ وہ اس کام کو پوری طرح سے انجام دے۔

مکان کے در و دیوار کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ خود صاف کرے یا نوکروں سے اپنی زیر نگرانی صاف کروائے۔ نوکر مالک کی عدم موجودگی میں ہرگز دل لگا کر کام نہیں کرتے۔ گرد و غبار سے ہر چیز کو صاف رکھنا ضروری ہے۔ پان کی پیکوں کے نشان فرش و دیوار نہایت بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اتفاقی غلطی سے ایسی حرکت کر بیٹھے تو اس کے چلے جانیکے بعد فوراً اس جگہ صاف کروا

چاہیے۔ کپڑے اپنے اور متعلقین کے نہایت احتیاط سے رکھنی چاہیے۔ گری پڑی چیزیں سلیقہ سے بیرونی الماریوں میں صندوقوں اور طاقوں میں رکھنی چاہیں۔

لباس اور بستر ہمیشہ صاف رہنا ضروری ہے۔ اس سے طبیعت بشاش رہتی ہے۔ اور صحت پر نمایاں اثر پڑتا ہے۔

کھانا وقت پر تیار کروانا گھر کی منتظمہ کا فرض ہے۔ خوراک زود ہضم اور ہلکی ہونی چاہیے جس سے کھانے والوں کی صحت میں فرق نہ آنے پائے۔ بدذائقہ کھانا کوئی پسند نہیں کرسکتا۔ اس لئے کھانے کے وقت سے پیشتر ہمیشہ سب کھانوں کی دیکھ بھال کرنی لازمی ہے۔ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو پوری کر دینی چاہیے۔ یہ نہ ہو۔ کہ عین کھانے وقت نمک مرچ کی پڑتال ہو۔ ٹھنڈا کھانا علاوہ نقصان دہ ہونیکے طبیعت پسند نہیں کرتی۔

وہ گھر بہشت بریں کا نمونہ بن سکتا ہے۔ جس گھر میں منتظمہ لائق اور سمجھدار ہو۔ گھر ہی ایک ایسی جگہ ہے جس میں داخل ہو کر مرد ہر قسم کے دنیاوی افکار و پریشانیوں سے چند لمحوں کے لئے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ گھر کی فضا میں سرور ہونا چاہیے۔ کہ قدم رکھتے ہی دل بشاش ہوجائے۔

لڑکیوں کو کوار پنے میں ہی تمام علوم خانہ داری پر دسترس حاصل کرلینی چاہیے۔ تاکہ انکو بعد میں دقت محسوس نہ ہو۔ اور وہ اس امتحان میں سرخروئی سے کامیاب ہوں۔ شادی کے بعد نہایت دشوار ہے کہ خانہ داری کی ابتدا شروع سے سیکھی جائے۔

"سفینہ کی مضمون نگار محترم خواتین نوٹ فرمالیں"

کہ آیندہ سے صرف وہی مضامین شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائینگے جو خوشخط اور واضح طور پر لکھے ہوں۔ اس سے ایک تو "ادارہ" کی مصروفیتوں میں ایک حد تک کمی ہوگی، دوسرے کتابت کی غلطیوں کا احتمال بہت کم رہیگا۔

منیجر

کب تک ....؟

از مولانا سید علی اختر صاحب، اختر

فریب ہے ہستیٔ زمانہ فریب پر اعتبار کب تک
فنا کی لذت سے کامراں ہو حیاتِ ناکامگار کب تک

مجھے نہ دی عشرتوں کی دعوت گراں سہی ہے مری تلخ کامی
کہ ہمنشیں! اس چمن میں دورِ مئے نشاطِ بہار کب تک

اگر ہے منزل رسی کی خواہش تو ہمتِ دل بڑھا کر
کہ جادۂ کاروانِ رفتہ سے اٹھ سکے گا غبار کب تک

تباہیِ دورِ ناسزا سے اگر تلخ تر زندگی کی سانسیں
تغیرِ ماہ و سال کیا ہے یہ گردشِ روزگار کب تک

فریبِ فطرت عمیق ہے کس قدر کوئی آج تک نہ سمجھا
کہ جبر کے ساز میں رہیگا ترانۂ اختیار کب تک

قفس میں ہیں ہم صفیر! میرا ہمارے یہ پیام کہدے
رہیں گی خاشاکِ آشیاں پر یہ بجلیاں بیقرار کب تک

سنبھل! کہ دورِ زمانہ اختر، عمل کا پیغام دے رہا ہے
یہ ہمتِ ناتمام تا کے یہ عزمِ نا استوار کب تک

اطاعت

از محترمہ مسز مظفر علیؒ (ہمایون نگر)

اطاعت یعنے فرمانبرداری دوسرے معنوں میں اپنے افعال و کردار سے دوسرے کی طبیعت کو خوش کرنا خصوصاً نسوانی زندگی کے لئے ایک عورت بغیر اطاعت کے اپنی زندگی خوش نہیں رکھ سکتی عورت کی زندگی کیا ہے۔ ایک طوفان ہے۔ اس میں سیکڑوں موجیں اس شدت سے اٹھتی ہیں کہ اس حیات کے وجود کو ختم کردیں۔ اس سنگین امتحان کا سپر اگر کوئی چیز ہے تو وہ اطاعت ہے۔ اکثر بہنیں اسکے سمجھنے میں غلطی کرتی ہیں اس کا بہترین طریقہ یہ ہے ہمکو جس گھر میں بھیج دیا گیا (سسرال) وہان جانے کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جائے کہ کون کس طبیعت کا ہے اسکی ناراضی کن سبب سے ہے اور خوشی کی کیا وجوہ ہیں اس کو ذرا ٹٹول لیا جائے تو معلوم ہو جائیگا۔ اس کے بعد ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس میں وہ خوش ہیں اس میں شک نہیں کہ اس کیلئے ابتدا میں اپنی نفسیات سے جنگ کرنی پڑیگی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا نتیجہ اچھا نکل آئیگا اور ممکن ہے کہ ہر شخص آپ کا ہو رہے ع "مشکلیں مجھ پہ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں" اگر ہم غور سے دیکھیں تو مفہوم زندگی اطاعت ہی سے ہے اور حقیقی خوشی اور سچی مسرت اطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ قدرت کا مقصد انسان کی تخلیق سے یہی ہے اسلئے خدا کے نافرمان کو ملعون قرار دیا گیا اور انسان کی عاجزی وانکساری کو پسند کرکے خداوند تعالےٰ نے اشرف المخلوقات کا خطاب سرفراز فرمایا مذہب اسلام میں فریضہ نماز اطاعت کی جڑ ہے اور روزہ حج زکواۃ اس کی ڈالیان۔ اس کے بعد میں اپنے موضوع کے تحت ان ماؤں اور بہنوں کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہوں جو کہ ساس اور نند کے ممتاز رشتہ سے موسوم کئے جاتے ہیں یہ رشتہ جسقدر ممتاز ہے اس کی ممتازیت کو برقرار رکھنے کیلئے انہیں بھی لازم ہے کہ اپنی بہو و بھاوج کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اپنی لاڈلی بیٹی اور پیاری بہن کے لئے روا رکھتیں ہیں۔

سلسلۂ تذکرۃ الخواتین

قرۃ العین

از محترمہ امتہ الحبیب صاحبہ

پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن آف کیمبرج اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں :۔
"دنیا میں ایسی خواتین کا ظہور شاذ ہی ہوتا ہے . . . . اگر بابی مذہب کی صداقت کا ثبوت کوئی اور نہوتا تو صرف یہی امر کافی تھا کہ قرۃ العین جیسی خاتون اس کی پیرو ہے"

قرۃ العین جس کا اصلی نام زرین تاج تھا حاجی ملا محمد نامی ایک شریف الخاندان اور متوسط طبقہ کے فرد کی دختر تھی۔ اسکی ولادت اور ازدواج کی تواریخ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مگر اتنا ضرور ثابت ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی قطعاً ناکام رہی۔ اسکے شوہر کو باب اور اسکے مذہب سے سخت نفرت بلکہ عداوت تھی اور یہ نوجوان خاتون شادی سے کئی برس پہلے ہی سے بابی مذہب کی پیرو اور دلدادہ بن چکی تھی۔ اتفاقاً ایک اور واقعہ ایسا پیش آیا کہ شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات ٹوٹنے کے قریب ہوگئے۔ اس کے شوہر کے والد کو باب کے کسی فدائی نے قتل کرڈالا۔ قدرتی طور پر یہ شبہ کیا گیا کہ قتل قرۃ العین ہی کے اشارہ سے ہوا ہے چنانچہ اسے گرفتار کرکے قزوین کے والی کے روبرو پیش کیا گیا۔ مگر ناکامی شہادت کی بناء پر وہ بری کردی گئی۔ اب میاں بیوی کا میل جول کا رہنا محال تھا۔ طلاق ہوئی اور قرۃ العین کو ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر کے گھر کو خیرباد کہنا پڑا۔ قزوین سے نکل کر طہران کے راستہ سے ہوتی ہوئی وہ خراسان پہونچی اور اس مشہور عالم کانفرنس میں شریک ہوئی جو بابی مذہب کے مقتدر اراکین کے درمیان بمقام بادداشت منعقد ہوئی تھی۔ وہاں سے وہ ملا محمد علی نامی ایک شخص کے ہمراہ مازندران آئی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے کسی تاریخ میں اس کے وجود اور سکونت کا پتہ نہیں چلا۔ دفعتاً اس کا ذکر پھر یوں آتا ہے کہ وہ گرفتار ہوکر طہران آئی اور محمد خان قلندر نے اسے قید میں رکھا۔ اور اسی کے پاس وہ اپنی شہادت کے وقت تک مقید رہی

مفصلۂ ذیل واقعات اس کی زندگی کے متعلق تاریخ جدید سے اخذ کئے گئے ہیں :۔

قرۃ العین کربلا پہونچی جہاں اس کی ملاقات ان باقیدار شیوخ سے ہوئی جو پوشیدہ امام یا امام قائم کے ظہور کے منتظر تھے بعد ازاں وہ علی محمد بانی مذہب باب کی مرید ہوگئی۔ جس نے خود کو امام قائم مشہور کر رکھا تھا قرۃ العین نے اب پس پردہ درس

وتلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ خربلا کے والی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اور اس نے قرۃ العین کی گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ خدا جانے اس کو اس حکم کی خبر کس طرح پہونچی کہ وہ فوراً وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور براہ راست بغداد میں وارد ہوئی بغداد اس وقت ترکوں کے زیر حکومت تھا۔ بغداد پہونچکر وہ خود وہاں کے مفتی کے آگے دادخواہ ہوئی اور خود کو الزام سے بری اور اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ مسئلہ فوراً حکومت کے روبرو پیش کیا گیا جہاں سے اس کے اخراج کا حکم ملا۔ کرمانشاہ اور ہمدان سے گذرتی ہوئی اور راستہ میں وعظ وتلقین کے ذریعہ ہزارہا افراد کو اپنا مطیع ومعتقد بناتی ہوئی وہ ترکی حدود کے باہر نکل گئی۔ شیعہ مذہب کے بعض بڑے بڑے ارکان اس کے پیرو بن گئے۔ چند بابیوں نے باب کے آگے اس طرح ایک نوجوان لڑکی کے کھلم کھلا تبلیغ کرنے پر اعتراض کیا۔ مگر باب نے مخالفین کے علی الرغم نہ صرف اسے اس امر کی اجازت دی۔ بلکہ اس کی حرارت واعتقاد مذہبی کی تعریف کر کے اسے طاہرہ کا خطاب بھی دیا۔ ہمدان سے وہ طہران جانا چاہتی تھی کہ شاہ سے ملاقات کر کے اسے اپنے مذہب کی دعوت دے۔ لیکن اس کے والد نے اسے مجبور کر کے قزوین میں لایا اور اس کی شادی کر دی۔

اس کی شہادت عجیب وغریب حالات کے تحت وقوع پذیر ہوئی۔ ڈاکٹر پولک جو اس کی شہادت کے وقت موجود تھا۔ اور اس واقعہ کا عینی گواہ ہے۔ لکھتا ہے کہ اس نے اس بے رحم اور ناانصاف حکم کو شستے ہوئے ملکوتی صبر وتحمل کے ساتھ سنا۔ گوبی نیو کہتا ہے کہ اس کو قتل کرنے کے بجائے پھانسی دیکر لاش کو آگ میں پھونک دیا گیا۔ دوسرے مورخوں کا بیان ہے کہ اس کو ایک تاریک کوئیں میں گرا دیا گیا۔ جو محل نگارستان کے خانہ باغ میں واقع تھا۔ اور پھر کوئیں کو پتھروں سے بند کر کے پاٹ دیا گیا۔ قرۃ العین باب کی اسقدر معتقد تھی کہ اس نے ماں باپ، شوہر، دولت، عزت کو "مالک" کے نام پر ٹھوکر مار دی تھی۔ اور اپنی عمر "وحدت الوجود" اور مسئلہ تناسخ کے راز ہائے پنہاں کو حل کرنے میں اور اپنے مذہب کی تبلیغ وتلقین میں گذار دی وہ ایک نہایت پرگو شاعرہ تھی۔ اور فی البدیہہ اتنے اشعار کہہ لیتی تھی کہ لوگ اسے بھی اس کی ایک کرامت تصور کرتے۔ اور اس کی علمیت سے مرعوب ہو جاتے۔ اسے آیات قرآنی۔ حدیث اور اماموں کے اقوال کثیر تعداد میں یاد تھے۔ جس سے وہ اپنے کلام کو مستند بنانے میں مدد لیتی تھی۔

مرزا جانی مصنف "نکتۃ الکاف" مذکورہ بالا بیان میں حسب ذیل امور کا اضافہ کرتا ہے۔ قرۃ العین کی تقریروں میں مردوں سے زیادہ عورتوں کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ جن کے لئے پردہ باندھکر ایک جگہ علیحدہ کر دی جاتی۔ اس کا یہ قول تھا کہ وہ (نعوذ باللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ ہے۔ جو قرۃ العین کی شکل میں آئی ہے۔ یہی دعویٰ اسکے

قتل کا باعث ہوا۔ بابی لوگوں کا عقیدہ رجعت یا تناسخ کے مسئلہ کی سختی سے موافقت کرتا تھا۔ اور اسی کا اظہار یہ شیر دل خاتون اور دوسرے مذہبی عقائد کے ساتھ علانیہ کرتی تھی۔ گو وہ پس پردہ تقریر کرتی تھی۔ مگر اس کی فصاحت و علمیت اس کے معاصر شعراء و علماء کے لئے مایۂ رشک تھی۔

ذیل میں ہم اس کی چند نظموں کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو مشہور مستشرق پروفیسر براؤن کے انگریزی ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ اسکی نظموں کا مجموعہ ناپید ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی عیسوی کے معاصرین اسے ایک پُر مغز اور قادر الکلام شاعرہ مانتے ہیں۔ اس کی پراسرار شاعری کا متصوفانہ رنگ ہمیں ایران کے مشہور ترین اساتذہ مثلاً جامی۔ حافظ اور عمر خیام کی یاد دلاتا ہے۔

نوجوانی کیا لائی؟
اور بڑھاپا کیا لے گیا؟
شباب معشوق کو ساتھ لایا
اور ضعیف العمری شراب کہنہ کو لے گئی
ایسا معشوق جسکا پُر شوکت چہرہ
ایک نظر دیکھنے والا لازوال اور غیر فانی بن جاتا ہے
اور وہ مئے کہنہ جسے اگر کسی نے ایکبار چکھ لیا
تو موت کی دسترس سے باہر ہو جاتا ہے
کیونکہ یہ وہی خم ہے جس سے "ساقی" نے
کسی کو شراب خالص اور تلچھٹ دیتا ہے

تلوار ہاتھ میں لئے میرا "معشوق"
مجھ بیگناہ کو قتل کرنے کھڑا ہے
اگر اسے یہی پسند ہے
تو مجھے بھی سر تسلیم خم کرنا چاہیے

عالم خواب میں صبح کے قریب
وہ "ساحر" میرے پاس آیا
"اسکے" چہرہ اور انداز میں
مجھے صبح صادق کی جھلک نظر آئی

(ترجمہ)

جذباتِ پنہاں

از محترمہ رابعہ صاحبہ پنہاں (کلکتہ)

نہیں تابِ شکیبائی تو پھر ضبطِ فغاں کب تک
گھٹے گا مجمرِ سینہ میں آہوں کا دھواں کب تک

نگاہِ باغباں رہ رہ کے برق آسا تڑپتی ہے
رہیگا اس طرح اپنا چمن میں آشیاں کب تک

لگیں خوں رنگ ہونے پتلیاں شیدائے کافر کی
نہ لائی رنگ خونِ دل کی آخر داستاں کب تک

شبِ غم کی سحر ہوتے ہی سرد ہونے لگی یہ بھی
شریکِ سوز رہ سکتی تھی شمعِ زرفشاں کب تک

نویدِ اے دستِ وحشت آمدِ فصلِ بہاراں ہے
وبالِ ہوش دامن کی رہیں گی دھجیاں کب تک

شبِ غم چرخ بھی ہلنے لگا آہِ شرر زا سے
رہیگا کوئی مستِ نشۂ خوابِ گراں کب تک

نہیں ملتا نشانِ منزلِ امید مضطر کو
غبارِ یاس میں بھٹکے گا یا رب کارواں کب تک

ہوئی آہن گداز آتش نوائی کی شرر ریزی
رہیں گی سدِّ رہ میری قفس کی تیلیاں کب تک

ہے رقصِ اضطراری خونِ بسمل میں بھی اے پنہاں
کرے گا اضطرابِ دل کا قاتل امتحاں کب تک

دہلی سے علیگڈھ تک!!

از جناب مرزا محمد علی خاں صاحب
(آنریری لائبریرین، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

ابھی ـــــ تو گاڑی جانے میں ایک گھنٹہ ہے۔" حمید نے اپنی دستی گھڑی کو دیکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔ میں نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "تو چلو ہم اسٹیشن پر رفرشمنٹ روم میں کھانا کھالیں گے۔" ہم قدم بڑھا کر جلدی جلدی دہلی کے اسٹیشن پر پہنچے اور رفرشمنٹ روم میں جا داخل ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آگ کے قریب ہو بیٹھے کیونکہ سردی بہت تھی۔ اور آج کے فلم پر اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ہم صبح کی گاڑی میں علیگڈھ سے صرف سینما دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ چونکہ آجکل یہاں پر رائل سینما میں (Trader Horne.) فلم بتلایا جا رہا تھا۔ جس کا شمار دنیا کے بہترین فلموں میں ہے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم ٹہلتے ہوئے۔ بک اسٹال پر پہنچے اور ایک اخبار خرید کر اپنی گاڑی کی طرف چلے۔

ـــــ ہوڑہ "اکسپریس" بالکل تیار کھڑا تھا۔ گویا بس ہمارا ہی منتظر تھا۔ جوں ہی ہم ایک "سکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ" میں داخل ہوئے۔ گاڑی شور کرتی ہوئی روانہ ہوئی۔ ہم جس کمپارٹمنٹ (Compartment) میں تھے۔ وہاں ایک اور صاحب بنچ پر دراز تھے۔ بہرحال گاڑی کے پلیٹ فارم سے نکلنے تک کسی خاص قسم کی گفتگو اُن سے نہیں ہوئی۔ مگر اُنہوں نے مجھے غور سے دیکھنا شروع کیا اور میں اپنی آنکھوں کے گوشوں سے دیکھتا جاتا تھا کہ وہ بہت دل لگا کر میرا جائزہ لے رہے ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ ہنسی آرہی تھی۔ اور میں جس کے روکنے کی ناکام ـــــ لیکن دلچسپ کوششوں میں مصروف تھا میں نے حمید کی طرف دیکھا تو وہ بھی زیرلب مسکرا رہا تھا۔

ٹرین کی آواز اپنی پوری موسیقیت کے ساتھ جاری تھی۔ ہوا اتنی تیز اور سرد تھی کہ معلوم ہوتا تھا ابھی سب چیزیں جم کر رہ جائیں گی۔ ناک تو معلوم ہوتا تھا کہ چہرے پر سے غائب ہی ہو گئی ہے۔ میں دوسری "برتھ" پر جا کر حمید کے ساتھ کمبل میں ہو بیٹھا۔ جان میں جان آئی اور پہلی مرتبہ میں نے اپنے گھورنے والے کی شکل پوری طرح سے دیکھی وہ سوالیہ جملہ کی علامت (؟) کی طرح جھکے بیٹھے تھے۔ عمر کوئی (۲۵) سال کی ہو گی۔ بال اوپر اُٹھے ہوئے تھے' پیشانی چوڑی تھی اور آنکھیں اندر کیطرف گھسی ہوئی تھیں۔ آپ کا چہرہ دیکھنے کے بعد بے ساختہ پہاڑ کے ان حیوانوں کا خیال آجاتا تھا جن کی شکل انسان نما ہوتی ہے مونچھیں منڈی ہوئی تھیں اور ان کی عدم موجودگی اتنی ہی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی جتنی ان کی موجودگی ان تمام رعنائیوں پر لطف یہ تھا کہ آپ سوٹ میں ملفوف تھے۔"

میں نے غور سے دیکھنے کے بعد یہ اندازہ کیا کہ وہ ان لوگوں میں ہیں جو تہذیب مغرب کے جنون میں اپنی طرز معاشرت سے بیزار ہو گئے ہیں جن کو موجودہ تمدن کی روشنی نے اندھیرے میں ڈال دیا ہے۔ جاڑہ اتنا سخت پڑ رہا تھا کہ ہمیں کمبل کے اوڑھنے پر بھی سردی معلوم ہوتی تھی۔ مگر وہ فیشن کے جوش میں صرف پتلون اور قمیص پہنے ہوئے لکھنو کے چنداں ضرب المثل نفاست پسند لوگوں کی طرح کانپ رہے تھے جو سردی میں اکڑ جائیں مگر جامدانی کا انگرکھا ہی زیب تن ہو گا۔

دفعتاً ان کی تھوڑی کو جنبش ہوئی جسے دیکھ کر جزیرہ نما کی اصطلاحی تعریف یاد آگئی میں خوا مخواہ ہوا اور سمجھ گیا کہ یہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اب میں سرگرم گفتار ہونے والا ہوں ——

ابھی میں نے یہ قیاس ہی کیا تھا کہ انہوں نے کھنکار کر مجھ سے خلاف امید انگریزی میں سوال کیا۔

وہ کیوں جناب! کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ یہاں سے کانپور تک کتنے اسٹیشن ہیں۔

میں۔ بدقسمتی سے مجھے اسٹیشن کے نام حفظ نہیں ہیں۔ ورنہ ضرور گنوا دیتا۔ مگر اندازاً ہونگے یہی کوئی ڈیڑھ دو سو۔ ——"

میں۔ کیا آپ کانپور تشریف لیجا رہے ہیں۔

وہ۔ جی ہاں۔ اور آپ .... غالباً علی گڑھ ....؟

میں۔ (مسکرا کر) جی ہاں۔

ٹرین میں سفر کرنے والے لوگوں کے لئے بیکاری میں صرف تین چار دلچسپ مشاغل ہوتے ہیں یا تو

وہ آپ کا نام اور تمام باتیں جو مردم شماری کے رجسٹر میں درج کرنا ضروری ہوتی ہیں حتیٰ کے شجرہ تک دریافت کر لیتے ہیں۔ یا وہ خود اپنا تعارف کرنے کے بعد شاعر ثابت ہوتے ہیں۔ اور پھر ٹوٹے پھوٹے اشعار اس وقت تک سناتے رہتے ہیں جب تک کہ آپ سے داد نہ لینگے یا تو آپ کو غصہ نہ آجائے یا آپ ٹرین سے اتر نہ پڑیں اگر کہیں کوئی حضرت موجودہ سیاسیات کے دلدادہ ہوئے تو وہ تمام ان اخبارروں کا آموختہ سنا جائیں گے جو انہوں نے اس وقت تک پڑھا ہے۔

مجھے رہ رہ کر ان سے ڈر لگ رہا تھا۔

بجلی کی روشنی ان کے منہ پر پڑ رہی تھی۔ دفعتاً ان کے چہرہ پر متعدد لرزشیں پیدا ہوئیں ان کے گالوں میں جھریاں پڑھ گئیں اور ان کے چہرہ میں کچھ وسعت ہوئی۔ اور ذرا غور کرنے سے میں سمجھ گیا کہ یہ حرکت ہے۔ جسے بہت مبالغہ کے بعد تبسم کہا جا سکتا ہے۔

وہ ۔(سگریٹ پیش کرتے ہوئے) آپ کس جماعت میں تعلیم پاتے ہیں۔

میں ۔معافی چاہتا ہوں۔ مجھے اس کی عادت نہیں میں ایف۔ ایس۔ سی میں ہوں اس کے بعد پھر ایک خاموشی طاری ہوگئی۔ اس درمیان میں ٹرین شاید غازی آباد کے اسٹیشن پر ٹھیر گئی۔ اور میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر بجا لاتا ہوا کہ ایک بلا سے پیچھا چھٹا پلیٹ فارم پر ٹہلنے کے لئے اُتر پڑا۔

جب ٹرین نے سیٹی دی تو میں اپنے ڈبے میں چڑھ گیا۔ دو نئی صورتیں اور نظر آئیں۔ ایک تو نوجوان لڑکا تھا۔ اور دوسری "برقعہ" پر سر پہ سبز شال ڈالے مخملی اُورکوٹ پہنے ایک خاتون بیٹھی تھیں۔

تھوڑی دیر تک حمید سے اور ان صاحب سے جو ابھی آئے تھے گفتگو ہونے لگی۔ پھر اُس کے بعد حمید نے مجھ سے کہا۔" آپ سے ملو آپ کا اسم گرامی علی جواد ہے۔ اور آپ کو شعر کہنے میں کمال حاصل ہے۔ میں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ (اس کے ساتھ انہوں نے دانت نکالدئے اور سر ہلایا۔ میں سمجھ گیا یہ خوشی کا اظہار کر رہے ہیں)۔

حمید۔ (جواد صاحب سے) ہاں صاحب پھر کچھ ارشاد ہو۔

وہ ۔کیا عرض کروں۔ شاعری کیا کرتا ہوں۔ بس تک بندی کر لیتا ہوں۔ فضول آپ کی سمع خراشی ہوگی۔

حمید۔ اجی نہیں صاحب کمال کیا۔ آپ تو شرمندہ کرتے ہیں۔

میں سمجھ گیا جس مصیبت سے ڈر رہا تھا وہ آہی گئی جواد صاحب نے اپنی جیب میں سے

ایک نوٹ بک نکالی۔ اور بڑے غور سے اپنی بائیں طرف دیکھا۔ اور بڑی کوشش کے بعد میں نے یہ طے کیا کہ انہوں نے اُس خاتون کی طرف دیکھا تھا۔ جس کا گندمی رنگ بجلی میں بہار دے رہا تھا وہ کچھ مسکرائے اور اپنی باتوں میں نوجوانی اور مستی کی ساری ادائیں اور شوخیاں پیدا کر رہے تھے۔

جب میں یہ دیکھا فوراً کمبل لے اور اوپر کی برتھ پر دراز ہو گیا۔ اور جب اُن کی آواز نے میرے کان تک رسائی کی تو میں گھبرا کر فوراً دونوں ہاتھ سے اپنے کان بند کر لئے مگر پھر بھی گھون گھون آواز ضرور آرہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کا یہ جوش وخروش ختم ہوا۔ اور وہ کھانستے ہوئے کھڑکی کی طرف آئے میں نے اپنے ہاتھ کانوں پر سے ہٹا لیئے۔ اور سمجھا کہ یہ سمع خراشی اب ختم ہوگئی مگر وہ آتے ہی پانی کا ایک گلاس چڑھا گئے۔ اور حمید سے جھومتے ہوئے کہنے لگے۔

وہ۔ اگر اجازت دیجئے تو میں شعروں کو لحن سے پڑھوں"۔ بس سُنتے ہی میری تو روح ہی نکل گئی۔ مگر ان کو ذرا اُلّو بنانے کے لئے (ہنسی کو روکتے ہوئے) میں نے کہا" جی ہاں ضرور۔ لطف دوبالا ہو جائیگا۔

اس کے بعد انہوں نے گنگنانا شروع کیا۔

اور پھر آواز اٹھا کر کچھ ٹوٹے پھوٹے اشعار کہنے لگے گلے کی ساری نسیں جو سخت کا ریب دبی ہوئی تھیں پھول گئیں۔ آنکھیں زور پڑنے سے اور بھی ابرائے زام ہوئیں۔ گال کے گڑھے اور زیادہ نمایاں ہو گئے معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے بط کی گردن مروڑ ڈالی ہے۔ اور وہ بے تحاشہ چیخ رہی ہے۔ مجھ سے ہنسی ضبط نہیں ہوئی۔ اور مجبوراً اپنا منھ دوسری طرف پھیر لیا۔ سبز شال والی خاتون شال کے آنچل سے اپنا منھ چھپا کر خوب دل کھولکر ہنس رہی تھی۔ اور ہمارے جواد صاحب کو اسکا یقین ہو گیا کہ ان کی آواز کی موسیقیت آج کامیاب ہو گئی۔

اس میں دراصل کوئی دل کو مسخر کر دینے والا عنصر ضرور تھا۔ جس طرح ٹرین کی آواز بڑھتی جاتی تھی ویسے ہی رفتہ رفتہ کسی کی مسکراتی ہوئی آنکھیں جواد صاحب کی ہمت افزائی کرتی جاتی تھیں۔ اور ان کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ انھیں شاید یہ معلوم تھا کہ فن موسیقی کا کمال آواز کا اتار چڑھاؤ ہے چنانچہ انہوں نے تانیں لگانا شروع کر دیں۔ اور واقعی پہلے تو میں یہی سمجھا کہ یہ سردی سے کانپ رہے ہیں۔ اسلئے آواز میں اس قدر لرزش ہے لیکن بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنا کمال دکھانے کی سعی لاحاصل میں مصروف تھے۔ حمید جھوم جھوم کر تعریفیں کر رہا تھا۔

اور مجھے یاد آگیا کہ ان تعریفوں میں کالج کی شرارت زیادہ شامل ہے ——————

ہمارے موسیقی کے ماہر فن معلوم نہیں کب تک گاتے رہے —— مجھے نیند آگئی اور میں سو گیا غنودگی کی حالت میں کبھی تو انجن کی کرخت سیٹی اور کبھی جواد صاحب کی اسی قدر دلخراش آواز کا احساس ضرور ہوتا تھا۔ لیکن قہر درویش بجان درویش۔ میں جانتا تھا کہ یہ سب کیا دھرا حمید کا ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو حمید اور جواد صاحب میں بڑے جوش و خروش سے بحث ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سنتا رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ اگر میں اٹھ بیٹھا تو خواہ مخواہ ان کی بحث میں شرکت کرنی پڑیگی۔

حمید۔ جس تعلیم سے اس کا اصل مقصد فوت ہو جائے اُس تعلیم سے کیا فائدہ —————— ؟

وہ۔ (گرم ہو کر طیش کے ساتھ) واہ! خوب۔ انھیں خیالات نے تو ہندوستان کی حالت خراب کر دی ہے ——————

—————— مغربی تعلیم کا یہی انجام ہے کہ آپ کے خیالات اسقدر دقیانوسی ہوں۔ آپ کو ہندوستان کی موجودہ حالت پر غور کرتے ہوئے کم از کم ایسی باتیں تو نہ کرنا چاہئے۔ گھروں کی چاردیواری میں —————— ہاں!

—— عورتوں کو بند رکھنے سے ہم صرف ان کے جذبات ہی کو مردہ نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کی ترقی کی ساری صلاحیتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ وہ دنیا سے بالکل بے خبر رہتی ہیں۔ ایک ہی مکان میں برسوں تک قید رہنے سے ان کی تندرستیوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ وہ دق اور سل کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

ان کے قویٰ معطل اور ان کے ذہن کند ہو جاتے ہیں۔ ان کی دماغی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں یورپ کو دیکھئے۔ وہاں کی ترقیاں دیکھئے اور دیکھئے اس میں عورتوں نے کسقدر حصہ لیا ہے۔ علمی اور ادبی دنیا میں انہوں نے شہرت حاصل کی ہے۔ سوسائٹی میں انہوں نے کسقدر دلچسپیاں پیدا کر دی ہیں۔

—— تمام فنوں میں انہوں نے امتیازی حیثیت حاصل کی ہے وہ اپنے خاوندوں پر بار نہیں ہوتیں بلکہ ان کی مدد کرتی ہیں ——————

(سیٹ پر زور سے گھونسا مارتے ہوئے ذرا اور پرجوش لہجے میں) کیا وجہ ہے کہ ہم ان پر اسقدر ظلم کریں ہم کو کیا حق ہے کہ اُن کے جذبات کا اسطرح خون کریں۔ کیا ان کے پہلو میں دل نہیں ہے۔ کیا ان میں جذبات اور حوصلہ نہیں ہیں؟ کیا آپ ہی کو حق ہے کہ آپ سینما اور
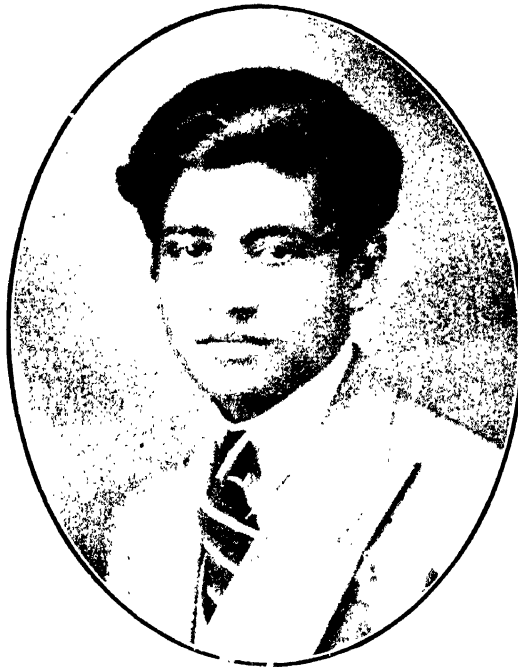
مرزا محمد علی خان صاحب

MIRZA MOHD. ALI KHAN,
Muslim University (Aligarh)

تبصروں میں وقت صرف کریں۔ ملک کی تمدنی حالت میں دلچسپی لیں۔ شاعری کریں۔ فسانہ نگاری میں کمال [illegible] کریں۔؟ اور وہ ان سب سے محروم [illegible] جائیں۔؟ خوب انصاف ہے! اور آفرین ہے۔ آپ کی بلکہ آپ لوگوں کی ذہنیت پر۔

جواد صاحب اپنے پورے جوش پر تھے معلوم ہوتا تھا کسی نے ستار کے خاموش تار کو بہت زور سے چھیڑ دیا ہے۔ آجکل کے مشہور ہندوستانی لیڈروں کی طرح ہاتھ اٹھا اٹھا کر خفا ہو رہے تھے اور بحث کر رہے تھے۔ آنکھیں دہک رہی تھیں ہونٹوں کے کونوں پر جھاگ آگئی تھی۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں اوپر کی سیٹ سے نیچے کود پڑا ——

میں۔ جواد صاحب آپ اسقدر برافروختہ کیوں ہوئے جاتے ہیں۔ مجھ سے فرمائیے آپ کو کیا شکایت ہے۔ شاید میں آپ کو مطمئن کر سکوں۔ میرے خیال میں جو موضوع زیر بحث ہے۔ وہ اسقدر فرسودہ ہے کہ اس پر کوئی رائے قایم کرنا دریا میں ایک چلو پانی ڈالنا ہے۔ آپ کیا فرما رہے تھے۔؟

وہ۔ مجھ سے اور حمید صاحب سے عورتوں کی تعلیم پر بحث شروع ہوئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہندوستانی عورتوں کو تعلیم کی ضرورت ہے تاکہ وہ ملک، قوم، سوسائٹی اور اپنے شوہروں کی مدد کر سکیں حمید صاحب بگڑ بیٹھے اور اس میں مجھ سے اختلاف کرنے لگے۔

میں۔ اور میرے خیال میں حمید کی بات صحیح ہے۔

وہ۔ (ہنسکر) صحیح ہے۔ خوب! آپ بھی اُسی خیال کے نکلے —— اور کیوں نہو۔ . . .

میں۔ آپ کو حمید سے اختلاف کیوں ہے؟

وہ۔ اسلئے اتفاق نہیں ہے ان کی رائے ہے کہ عورتوں کو تھوڑی تعلیم دینا کافی ہے۔ یعنی [illegible] بس اتنی تعلیم کے بعد وہ ملک و قوم کی مدد کر سکیں گی۔

میں۔ اور آپ کس تعلیم کی حمایت کر رہے ہیں۔!

وہ۔ میرا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ان میں ترقی کی صلاحیت پیدا ہو۔ ان کے خیالات میں وسعت و آزادی ہو۔

میں۔ (مسکرا کر) تو اس سے آپ کو کون روکتا ہے آپ شوق سے ان میں یہ باتیں پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ ان کا دائرہ خیال وسیع کیجئے۔ لیکن ان میں بیجا آزادی نہ آنے پائے۔ بیجا آزادی سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ فطرت اور اخلاق کے خلاف عمل نہ کریں۔ آپ یورپ کی ذہنی ترقی کی تعریف کے پل باندھ رہے ہیں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وہاں کی ذہنی ترقی اقتضائے فطرت کے خلاف ہے۔ اور بجائے اُسکے

کہ وہ نظام تمدن کے لئے مفید ثابت ہو مضرت رساں ہے۔ اور اپنے اصل مقصد یعنی ہمدردی و اخوت کے بجائے بغض و عناد فریب و حیلہ و ریاکاری سکھاتی ہے۔ خود یورپ کے بڑے بڑے سنجیدہ دماغوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ ——————

—— اس لئے یہ ظاہر ہے کہ ہم یورپ کی تقلید کرکے اپنا در مقصود حاصل نہیں کرسکتے۔ اس سے کیا حاصل کہ "کوا چلے ہنس کی چال اپنی چال بھو لجائے"

اگر عورتوں کی آزادی سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ عورتیں بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کریں بڑے بڑے پبلک مجمعوں میں تقریریں کریں بکنگ میں حصہ لیں۔ ناول و افسانہ نگاری میں کمال حاصل کریں بشاعری میں مہارت پیدا کریں۔ مرد کے دوش بدوش ترقی کریں تو میں آپ کا ہم خیال نہیں ہوسکتا۔ عورت اور مرد میری رائے میں دو غیر جنس ہستیاں ہیں۔ لہذا ان میں یکسانی نہ ہونی چاہیئے۔ اگر مرد اور عورت بالکل ایک سے ہوجائیں تو دنیا بے رنگ ہوجائیگی مردوں کا اگر یہ کام ہے کہ وہ قوم کے لیڈر یا کونسل کے ممبر بنیں یا پارلیمنٹ میں زبردست تقریریں کریں تو عورت کا یہ فرض ہے کہ ان میں ایسے کام انجام دینے کی صلاحیت پیدا کرے

اور اس کو دوسرے پہلو سے دیکھے کہ اگر مرد اور عورت ایک ہی نوعیت کے کام انجام دینے کے لئے پیدا کئے گئے ہوتے تو دونوں کی جسمانی ساخت اور نفسانی میلان ایک ہوتا۔ لیکن قدرت نے تفریق کردی ہے —— مرد کی جسمانی ساخت صاف بتاتی ہے کہ وہ محنت وہ جفاکشی اور سختیاں برداشت کرنے کے لئے بنا ہے اور ....

و ہ ۔ یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے۔ بہت سی ایسی عورتیں ہیں جنھوں نے مردانہ کاموں میں برابر حصہ لیا ہے۔ وہ ٹینس کھیلتی ہیں۔ ریس میں گھوڑے دوڑاتی ہیں۔ پولو وغیرہ کھیلتی ہیں۔ اور —— اور —— میں۔ جی ہاں۔ صحیح فرماتے ہیں آپ۔ لیکن میں ان چند عورتوں کو اُسی قدر قابل تعریف سمجھتا ہوں جتنا ان چند مردوں کو جنھوں نے کمزور ہوکر اپنے اوپر نسائیت طاری کرلی ہے۔ اور اس کے برخلاف عورتوں کی فطرت کا تقاضہ نرمی اور امداد ہے۔ اس لئے کہ مرد کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون باعث سکون و تسلی ہوسکتا ہے۔

و ہ ۔ (زچ ہوکر) لیکن اگر گستاخی معاف فرمائیں تو میں بھی یہ عرض کروں کہ اگر وہ باہم مل کر زندگی کے فرائض انجام دیں تو کوئی گناہ ہے —— ؟

میں ۔ گناہ تو نہیں ۔ لیکن ایک ناقابلِ معافی غلطی ہے
شوہر دن بھر کی محنت کے بعد تھکا ہوا شام کو گھر
واپس آتا ہے ۔ اور اس کی بیوی بھی کسی دفتر وغیرہ میں
کام کر کے لوٹتی ہے ۔ دونوں خستہ و مضمحل ۔ دونوں
کی روحیں حقیقی آسائش کی پیاسی ہیں ۔ لیکن دونوں
تکان سے چور ہو کر سو رہتے ہیں اور صبح ہوئی کہ پھر
وہی رٹ اس کا کیا ہوگا ۔ آپ ذرا غور تو کیجئے
سوائے اس کے کہ ان کی تندرستیاں خراب
ہو جائیں گی اور ان کے دماغ تھوڑے عرصہ میں
بیکار ہو جائیں گے ۔

وہ ۔ لیکن اس سے آزادیٔ نسواں کیوں کر ممنوع
قرار دی جاسکتی ہے ؟

میں ۔ ابھی عرض کر چکا ہوں کہ عورتوں کے لئے
وہ آزادی حوان کو اپنے فرائضِ فطری سے غافل
کر دے ۔ بیجا آزادی ہے ۔ اور موجودہ اسکول اور
کالج کی تعلیم اس قسم کی آزادیاں پیدا کر رہی ہے ۔
تعلیمِ نسواں سے شاید آپ کا مطلب ہے کہ لڑکیاں
بھی بی ۔ اے اور ایم ۔ اے کی ڈگریاں حاصل کریں
مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ لڑکیاں انگریزی تعلیم
حاصل کریں اور وہ تمام مضامین پڑھیں جو مدارس کے
نصاب میں داخل ہیں ۔ میں صرف اس تعلیم کے خلاف
ہوں جو کالجوں اور اسکولوں میں دی جاتی ہے
جو لڑکیوں کو بالکل خود سر از کار رفتہ بنا دیتی ہے
وہ خود کو مرد کے برابر سمجھنے لگتی ہے ۔ ”عورت“
جس کے سر قدرت نے امور خانہ داری کا بار
ڈال کر اس کو گھر کی ملکہ بناتا ہے وہ اس سے بیگانہ
ہو جاتی ہے ۔

وہ ۔ (تعجب کے ساتھ) افوہ ...... حضرت
تعلیم سے بیجا آزادیاں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں ۔ آپکے
تو اصول دنیا سے نرالے معلوم ہوتے ہیں ۔

میں ۔ ایک بڑے فلاسفر (Philospher.)
اسکر وائلڈ کا قول ہے ۔ ”وہی باتیں زیادہ مشکل
معلوم ہوتی ہیں جو بہت آسان ہوتی ہیں“ ۔ اور
آپ کو بھی اسی آسان اور دشواری کے نہ سمجھنے کی
شکایت معلوم ہوتی ہے —————— !!

سب سے پہلے اس قسم کی تعلیمِ نسواں کا یہ اثر
ہوتا ہے کہ تعلیم کی ابتدائی حالت ہی میں ان کے دلوں
میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ مرد ظالم ہوتے ہیں اور ہماری
حق تلفی کرتے ہیں ۔ اور یہ نتیجہ اس تعلیم کا نہیں ہے
بلکہ اس ماحول کا ہے جہاں وہ تعلیم حاصل کرتی ہیں
وہاں ان کو اسی قسم کی سوسائٹی ملتی ہے جو زندگی کو
آزاد نظروں سے دیکھتی ہے ۔ جو اخلاقیات کو مہمل

اور بیکار خیال کرتی ہے۔ اور جس کی تہذیب و شائستگی کا معیار خوبصورت اور عریاں لباس پہننا اور نئی نئی وضع کی آرائش کرنا ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب لڑکیاں جو اس دائرہ میں رہتی ہیں انھیں بھی یہی خواہش ہوتی ہے۔ ان میں چند ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے بیجا مصارف ان کے والدین برداشت نہیں کرسکتے اور یہ پہلا ثبوت ہے۔ جو انہیں اپنے اس خیال کے مستحکم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کہ "مرد ظالم ہوتے ہیں"۔ والدین سے بغاوت یہاں ہی سے شروع ہوجاتی ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کے بعد جب وہ اس زندگی سے فارغ ہوجاتی ہیں۔ تو یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ اب ہم میں نیک و بد کے تمیز کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے وہ نئے خیالوں کی زیادہ دلدادہ ہوجاتی ہیں۔ رسوم اور پابندیوں کو وہ پرانے زمانے کی مہمل باتیں سمجھنے لگتی ہیں۔ آزادی کا بھوت سر پر سوار ہوتا ہے۔ یورپ کی نسوانی زندگی کے اصول ان کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ نکاح وغیرہ کے مسئلہ میں وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہیں۔ ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ خود شوہر کا انتخاب کریں

وہ ۔ (طنزاً) اور انتخاب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

بیوان نہ ... ؟

(کچھ سوچ کر اور ذرا تیز ہوکر) ارے بھئی یہ تو شرع میں بھی تو جائز ہے۔ کہ وہ کم از کم اپنے شریک زندگی کو دیکھ لیں۔

میں ۔ اور انتخاب کرنے میں ان سے ایسی غلطی ہوتی ہے۔ کہ وہ عمر بھر پشیمان رہتی ہیں۔

وہ ۔ (میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے) یعنی.....

میں ۔ کالج کی سوسائٹی اور وہاں کی فضا سے متاثر ہوکر وہ رومان پسند (Romantic) ہوجاتی ہیں۔ ان کے دل میں کسی ناول، کسی ڈرامہ یا سینما کی ہیروئن بننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کو اپنی آیندہ زندگی کی بابت میٹھے میٹھے اور رنگین خواب دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا دل امیدوں اور تمناؤں کا تصویرخانہ بن جاتا ہے۔ اور وہ اپنی آیندہ مسرتوں کے خواب دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ اپنے جذبات کی طوفانی موجوں سے خوب شکست کھاتی ہیں۔ اور پہلے شخص سے جو ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا ان کی عیش پسند زندگی کا ہیرو بننے کے قابل نظر آتا ہے تو وہ اپنی ساری تمنائیں اور آرزوئیں اس سے وابستہ کردیتی ہیں۔ محبت کی آگ رفتہ رفتہ بڑھنے لگتی ہے اور فریقین حالت بے اختیاری میں ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ ایک

نشہ کی حالت میں ایک دوسرے کی بیجا عادتیں بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے عیوب دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ عارضی سرگرمی و جوش ختم ہو جاتا ہے۔ اور تمناؤں کی رنگین قوس قزح غائب ہو جاتی ہے اور دونوں کی روحیں حقیقی موانست کی متلاشی ہوتی ہیں۔ تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم جسے دارو‌ئے دل سمجھتے تھے وہ عذاب جان تھا۔

اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگلے زمانے میں بھی تو آخر عورتوں کی تعلیم کا رواج تھا۔ لیکن شاید آپ مشکل سے ایک مثال بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حقیقی فرائض کو خیرباد کہہ دیا ہو۔ اس لئے میں برابر یہی کہونگا کہ **موجودہ نصاب، طرز تعلیم اور تعلیمی ماحول یقیناً** مضرت رساں ہے نہ کہ نفس تعلیم۔

اس پر جواد صاحب پیٹرول کے پیپے کیطرح بھڑک اٹھے چہرہ غصہ اور پشیمانی سے آگ بھبوکا ہو گیا۔ توبہ توبہ وہ تو اس فاقہ کش کی طرح معلوم ہو رہے تھے جسے کھانا ملنے میں صرف تھوڑی دیر باقی ہو۔

وہ۔ لیکن ہر شخص پر ماحول کا اثر یکساں نہیں پڑتا۔ کوئی ضروری نہیں کہ تمام لڑکیوں کی فطرت ایک ہی ہو۔ فلسفہ تو یہی کہتا ہے۔

میں (ہنسکر) فلسفہ ——— میرا تو یہ خیال ہے کہ جب گناہ کرنے کے بعد لوگ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم برحق ہیں تو وہ فلسفہ کی پناہ میں آجاتے ہیں۔

وہ۔ تو آج کل کے سب کے سب احمق ہیں اور وہ لوگ جو ان کے نظریات کے قائل ہیں وہ بھی بیوقوف تو پھر دنیا میں عقلمند کون ہے؟ آپ کو میں بتاتا ہوں کہ ایک جرمن فلاسفر کا قول ہے کہ عورت کی فطرت میں کبھی تغیر نہیں ہو سکتا اس لئے میرے خیال میں اگر کسی عورت کی طبیعت پاک ہو تو دنیا کی تمام دلفریبیاں اسکو راہ راست سے دور نہیں کر سکتیں۔

میں۔ اگر آپ کی زندگی کے تمام اصول چند اقوال پر مبنی ہیں تو آپ بہت قابل تعریف ہستی ہیں۔ اس طرح تو میں بھی اقوال پیش کر سکتا ہوں کیا آپ کو نہیں معلوم کہ جناب شیکسپیر علیہ الرحمۃ آج سے تین صدی قبل کیا ارشاد کر گئے ہیں۔ "ہملٹ" میں ایک جگہ کہتے ہیں "عورت تیرا نام کمزوری ہے" ——— عورت کیا ہے؟ وہ فطرت کا ایک رنگین غبارہ ہے۔ جس میں قدرت کی ساری لطافتیں اور رعنائیاں جمع ہیں۔ وہ ایک

۔ل رکھتی ہے جو از حد اثر پذیر ہوتا ہے ___ "

وہ ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ کی صنف نازک کی ذہنی اور اخلاقی ترقی در اصل ترقی نہیں بلکہ تنزل ہے۔

میں ۔ یقیناً کمال تنزل ہے۔ آپ نے سنا نہیں کہ یورپ میں ماما حوا نے بابا آدم پر حق زن و شوہر کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اور ڈگری ماما حوا ہی کو ملی مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس میں کچھ شک نہیں ہوگا اسلئے کہ آئے دن اخباروں میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ اچھا سنو ۔ ان کو یہ حقوق ملے ہیں کہ عورتوں کے معاملات میں۔ ان کی طرز معاشرت میں انکی دلچسپیوں میں ان کی تفریحات اور مشاغل میں مردوں کو دخل انداز کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ کہیں جائیں۔ کچھ کریں مردوں کو اس سے کچھ غرض نہ ہونی چاہیئے ۔ شوہر پر فرض ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ بے چون و چرا بیوی کو دیدے اور بیوی اسے جس طرح چاہے تصرف میں لائے ___

اگر آپ کو ثبوت چاہئے تو لیجے یہ اخبار اور آپ خود پڑھ لیجئے کہ اسنے یورپ کے متعلق کیا رائے قایم کی ہے۔ ___ ؟

وہ ۔ یورپ کی اعلیٰ سوسائیٹیوں کے ارکان جو رسوم کی قید سے آزاد ہونے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ایک عرصہ تک "فطرت" اور اسکی "حقیقت" پر سرگرم تحقیقات کرتے رہے ۔ اور اب انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسان کو وہی وضع اور طرز معاشرت اختیار کرنی چاہیئے ۔ جو یونان میں زمانہ بت پرستی میں عام تھی ۔ لوگوں کو لباس سے نفرت تھی"۔ چنانچہ پیرس کے تھیٹروں کے اسٹیج پر آپ کو ایسی ہستیاں بھی دکھائی دینگی جو اس اصول پر انتہائی صدق دلی سے عمل کر رہی ہیں ۔ یہ ہے معراج ان کی تہذیب کا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے نئے تعلیم یافتہ تہذیب مغرب کے دلدادہ اگر کچھ عرصہ تک ایسا ہی پروپیگنڈا کرتے رہیں تو ہندوستان بھی ایک دن ایسی حالت پر پہنچ جائیگا۔

وہ ۔ آپ تو بہت مبالغہ سے کام لے رہے ہیں یہ تو آزادی کی انتہا ہے۔ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہے ہندوستان میں جہاں اس قدر مذہبیت ہو کبھی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا۔

میں ۔ (ہنسکر) خوب! آپ کی باتیں کس قدر معصومانہ اور بھولی بھالی ہیں ۔ کیا یورپ میں مذہبیت نہیں تھی ۔ کیا وہاں کی زمین اس بات سے انکار کر سکتی ہے ۔ کہ اس میں ہزاروں پروٹسٹنٹ اور رومن

کیتھولک (Protestent & (Roman Catholics.
مذہبوں پر جان دینے والوں کا خون جذب نہیں ہے،

بھائی صاحب یہ تو تاریخی واقعہ ہے.

آپ ضرور جانتے ہونگے۔ ذرا میرے سوالات کا جواب تو دیجئے۔ کیا یورپ میں جہاد نہیں ہوئے ؟ کیا وہاں صرف مذہب کے معاملات میں زبردست اور ہزاروں جانیں تلف کر دینے والی لڑائیاں نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ کہئے کہ مذہب اور اس کی تبلیغ کے دور کے بعد آہستہ آہستہ آزادی اور روشن خیالی کی وبا پھیلنا شروع ہوئی۔ کیا اس زمانے میں کسی کو خواب میں بھی یورپ کی یہ زبردست ترقی دکھائی دی تھی ــــــــــ ؟

دنیا کا ایک بہت بڑا سیاست دان لکھتا ہے کہ "انسان کے خمیر میں حرص و ہوا شریک ہے اسے کبھی اس چیز سے تسکین نہیں ہوتی جو اُسے مل جاتی ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ اُس سے زیادہ حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس میں یہ مادہ نہو تو وہ انسان ہی نہیں "

وہ خاموشی سے میرا منہ دیکھ رہے تھے۔ اور بالکل بے حس و حرکت تھے۔ ان کی حالت بالکل اُس شخص کی سی تھی جسے فوٹوگرافر خاموش کرکے بٹھا دیتا ہے اور جدھر چاہتا ہے کٹ پتلی کیطرح اس کا منہ موڑ دیتا ہے

میں۔ آج سے دو سو برس پہلے ہندوستان کے باشندوں کو کبھی آزادی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا لیکن ان کے دلوں میں ایک مرتبہ جب یہ خیال پیدا ہوا انہیں اپنی کمزوری محسوس ہوئی تو آزادی کی خواہش کے جراثیم پھیلنا شروع ہوگئے۔ ہندوستان کو اپریشن ہوا۔ نمک کی تحریک ہوئی۔ اور اب ہماری کوشش اس وقت تک ختم نہو گی جب تک ہم پوری آزادی حاصل نہ کرلیں گے۔ اور میں آپ ہی سے اور آپ جیسے مغرب زدہ تمام لوگوں سے یہ عرض کرتا ہوں کہ خدا کے لئے ایسی تحریک[1] میں حصہ نہ لیں۔ جس کے انجام اور انتہا کا نمونہ مغرب میں پیش نظر ہے۔

اتنے میں ٹرین رکنے کے آثار معلوم ہونے لگے رفتار دھیمی ہوگئی۔ اس وقت ڈیڑھ کا عمل تھا۔ اسلئے ایک علی گڑھ کا اسٹیشن تھا۔ جو آوصاحب کو بھی شاید بڑی شدت کے ساتھ اس کا احساس ہوا کہ عذاب سے ان کی جان بچی اور اس پر شاید وہ دل میں خوش بھی ہوئے ہوں۔ لیکن جس بات نے ان کے چہرے کو زیادہ دلچسپ بنایا تھا۔ اس کا تعلق

[1] آزادیٔ نسواں،

اس نازک ہستی سے ہٹا جو باتیں سنتے سنتے سو گئی تھی۔ اور ٹرین رکنے کے شور میں اس کی بڑی بڑی آنکھیں دفعتاً خمار اور نیم باز حالت میں بیدار ہو کر شراب برسانے لگیں۔ اور اس کے بالوں کی ننھی لٹیں بکھر کر اس کے ماتھے پر بل کھا رہی تھیں۔ جواد صاحب کو اپنی آیندہ غزل کے لئے اچھا خاصا سامان مل گیا تھا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ دنیا میں مغالطہ بھی ایک دلچسپ لیکن تکلیف دہ مرض ہے۔ وہ گھڑیاں مجھے یاد ہیں۔ جواد صاحب نے اس بہانے سے کہ وہ سگریٹ نکال رہے ہیں ہم لوگوں کی نگاہ بچا کر سگریٹ کیس کے آئینہ میں آخری مرتبہ جلدی سے اپنی صورت دیکھی بکھرے بال ہاتھ سے درست کئے اور اپنے جسم میں تمام مصنوعی لطافتیں اور بوڑھی شوخیاں ملجا کر کے اپنے شباب و توانائی کے ثبوت میں خلاف معقول سینہ اٹھا کر مجھ سے کھنے لگے جس پر مجھے اور حمید کو بڑی زور کی ہنسی آئی۔ میں تو جبراً اسکو روک لیا۔ مگر حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"مرزا صاحب مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے دلائل سے پوری طرح متفق نہ ہو سکا۔ لیکن میں یہ ضرور کہونگا۔ کہ کچھ دیر اور اگر آپ میرے ساتھ رہتے تو واقعی مجھے قائل ہی کرکے چھوڑتے۔ امید ہے کہ آپ میری غلطیاں معاف کریں گے۔"

گاڑی پلیٹ فارم پر رک گئی۔ میں اور حمید جواد صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے اور محو سبز شال والی پر نظر ڈالتے ہوئے گاڑی سے اتر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی نے سیٹی دی اور آہستہ آہستہ پلیٹ فارم چھوڑتی ہوئی غائب ہو گئی۔ جب تک گاڑی نظر آتی رہی جواد صاحب رومال ہلاتے رہے اور سبز شال والی صاحبہ جھانکتی رہیں ——————

اور ہم یہ ع:۔ روئے گل سیر نہ دیدیم وبہار آخر شد کہتے ہوئے "بورڈنگ ہاؤس" روانہ ہوئے۔

(مرزا) محمد علی خاں (علیگڈھ)

خواتین کی نذر عقیدت

اپنے "محبوب تاجدار" کے حضور میں!

"سفینہ" کی آیندہ اشاعت "سالگرہ نمبر" ہوگی اور اس مختصر ہدیہ کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کی عزت حاصل کیجائیگی۔ حصہ نظم کیلئے ذیل کی طرح قرار دیگئی ہے۔

ط۔ گرہ کے جشن نے پھر رنگ بوستاں بدلا

جملہ مضامین (نظم و نثر) ۱۹ جمادی الثانی م ۶ اکتوبر تک دفتر ہذا پر پہونچ جانے چاہئے۔

منیجر

خمسہ بر غزل مولانا ظفر علیخان

از محترمہ بنت ڈاکٹر عبدالرب صاحب (گلبرگہ)

جاگ او شاہوں کے شاہنشاہ! او سرتاجوں کے تاج　　اُٹھ خدا کے واسطے اُٹھ پوچھ مسلم کا مزاج
سن خدا کے واسطے سن میری بپتا رکھ لے لاج　　جاگ او یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج

لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تیری امت کا راج

تھیں جہاں میں آفتیں جتنی وہ مسلم نے سہیں　　جو نہ کہنے کی تھیں باتیں وہ بھی غیروں نے کہیں
بیٹھنے ان کو نہیں ہے ایک چپّہ بھر زمیں　　سر چھپانے کا ٹھکانا بھی انہیں ملتا نہیں

جنکی ہیبت لے چکی ہے ایک عالم سے خراج

دور ہے ہم سے عطا ہم پر خفا رب جلیل　　ہائے اب اپنے سنبھلنے کی نہیں کوئی سبیل
کام کرنا ہے بہت اور وقت ہے بالکل قلیل　　تیرے بچے ہو رہے ہیں سارے عالم میں ذلیل

کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج ؟

ہاں خدا کے واسطے اے ساقیٔ کوثر کرم　　اک نگاہ لطف ہو جائے اِدھر اَے محترم
پھر عطا کر دے ہمیں ملک و سپہ مال و علم　　ہم ہیں ننگے سر اُٹھ اے شان عرب آنِ عجم

اور پہنا دے ہمیں پھر سطوتِ کبریٰ کا تاج

دن بدن بڑھتا چلا ہے اقتدار اغیار کا　　کوئی بھی پرساں نہیں مسلم کے حال زار کا
آ خدا کے واسطے موقع نہیں تکرار کا　　اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا

اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج

(مزاحیہ رُوداد)

"ہمارا پہلا سفر"؟

از جناب اختر قریشی صاحب (مدیر معاون)

نوٹ: آج پہلی دفعہ "سفینہ" مزاحیہ مضامین پیش کر رہا ہے آئندہ بھی کوشش کیجائیگی کہ اسکا سلسلہ قایم رہے صرف ایسے ہی مضامین شریک ہوسکیں گے جو عریانی کو لئے ہوئے نہ ہوں اور جن سے صرف اصلاحِ معاشرت مقصود ہو خواتین کے مضامین جو مزاحیہ رنگ میں ہوں خصوصیت سے شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائینگے۔ "ادارہ"

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو! تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے "اطراف دنیا" میں سفر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

وہ۔ تو خدا بھلا کرے شیخ جی کا' یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد خدا مغفرت کرے کہ ان کے اصرار پر بہ ارادہ سفر ہم بھی نکل پڑے۔ یوں تو پہلے ہمارے کچھ ہمارا بھی خیال تھا مگر جس دن سے حضرت اکبر کا یہ مصرعہ کہ ع

بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو"

نظر پڑا بس ہم نے بھی اپنے خیال کو ارادۂ کامل سے بدل لیا۔ اور یہ ٹھان لی کہ آفتاب بجائے دن کے رات کو ہی کیوں نہ نکلے' مگر ہم سفر کرکے ہی چھوڑینگے۔!!

"سفر" اور وہ بھی ہم جیسے نازوں کے پالے ہوئے کا' کہ جن کا ایک آدھ گھنٹہ بھی گھر سے باہر رہنا گھر والوں کو پریشان کردینے کے مرادف ہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا کہ ہم مدرسہ چلے گئے وہاں دن بھر ہمیشہ کھیل کو دہی میں ہی بسر ہوتا' مگر کبھی کبھی شام میں واپسی کے وقت دیر ہوجاتی۔ ہم کوئی گھریلو جانور از قسم چوپایہ تو تھے نہیں جو آفتاب کے غروب ہونے سے قبل اپنی قیام گاہ پر لوٹ آتے۔ اکثر یہ ہوتا کہ کسی دوست کے گھر جا بیٹھے

اور غیب شب میں اپنا قیمتی اور اس غریب کا قیمتی وقت گذار دیا اور کوئی چھ سات بجے مکان پہنچے۔ کبھی یہ ہوتا کہ راستہ میں کوئی "بھاٹے خاں اور ان کی بی بی" والا نظر پڑتا، بس ہم وہیں رک گئے۔ اور لگے ملاحظہ فرمانے۔ یوں تو ہمکو بی صاحبہ اور خانصاحب کی ہر ادا بھاتی تھی۔ مگر سب سے زیادہ جو چیز ہماری دلچسپی کا باعث ہوتی وہ "میاں بیوی" کی "نوک جھونک" تھی چونکہ ہم اللہ رکھے اس قابل ہوگئے تھے کہ بڑے آدمیوں میں بلا روک ٹوک ہمکو "نشست" (سیٹ) ملجاتی تھی۔ اسلئے یہ امر ذرا مشکل سے ممکن تھا کہ ہم غیر گھروں میں گھس کر اس بات کا مشاہدہ کرتے کہ "ازدواجی زندگی" کیسی ہوتی ہے اور وہ بھی ہندوستان کی ——؟ اسلئے کہ یہ "کڑی منزل" یا "دشوار گزار راہ" ہمارے آگے بھی تھی اور ہے۔ نیز ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ کبھی اگر "ان" سے سہواً، عمداً یا اتفاقاً کوئی تکرار ہو جائے۔ یا کبھی "وہ" مذکورہ نوعیت کے ساتھ ہم سے جھگڑا بیٹھیں تو نئی روشنی کے اس دور میں ہمارے کیا اختیارات رہیں گے اور "ان" کے کیا ——؟ خدا بخشے ہمارے مولوی ڈارون صاحب کو، انہوں نے زمانہ ہوا بتلایا تھا کہ انسان یعنی "ہم اور آپ" حضرت بوزینہ کی اولاد سے ہیں —— !

اسواسطے عینی مشاہدہ کے سوا اس سے بہتر موقع اور کہاں مل سکتا تھا۔

ہم دیکھتے کہ "بھاٹے خاں" باوجود خانصاحب ہونے کے بی صاحبہ کے آگے ایسی چپ کی سادھ لیتے کہ تو بہ ہی بھلی، معلوم یہ ہوتا کہ بھیگی بلی دم دبائے بھاگے جا رہی ہے۔ اور بی صاحبہ ہیں کہ بیر کی عزت ہاتھ میں لئے خانصاحب کا مزاج پوچھ رہی ہیں۔

ہم نے سنا بیچارے خانصاحب کا قصور شاید صرف اتنا ہی تھا کہ بی صاحبہ نے کوئی فرمائش کی اور خاں صاحب باوجود بے روزگاری اور "مفلس کمپنی لمیٹڈ" کے "شیئر ہولڈر" ہونے کے فرمائش کی تکمیل نہ کر سکے۔ بی صاحبہ کی اس قدر برہمی اور خانصاحب کی ایسی بری گت بنتے دیکھکر ہماری نظروں کے آگے ہندوستانی متوسط طبقہ کی ازدواجی زندگی کا منظر کھنچ جاتا۔ اگرچہ کہ ہم اس دردسری سے تا حد امکان دور رہنا اپنی سلامتی کا باعث سمجھتے ہیں۔ مگر خواہ مخواہ ہمیں رشک ہونے لگتا کہ حقیقت میں کیا ہی سعادتمند شوہر ہے کہ بیوی بیر کی ہاتھ میں لے اور میاں کی گرد جھٹکے! اور میاں ہیں کہ ہر بار "تھینکس" کی رٹ لگائے چلے ہیں۔ واقعی سعادتمندی اسی کا تو نام ہے اور پھر میاں کا بگڑنا ہی کیا؟ خدا رکھے "ان" کا وجود ہی

اگر نہ ہو تو ضرور ہے کہ کسی "ڈریسنگ سیلون" میں جا کر اسکے چار۔ آٹھ آنے خرچ ہی کرنے پڑتے تھے۔

—— توبہ ہی بھلی ہم بھی عجیب آدمی ہیں کہ کہاں اپنی سفر کی داستان سنانی ہے نہ کہ ہندوستانی ازدواجی زندگی پر تنقید۔ ہاں تو ہوتا یہ کہ ہم دیر سے گھر پہنچتے اور سنئے یہاں تو ہم بی صاحبہ اور خاں صاحبؒ کی خانگی زندگی میں اڑی ٹانگ ڈالکر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے اور اُدھر گھر میں قیامت صغریٰ رونما ہوتی، ایک کہرام مچ جاتا، گلی کا کونہ کونہ چھان دیا جاتا، ہر وہ شخص جو گھر کے آگے سے گذرتا اس سے پوچھا جاتا کہ میاں کیا تم نے ہمارے برخوردار کو کہیں دیکھا ہے۔ اور جب بد قسمتی سے وہ نفی میں جواب دیتا تو بیچ جانئے کہ ہمارے راہی عدم ہونیکا یقین ہو جاتا اور ہمارے غم میں مرثیہ خوانی شروع ہو جاتی، خدا رکھے اُن پانچ سات مسلمانوں کو جو ہماری پڑوس میں تھے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی وہ بطور اظہار ہمدردی، نہیں، ہمارے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے جمع ہو جاتے اور جب یہ معلوم ہوتا کہ برخوردار یعنی ہم صبح میں مدرسہ تشریف لے گئے اسکے بعد بات پر آدھا بج چکا گھر نہیں لوٹے، تو وہ ہماری اس گمشدگی پر اظہار افسوس کرتے اور اسی انداز میں گھر والوں کو تسلی بھی دیتے جاتے کہ لڑکا ہشیار ہے گھبرانا نہیں آجائیگا، ہے تو کم عمر ہی اور طبیعت میں لونڈاپن، ممکن ہے کہیں کھیل کود میں دیر ہو گئی ہوگی ——!!

لیجئے! ہم چلیں اپنی معلومات میں اضافہ کرنے، اور ان عقل کے اندھوں کو سوجھی تو یہ ——؟

خوب! معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی "خیرہ کن چمک" نے پہلے تو ان "سکنڈ ہینڈ" لوگوں کے آنکھوں کی روشنی کو زائل کر دیا تھا۔ مگر اب ان کے دماغ بھی بگڑتے چلے ——

مگر نہیں، ہم غلطی پر ہیں، یہ ضرور دل میں ہندوستانی والدین کے اس بیہودہ ڈھنگے سے لاڈ پیار کو کوستے ہونگے .... اور بھی بات ہے بھی سیدھی، ہم نے بھی بارہا اس بارے میں غور کیا کہ آخر وہ بھی والدین ہیں۔ ان میں بھی پدرانہ شفقت اور مامتا کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی جو اپنے برخورداروں کو علم حاصل کرنے کے لئے نہیں، کوئی ہنر سیکھنے کو نہیں ہرگز نہیں، بلکہ ملک و قوم کی خدمت کے لئے میدان جنگ کو بھجواتے ہیں۔ اور اس خوشی سے رخصت کرتے ہیں جیسے ہمارے یہاں دلہن کو بیاہ کر لانے پر بھی اتنی خوشی کا اظہار نہیں ہوتا۔ ایک ہمارے پاس ہے کہ برخوردار مدرسہ تشریف لیجاتے ہیں تو اماں جان کی دعاؤں پر قدم رکھتے ہوئے۔ ہاں تو ہوتا یہ کہ ہم جب گھر تشریف لاتے تو بالکل اسی شان سے ہمارا "ریسپشن"

یعنی استقبال کیا جاتا جس طرح کسی مردہ کے زندہ ہونے پر ہوتا ہے۔ سارا گھر ہم پر ٹوٹ پڑتا۔ ایسے ہی جیسے کہ پبلک گارڈن میں کوئی آفریقہ کا "جنگلی انسان" آیا ہو۔ ہر ایک کی یہی خواہش رہتی کہ دیکھیں "میاں برخوردار کی کوئی کل تو ٹیڑھی نہیں ہوئی"۔ کہیں کسی "اکسیڈنٹ" سے کوئی ہاتھ یا پاؤں تو زخمی نہیں ہوا جب ہر طرح اطمینان ہو جاتا کہ ہم مر تو ضرور گئے تھے لیکن دم نہیں نکلا ——— اور اسی لئے پھر گھر لوٹ آئے تو بارگاہِ ایزدی میں شکرانہ گذرانا جاتا۔

خیر کچھ ہی ہو۔ اس میں ہمارا اتنا تو فائدہ ہوتا کہ جی بھر کر جلیبیاں اور قلاقند کھانے کو ہاتھ لگتی۔

خیر تو ہم کہنا یہ چاہتے تھے کہ ہماری اس ذرا سی دیر کی جدائی گھر والوں کے حق میں جب ناقابل برداشت تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ہمارے اس "طویل سفر" اور پورے ایک عرصہ تک گھر سے باہر رہنے کو گوارا کر لیتے۔ بہ ہزار دقت اور بصد منت ہم نے کچھ الٹا اور کچھ سیدھا سمجھا کر تمام کو راضی کر لیا۔

پھر کیا تھا۔ تیر نشانے پر جا لگا، اب ہم تھے اور ہمارے سفر کی تیاریاں، تاریخ روانگی تو ہم مقرر ہی کر چکے تھے! ایسے جیسے کسی عقد کی تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے اور سنئے گھر ہو یا باہر گلی ہو یا سڑک غرض ہر جگہ اور ہر مقام پر ہم سے جو کوئی ملتا تو بعد سلام علیک کے سب سے پہلا جملہ جو ہماری زبان سے نکلتا وہ یہ ہوتا کہ ہم سفر پر جا رہے ہیں۔ چاہے وہ ہماری خیر و عافیت ہی کیوں نہ دریافت کر رہا ہو۔ ہمارے اس "اڈورٹائزمنٹ" سے اتنا تو فائدہ ضرور ہوا کہ ہر شخص ہماری عزت کرنے لگا۔ ہر جگہ ہمارے چرچے تھے۔ اور ہر مقام پر ہماری شہرت۔ کوئی تو ہم کو مبارکباد دیتا اور کوئی ہماری طرف رشک و حسد سے دیکھنے لگتا۔

واقعہ یہ تھا کہ ہم جب کبھی کسی سے اپنے سفر کا تذکرہ کرتے، اور وہ اگر ہمارے اس غیر معمولی ارادہ کی وجہ پوچھتا تو ہم جواب میں صرف اتنا کہہ دیتے کہ "بھائی حضرت اکبر کا یہ مصرع ؎ بڑھاؤ تجربے "اطراف دنیا" میں سفر سیکھو"

جب سے نظر پڑا ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ضرور سفر کر کے ہی چھوڑینگے

اب مقررہ تاریخ کا ہمکو ایسا ہی انتظار رہتا جیسا آجکل کے نوجوانوں کو شادی کی تاریخ کا انتظار رہا کرتا ہے۔ چاہے بعد "شادی" میاں جی کی بربادی ہی کیوں نہو۔ اور چاہے "نئی روشنی کی" ان کے بیجا خواہشات کی تکمیل میں میاں کی عزت یا تو عدالت کے کٹھرے میں یا کسی اچھے سے آکشنرز کی میز کے آگے ہی کیوں نہ جا کھڑی ہو۔ مگر میاں تو ضرور شادی کریں گے ———

خیر تو خدا خدا کر کے ۳ جولائی آ ہی پہنچی اور ہم ہزاروں اور سینکڑوں دعاوں تلے "اطراف دنیا"

کے سفر کے لئے نکل ہی پڑے۔ ہاں تو ہم کو یہ بتلا دینا تھا کہ جب ہم گھر سے نکلے تو بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے دونوں بازو زخموں سے چور ہیں۔ اور اُن پر رنگ برنگ کی بلکہ سنہری و روپہلی پٹیاں باندھ دی گئیں ہیں۔ خدا نخواستہ ہم کسی جنگ میں شریک تو نہیں ہوئے تھے جو یوں زخمی ہوتے ' اجی جنگ تو گیا چولھے میں اور سچ تو یوں ہے کہ وہاں ہمارے جیسوں کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تو وہی جاتا ہے جو بلا کا بزدل اور حد درجہ ڈرپوک ہو ' ہماری بہادری کا تو یہ عالم کہ اگر کہیں راستہ میں کوئی دو شریف "کتے" لڑتے دکھائی دئے تو ہم دُم دبائے بازو سے بھاگ نکلے اور جب اُن دونوں شریف بزدلوں سے کچھ دور ہو گئے تو اپنے حواس کو یکجا کرکے لگے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کو دعائیں دینے کہ انہوں نے سہ

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی کر فکر جھٹ پٹ

کھکر ہم کو آگاہ اور متنبہ کر دیا تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم بزدل بن ہی کیسے سکتے تھے جب کہ ہم کو بچپنے ہی سے بہادری کی تعلیم دلائی گئی تھی اللہ رکھے جب ہم ہندوستانی میں بڑے انگوٹھا چوسا کرتے تھے یا اُس کے بعد پاؤں "پاؤں" چلکر سارے گھر کی ہر بُری بھلی چیز کی جانچ پڑتال کیا کرتے تھے تو ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ جہاں کہیں کوئی سیاہ چیز نظر پڑی اور ہم چیخ مار کر لگے بلبلانے پھر نہ پوچھئے سارا گھر ہمیں آلیا کوئی دعائیں پڑھ کر پھونکتا کوئی نذریں اُتارتا کوئی پیٹ ٹھوکتا غرض اس وقت تک دم نہ لیا جاتا جب تک ہم اس سیاہ چیز کیسے اگر حقیقت میں کچھ تھوڑا بہت ڈر گئے تھے تو ان تمام حرکات سے پوری طرح خائف اور ہمیشہ کے لئے ہر سیاہ چیز کو دیکھکر اس سے زیادہ ہراسان ہونے کا اظہار نہ کریں۔ اور ہمارا اظہار ایسے ہوتا تھا کہ ہم بار بار اس سمت کو پلٹ پلٹ کر دیکھتے۔ جہاں ہم نے اس سیاہ دیو کو دیکھا تھا۔ اور ہر دفعہ اظہار خوف میں آنکھیں بند کر لیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ ہم تنہا بیٹھے گڑیوں سے کھیل رہے ہیں" شاید یہ ہمارے ہی گھر کا طریقہ تھا یا سارے ہندوستانی گھروں میں بھی یہی رواج ہے کہ برخوردار یا برخورداری کو جب تک ۸ ـــ ۱۰ سال کے نہ ہولیں اس وقت تک کتاب وتاب کو ہاتھ نہ لگانے دیا جاتا۔ بس ہم ہمارا پیارا بچپن اور ننھی منی گڑیاں کبھی تو انکی شادی ہے۔ اور کبھی ان کے ہاں ایک ادھ برخوردار تولد ہوتے ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی ایک اپنی گیارنٹی کے ختم ہونے پر ہمکو داغ مفارقت دے جاتا ہے اور ہم اُن تمام خوشی و غمی کی تقریبوں کو مناتے ہیں۔ شاید اس سے ہندوستانی والدین کا

یہ مقصد ہو کہ بچوں کو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر معاملہ میں کافی ٹریننگ مل جائے بھائی ہم تو اس کے قائل ہیں اور ایک حد تک اس کی تائید بھی ضرور کرتے ہیں کہ برخورداری کیلئے یہ چیز یعنی گڑیوں کا کھیل بہت مفید ہے اور از بس ضروری کیونکہ یہ تمام چیزیں بہت جلد اُن کے سر پڑنے والی ہیں اور اگر وہ بچپنے میں "ٹرینڈ" نہ ہونگی تو یکایک جب ایک غیر کے پلے پڑینگی اور خانہ داری کے سارے بکھیڑوں کا بوجھ اُن کی گردن پر پڑجائیگا تو وہ کیسے سنبھال سکیں گی. مگر حیرت اور تعجب ہے تو صرف اس بات پر کہ میاں برخوردار بھی عمر کے تقریباً چوتھائی حصے کو یوں گنوا دیتے ہیں۔ اور امور خانہ داری میں کافی مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر والدین ہیں کہ کچھ نہیں کہتے۔ شاید موجودہ دور اور زمانے کا چلن ان کے پیش نظر رہتا ہوگا کہ اگر کہیں بیوی کوئی بی۔ اے یا ایم۔ اے ملگئی تو میاں کو کہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اور جب "وہ" کسی کالج سے پروفیسری کرکے یا کسی کورٹ سے وکالت کے بعد گھر لوٹے تو "یہ" بہترین ماما اور ایک لائق دایہ یا اناّ ثابت ہوں"۔ ہاں تو جب ہم گڑیوں کے کھیل میں مشغول ہیں اور ہمارے پیچھے سے "میاؤں" "میاؤں" (یعنی مغربی طرز کے مطابق مکان میں داخل ہونے کیلئے اجازت طلب کیجاتی ہے "کیا میں آؤں؟") کی صدا بلند ہوئی اور ہم پہلے تو گھبرا اُٹھے اور پھر (چونکہ وہ ہماری خوبصورت پالی ہوئی "پُس" تھی) اسکو گھسیٹ گود میں لے لیا۔ خیر گذری اگر گھر والوں میں سے کسی نے نہ دیکھا۔ اور اگر کبھی کی نظر پڑ گئی تو اس زور سے ہم کو جھکارا کہ ہم تین دن تک [illegible] سر نہ اٹھا سکیں۔ اور ساتھ ہی ہم کو یہ سمجھا دیا کہ "میاں وہ شیر کی خالہ ہے اس سے دور رہو"۔ گویا [illegible] طرح ایک ادنیٰ پالتو جانور سے خوف دلا کر ہماری بہادری میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اور کبھی اگر ہم سونے کے لئے ضد کرتے یا کھانے کے لئے ہٹ تو اس ضد کو چھڑانے یا ہٹ کو دور کرانے کے لئے "بی شادی" کو بلایا جاتا اور بی صاحبہ کی فوٹو کچھ ایسے انداز میں ہمارے ذہن نشین کرادی گئی ہے کہ آجتک باوجود ہم بڑوں میں ملنے کا دعویٰ کرنے کے بھی جب کبھی وہ فوٹو ہماری نظروں کے آگے آتا ہے تو یقین مانئے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ہاں خوب یاد آیا خدا بخشے بھائی عزیز دام مغفرۃ کو، تو یہ تو ہم بھی عجیب آدمی ہیں۔ کہ بیچاروں کو [illegible] گور کئے دے رہے ہیں۔ نا بھائی خدا خوش رکھے انہیں کہ وہ اکثر اصرار سے، ہٹ سے، ضد سے، اور کیا کہیں کن کن طریقوں سے یہ پوچھا کرتے ہیں کہ بھائی اختر تم شادی کے نام سے کیوں گھبرا اٹھتے ہو"؟ (باقی وارد)

"بدگمان شوہر"[1] (مزاحیہ)

از جناب سید بادشاہ علی صاحب نقش عالمی

تعارف: - (۱) بدگمان شوہر (۲) بے گناہ بیوی (۳) سادہ لوح لڑکا

منظر: - بدگمان شوہر حوض پر بیٹھا ہوا صابن سے منہ دھو رہا ہے اور بیوی دسترخوان پر کھانا چن رہی ہے۔

"اماں! اماں!! آبا کا منہ شیر ..... ہا ہا"

چھوٹا لڑکا جو کھیلتا ہوا ادھر آ نکلا کہنے لگا۔

"ابے نامعقول! اپنے باپ کے ساتھ مذاق کرتے نہیں چوکتا، ہاں تیری ماں نے یہ تعلیم دی ہوگی (دونوں ہاتھوں سے منہ کو خوب رگڑ رگڑ کر) خبردار (منہ پر پانی ڈالتے ہوئے) ـــــ اب سے نہ کہنا"

بیوی اس گفتگو کو سن رہی تھی تیوری پر بل ڈال کر کہنے لگی "آپ نے کیا کہا ـــــ آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔ میں کاہے کو سکھلانے چلی تھی ـــــ" دال کا کٹورہ اس زور سے رکھتی ہے کہ دسترخوان دال سے لت پت ہو جاتا ہے ـــ (غصہ سے جھنجلا کر) آگ لگے ایسے...؟

"بس بس زبان کو لگام دو، ورنہ ـــ" شوہر نے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو، ورنہ کیا کرو گے"؟ بیوی دال کے چھینٹے جو منہ پر پڑ گئے تھے آنچل سے پونچھتی ہوئی بولی۔

شوہر جو اب آئینہ میں صورت دیکھ کر بالوں میں کنگھی کر رہا تھا، کہنے لگا "ورنہ یہی کہ میکے جانا پڑیگا، شریفوں کے گھر میں ایسی باتیں نہیں ہوتیں"

چھوٹا لڑکا جو خاموش کھڑا باپ کو دیکھ رہا تھا کہنے لگا "اماں، ابا سانپ۔

---

[1] بشیر فاطمہ حیدرآبادی نے "سہیلی" لاہور کے سالنامہ میں ایک مذاقیہ ڈرامہ "بدگمان بیوی" کے عنوان سے سپرد قلم کیا تھا اور جواب کی امید ظاہر کی تھی شاید ابتک صاحب موصوف کی تمنا پوری نہیں ہوئی یہ مختصر سا ڈرامہ اسی کا جواب ہے۔
(نقش عالمی)

مسٹر سچدانند سنہا بیرسٹر ایٹ لا

شریمتی رادہیکا سنہا (مرحومہ)

[illegible] کے لئے اپنی ذاتی جائداد سے وقف کیا۔

By Courtesy "Indian States & Zamindaries" Hyderabad-Dn.

قسطنطنیہ کا ایک محلہ جو بالکل یورپ ہی کا ایک
ٹکڑا نظر آتا ہے

" گدھے کے بچے، سور کے لونڈے، چپ نہیں رہتا"

معصوم لڑکا سہم کر ماں سے لپٹ جاتا ہے۔

بیوی جو غصہ سے بڑبڑ کرنے لگی " عزیز باہر جاؤ اور رستم سے کرایہ کی موٹر لے آنے کے لئے کہو، میں اس گھر میں اب سانس تک نہ لونگی۔ عزیز تم کو جواب دینا پڑیگا کہ شریفوں کے گھر میں کونسی باتیں نہیں ہوتیں، سنتے ہو، یہ کوئی معمولی بات نہیں ـــــــ"

کہہ کر جلدی سے سامنے کے کمرے میں چلی جاتی ہے۔

" عزیز ـــــ عزیز" باپ پکارتا ہے اور لڑکا بھاگ کر جاتا ہے۔

" ادھر آؤ، تمہاری اماں ہر گھڑی جو تصویر دیکھتی ہیں وہ کہاں ہے ؟"

" وہ ـــــ وہ تصویر تو اماں کے کمرے میں ـــــ ابا آپ ہم کو تو ڈراتے ہیں ہم نہیں آئینگے (دستر خوان کی طرف اشارہ کر کے جس پر دال کی دریا بہہ رہی تھی) ابا یہ کیا ؟"

" عزیز" ادھر دیکھو ہم تمہارے واسطے لڈو لا دینگے برفی۔"

" نہیں نہیں چنے کا گٹے اور دھیلی کے سیتا پھل لا دو ابا اچھے ابا"

" تو اچھا، اچھا وہی لا دینگے۔"

" نہیں ابا وہی کھٹا ہوتا ہے نہ لاؤ کُٹم کُٹم کرنے کے لئے چنے ہونے ہوئے ـــــ"

" اچھا ـــــ" باپ راضی ہو جاتا ہے۔

" اس میں اماں کو کچھ نہ دونگا اور ابا (باپ کی ٹھوڑی کو پکڑ کر) سیتا پھل لانا تو بڑی بڑی آنکھ کے ـــــ"

" اچھا سب کچھ لا دیں گے مگر وہ تصویر تو لے آؤ (آہستہ بولتا ہے) تمہاری اماں کو خبر نہ ہو۔"

" عزیز ـــــ عزیز ـــــ عزیز" آواز آرہی تھی ہے

" کدھر کمبخت گیا ـــــ کہہ دے لانے کے لئے ایک موٹر کرایہ پر (زور سے) بس نانی ماں کے یہاں چلیں گے اور شریفوں کی خبر لینگے۔"

لڑکا باپ کی گرفت سے چھوٹ کر بھاگ جاتا ہے اور ماں سے آن کر کہتا ہے۔ " اماں ـــــ اماں ابا وہ تصویر منگواتے ہیں ـــــ بولو لیجاؤں۔"

" کونسی ؟" ماں پوچھتی ہے۔

" ماموں جان کی دی ہوئی ـــــ تصویریں ہیں ابا دولھا بنے ہیں۔"

کمرہ قریب ہونے کیوجہ سے دالان میں آواز آتی ہے

" کیا کہا ـــــ عزیز ـــــ ادھر ہو۔"

لڑکا دوڑ کر باہر آتا ہے اور جلدی میں گری ہوئی دال پر پاؤں پڑ جاتا ہے جسکی وجہ سے اس کے باپ کے منہ اور کپڑوں پر دال کے نقش و نگار پڑ جاتے ہیں۔

" ارے، ارے، رے، توبہ، کیا کیا ـــــ

اسے ملعون کے بچے، وال ہی وال، ارو لگا ایک ایسا تھپڑ کہ الٹ جائے تیرا گال پاؤں کو چلین نہیں ناچتا ہے ادھر سے اُدھر"

لڑکا سہم کر کھڑا رہ جاتا ہے اور ماں کمرہ میں سے اس دلفریب منظر کو دیکھ کر پکارتی ہے "عزیز ادھر آؤ تم بڑے خراب ہوگئے ہو لاڈ و پیار میں"

"ہاں لاڈ و پیار میں اور تم تصویروں کے لاڈ و پیار میں" شوہر غصہ کی آگ میں بھسم ہو کر جواب دیتا ہے بیوی جو پہلے ہی سے آتش پا تھی جھٹ سے بولی آپ کونسی تصویروں کا ذکر کرتے ہیں۔ آئینہ میں صورت تو دیکھئے آپ خود ایک تصویر ہیں، واہ صاحب واہ" کہہ کر پھر کمرہ میں چلی جاتی ہے اور عزیز کو آواز دیتی ہے "عزیز اس تصویر کو لیجاؤ اپنے ابا کے یہاں اور کہو کہ عینک لگا کر دیکھیں اینٹ کی کہ یہ کس کی تصویر ہے سمجھے اور یہ کہنا کہ غصہ کی حالت میں ہوں ورنہ میں خود تشریف لاتی ——"

لڑکا تصویر لے لیتا ہے اور دوڑتا ہوا صحن میں آتا ہے۔ جہاں اس کا باپ حوض میں غوطے مار رہا تھا، جب وہ ڈوب کر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر نکلتا ہے۔ تو خوش ہو کر لڑکا چلاتا ہے "اماں، اماں، ابا مینڈک ——"

"ارے بدمعاش اپنے باپ ہی کو مینڈک بناتا ہے اور تو چھوٹا مینڈک، تیری زبان بغیر ہتھیار کے کاٹ ڈالونگا سمجھا —— اور وہ کیا لایا ہے؟"

"تصویر" لڑکا کمزور آواز میں کہتا ہے۔

باپ حوض میں سے جلدی نکلنے کی کوشش کرتا ہے مگر کنجال کی وجہ سے پاؤں پھسل کر دھڑام سے گر پڑتا ہے اور لڑکا قہقہے لگاتا ہے۔ بیوی جو خاموش جھانک رہی تھی پیچھے ہٹ کر مسکراتی ہے۔

"اماں کیا ہنستا ہے، دے بھی دیکھنے وہ تصویر" کہہ کر تصویر کو بچہ کے ہاتھ میں سے لے لیتا ہے۔

"اہا ہا ہا —— ارے یہ تو ہم ہیں (جھک کر) یہ تو تمہارے ابا ہیں، تصویر لڑکے کو دے کر کپڑے بدلنے لگتا ہے اور زیر لب گنگناتا ہے۔ ع

"بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے، جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر"

"اے میاں عزیز، ہیں کہاں" وہ"

"وہ کون ابا؟" لڑکا پوچھتا ہے۔

"تمہاری ماں اور کون!"

(لڑکا اماں اماں کہہ کر چلاتا ہے مگر جواب نہیں ملتا"

"میاں ہمکو بہت شرم آتی ہے کہ ناحق بدگمان ہوگئے تمہاری ماں سے، یہ تو ہماری ہی تصویر ہے اگر ہماری ہی تصویر دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھیں تو کیا مضایقہ تھا۔

اچھا اب جا کر کہو بعد آداب ہم ندامت کے سمندر میں ڈوب کر نکلے ہیں اور منہہ دکھانیکے قابل نہیں اور سب خیریت سے تو ہیں مگر والدین سب بفضل الٰہی عزیز کی اماں نہیں ہیں' اور دال کے دریا بہہ رہے ہیں (لڑکے کی پیٹھ ٹھوک کر) تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے اس لئے اور دو جملے یعنی جملہ تین جملے کہو نگا' ہاں' دیگر کیفیت یہ ہے کہ تصویر تھی تو ہماری مگر شبہ کی بناء پر اعلان جنگ ہو گیا۔ مگر اب کہنا یہ ہے کہ سو گناہ عزیز میاں کو پیدا کرنے والا معاف کرتا ہے تو تم بھی تو عزیز میاں کی پیدا کرنیوالی ہو ایک گناہ معاف کر دو۔ اور کافی سزا مل چکی ہے' زیادہ ادب (نوٹ) میاں اسکے بعد یہ کہنا کہ بھولا ہوا فقرہ یہ ہے کہ ہم نے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا اس لئے ٹینس کے کلب پر مارے بھوک کے ہم لمبے لمبے لیٹ جائیں گے اور چونکہ ماہ الٰہی کا آخری مہینہ ہے۔ جیب میں پیسے بھی نہیں جو "دار التفریح" میں جا کر آدھا قورمہ اور ایک آنہ کا خشکہ کی پلیٹ زہر مار کرتے فقط راقم الحروف عزیز کا باپ۔

لڑکا جو خاموش کھڑا سن رہا تھا کہنے لگا "ابّا آپ دال کا معاملہ بھول گئے"۔

"اچھا وہ بھی بول دو —— جاؤ —— جاؤ

لڑکا تھوڑی دیر بعد سراسیمہ آکر کہتا ہے "اماں رو رہی ہیں"۔

"ارے بھئی رونے دھونے کی کونسی بات تھی (اُٹھ کر) چلو میں چلتا ہوں' مارے بھوک کے مجھے بھی رونا آتا ہے —————— !"

عزیز اور عزیز کا باپ دونوں کمرے کی جانب جاتے ہیں۔ (پردہ)

رسید رسائل و کتب

ذیل کے رسائل و کتب بغرض تبصرہ دفتر پر وصول ہوئے' جن پر کسی قریبی فرصت میں تنقیدی نظر ڈالی جائیگی —————— تاریخ

کتب:-

کتب		مصنفہ
(۱) تحریر النساء (۲) مجموعہ نصایح (حصہ اول)	}	محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا)

رسائل:-

رفیق (بلند شہر) ماہوار ادبی و علمی رسالہ زیر نگرانی آغا رفیق بلند شہری

خلیق (حیدر آباد دکن) ماہوار مذہبی رسالہ زیر ترتیب مسٹر روشن

ارشاد (حیدر آباد دکن) ماہوار مذہبی رسالہ زیر تنظیم پیرزادہ سید شاہ یوسف الدین قادری

علیگڈھ پنچ (علیگڈھ) پندرہ روزہ تفریحی زیر ادارت مسٹر جمال صابری

"مخزن" لکھنؤ مدیر مولانا اسعد انصاری

غزل

از محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ قمر (ورنگل)

زمانہ کی گردش کو دیکھا کئے ۔۔۔ مقدّر کے لکھّے کو رویا کئے

تباہی مصیبت غم و رنج و درد ۔۔۔ اِسی میں کٹی چین ہی کیا کئے

چلا کچھ بھی تقدیر پر جب نہ زور ۔۔۔ تو لاچار قسمت کو رویا کئے

مدد حق سے چاہی تو آئی صدا ۔۔۔ کہ اپنے وہ سب رہنما کیا کئے؟

زمانہ نے لیں کروٹیں سینکڑوں ۔۔۔ مگر ہم خموشی سے دیکھا کئے

نہیں کوئی چارہ ہنر کے بغیر ۔۔۔ خلاف اس کے گو لاکھ سوچا کئے

قمر اب وہاں کا بھی کچھ دھیان کر

بہت عمر اب تک گنوایا کئے

ادب لطیف

"شمع کی لگن میں ..."

(از)

محترمہ "ج" نقوی صاحبہ

صبح کو دیکھا تو خاکستر کا ڈھیر تھا ـــــ میں نے جانا ـــــ رات جو ہوا کے جھکڑ چلے ہیں ان سے گرد اُڑ کر گری ہوگی ـــــ مگر ـــــ نہیں ـــــ جب قریب جا کر دیکھوں تو پروانوں کی لاشیں ہیں ـــــ جنہوں نے صرف "ایک رات" کی زندگی لائی تھی ـــــ اور جن کا مقصد شمع پر جان دینا تھا ـــــ آہ ـــــ ایک شمع کے کتنے پروانے ـــــ اور کیسا حسرت ناک انجام ـــــ !!

ایک رات کی زندگی بھی کچھ زندگی ہے. جو اس کے لئے اتنی جد و جہد ـــــ ایسی محدود زندگی اگر ہم کو ملتی تو شاید پڑے پڑے گذار دیتے ـــــ کیا ہم "نام" کے مسلمانوں میں "ایثار و قربانی" کا یہ حوصلہ نہیں ـــــ کہ شمع اسلام پر اپنی جانیں قربان کردیں ؟ قوم پر پروانہ وار فدا ہوجائیں ـــــ جان تو کسی ایک دن جانیوالی ہے ـــــ ورنہ کم از کم آب حیات ہی کی تلاش میں خضر کی پیروی کریں ـــــ بہر صورت شمع کی جلن اور اس کا خاموش سلگ سلگ کر جان دینا ـــــ صبح ہوتے ہوتے چراغ سحری کا بھڑک کر خاموش ہوجانا ـــــ پروانوں کی دیوانہ وار تدبیریں ـــــ سب تحصیل لاحاصل ـــــ لیکن گوہر مقصود کیلئے سب کچھ گوارا کرلینا ـــــ یہ ان بے زبانوں کے کارنامے ہیں ـــــ"

بقول سودا ؎

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال ؟ جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
یاں فکر معیشت ہے، واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست، یہاں ہے نہ وہاں ہے!

"ابدی زندگی"

محترمہ سرور جہاں صاحبہ عفا (از سیالکوٹ)

موسم بہار اپنا پرشکوہ زمانہ ختم کر چکا تھا.... ایک شام کو...... آفتاب نے دامن کوہسار میں پناہ لی۔ سیمیں ماہتاب نے اپنی نورانی روشنی سے ایک خاموش اور سنسان میدان کو بقعۂ نور بنا دیا۔ میدان یکتا دیوں، مہ جبینوں، دلاوروں اور خوبصورت معصوم بچوں کی قبروں سے پٹا پڑا تھا۔ دور تک خاموشی طاری تھی۔

حیرت کا مقام تھا۔ دنیائے ناپائیدار کی خود غرض ہستیاں اپنی خود غرضی کا نمونہ پیش کر رہی تھیں..... ننھا معصوم رشید آغوش قبر میں پڑا اپنی پیاری ماں کو پکار رہا تھا...... حسین طلعت جو خوبصورتی میں بے مثل تھی۔ اپنے شوہر کو مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی......... حامد کا گلا اپنی بیوی کو آوازیں دیتے دیتے تھک گیا تھا........

لیکن جو ماں رشید کو آنکھوں سے اوجھل نہ کرتی تھی.... جو شوہر طلعت کی محبت کا دم بھرتا تھا.... جو بیوی حامد سے والہانہ الفت رکھتی تھی....... وہ سب ناپائیدار دنیا کے آرام و آسائش میں مبتلا ہو کر اپنے عزیزوں کو فراموش کر چکے تھے۔

ایک صاف و شفاف سنگ مرمر کی قبر جو سرسبز بیلوں اور خوبصورت پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جس کے ارد گرد قد آور درخت حلقہ کئے ہوئے تھے۔ آدھی رات کے وقت ایک خوشنما گلاب کا پھول جو قبر کی زینت بن رہا تھا۔ اس مہ جبین کی یاد دلا رہا تھا۔ جو قبر میں "ابدی نیند" سو رہی تھی۔ ————!!

کتبہ بآواز بلند کہہ رہا تھا۔ اور مہتاب کی سیمیں روشنی تائید کر رہی تھی کہ یہ نواب صفدر جنگ کی وہ مہ پارہ بیگم ہے۔ جو اپنے وقت میں یکتا تھی۔ لیکن آہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج اس کو جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ——— ؟ حسن زندگی کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی قابل ستائش تصنیف ابھی زندہ ہے۔ اور ابد تک اس کا نام زندہ رکھے گی۔ (ماخوذ از انگریزی)

"کلی کی شادی"

از محترمہ مشتری بیگم صاحبہ (مسز سید عبد اللطیف حسینی ایم۔ اے)

مدیرۂ محترمہ سلام نیاز "سفینۂ نسواں" بابتہ ماہ مارچ ۱۹۳۲ء میں عزیزہ بہن کس عزیز بیگم صاحبہ کا مضمون "کلی کی موت" میری نظر سے گذرا جو اپنے لحاظ سے خاص مضمون تھا، اسی کلی نے میری توجہ بھی اپنے طرف منعطف کرائی ——— اور میں نے بوا چنبیلی کی لڑکی (کلی) کی شادی"۔ رچالی ——— جسکی مختصر سی کیفیت ناظرات سفینہ کی دلچسپی کے لئے بھیج رہی ہوں ——— (مشتری)

بہار کا مہینہ، شادیوں کا زمانہ، تیسرا پہر "چمبیلی" کی لڑکی "کلی" شادی کے قابل ہوگئی لڑکی کا باپ بڑا آدمی نہ تھا، چھوٹا سا درخت اور لڑکیاں بکثرت، کئی جگہ شادی کی بات چیت ہوئی مگر کہیں نسبت قرار نہ پائی "کنول" بہت اچھا لڑکا تھا، مگر بڑے گھر کا اس پر راضی نہوا کہ "چمبیلی" کی بیٹی سے شادی کرے "گڑہل کا پھول" راضی ہو گیا۔ مگر اس میں اتنا غصہ تہا کہ لڑکی . ماں ممتا بھری ماں راضی نہیں ہوئی کہ جان بوجھ کر اپنی پیاری بیٹی کو کوئیں میں ڈھکیل دے "گل داودی" بوڑھا ہو چلا تھا، "گیندہ" اگر اپنے آپ کو پیش کرتا تو لڑکی والے راضی ہو جاتے مگر وہ اپنی خلقی شرمندگی کیوجہ جرات نہ کر سکا، گل شبو، لڑکا اچھا تہا مگر مارے غرور کے مزاج ہی نہ ملتا تہا، گل عباس" سے منگنی ہوگئی تھی، مگر اس کے چھچھوری طبیعت نے بات کو زیادہ بڑہنے نہیں دیا اور پیغام ٹوٹ گیا۔

لڑکی کا باپ انہی فکروں میں پریشان تہا کہ "بھونرا" آپہونچا۔ ———

بھونرا :- (گنگنا کر) لڑکی بیاہو گے ؟

چمبیلی کے درخت نے پتیاں ہلا ہلا کر جواب دیا "ہاں بچی تو اللہ رکھے اس قابل ہو گئی ہے کسی کے پلے باندھ دوں"

بھونرا:- لڑکی دکھلا دو۔

اُس درخت نے شاخ جھکا کر سمٹی سمٹائی منہ بند کلی دکھلائی، بھونرے نے ایک مرتبہ سارے درخت کا چکر لگایا اور پھر آ کر بولا، دیکھنا چاہتا ہوں منہ کھولو!!

شرمیلی لڑکی نے منہ نہ کھولا، درخت نے کہا کہ میری لڑکی بڑی حیادار ہے، تم تھوڑی دیر میں پھر آ جانا، میں کوئی صورت کرونگا کہ وہ منہ دکھلا دے "بھونرا" واپس چلا گیا۔

اُدھر لڑکی کی خالہ (شام) شام ہوا آ پہونچی، اس نے کلی کو بہت کچھ سمجھایا بجھایا، کہنے لگی میری اچھی بیٹی منہ کھول دو نہیں تو شادی ہو گی میری پیاری! میری دلاری! منہ کھول تو دے۔

"کلی" نے بار بار انکار کیا گردن ہلایا کئی بار روٹھ کر منہ پھیر لیا، اور آخر کہا کہ خالہ جان تم جاؤ، مگر شام کی ٹھنڈی ہوا میں مست ہو کر "کلی" کی بھی دل کی کلی کھل گئی اور منہ کھول دیا۔

اُدھر بھونرا آ پہونچا، "کلی" کی بھینی بھینی خوشبو سے خوش ہو کر بولا گن تو لڑکی بڑا اچھے ہیں گھر میں شہد کتنا ہے؟

درخت نے کہا تم حساب کی فرد لیتے آنا، آنہ پائی سے بیباق کر دونگا۔

بھونرا:- مجھے حق المحنت کیا ملے گا؟

درخت:- حق المحنت بھی ملجائیگا۔

بھونرا:- کچھ پیشگی ملجائے تو اچھا ہے۔

درخت:- پہلے یہ تو بتلا کہ شادی کہاں ٹھرائی ہے۔

بھونرا:- تم خاطر جمع رہو، لڑکا بڑا خاندانی اور نیک بخت ہے۔

درخت:- آخر وہ ہے کون؟

بھونرا:- سنو گلاب لال خوشبودار خاندان بھی بہت اچھا ہے، یوں تو بہت سے گھر اس فرقہ میں ہے، مگر اس گلاب کو خاصکر "باغ عامہ" کے بڑے مالی نے لگایا ہے، اور حالیہ فلاور شو "پبلک گارڈن" یا نمائش باغ عامہ حیدرآباد) میں اس کو "فرسٹ پرائز" بھی مل چکا ہے، بہرحال لڑکا کن ڈھنگ والا ہے۔ اگر یہ کہو کہ خاردار ہے تو کانٹا

کس گھرانے میں نہیں ہوتا ——————— ؟

غرضکہ بہت کچھ محنتوں کے بعد شادی منظور ہو گئی "بھونرا" وہاں سے اُڑ کر گلاب کے یہاں پہونچا اس وقت گلاب اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا میں بیٹھا ہنس ہنس کر کھیل رہا تھا، شادی کا نام سنتے ہی کھلکھلائے ہوئے ہوا میں ناچنے لگے اور ایک شوخ دوست نے بڑھکر گلاب سے کچھ کانا پھوسی بھی کی۔

بھونرے سے گلاب کے باپ نے پوچھا لڑکی کی عمر کیا ہے ؟

اس نے جواب دیا بس نام خدا کھلنے ہی پر ہے۔

پھر پوچھا ملیگا کیا ؟

بھونرا بولا بہت کچھ ——————— خدا رکھے بڑا گھرانہ ہے ایسی جگہ لین دین کی کمی کیا ——————— ؟

چوتھی شام کو یہ مبارک رسم قرار پائی۔ گلاب نے برات کا انتظام کیا، کہ خوب دھوم سے دولہن کے گھر جائیں۔ "جھینگروں" نے نوبت بجائی، تنھہ کی مکھیوں نے شہنائی بجانے کا بیعانہ لیا تھا مگر اس عذر پر کہ رنو ندی آتی ہے برات میں کام نہیں کیا، "بھیرا" اپنے راگ سے برات کو گھونٹا کر رہے تھے "جگنو" نے ہتھشاخے روشن کئے "پروانے" پروان چڑھے سے آگے ہی تصدق ہونے لگے، آسمان پر تاروں کی آتش بازی چھوٹتی تھی۔ "ابابیل" پنکھے جھیل رہا تھا "کوئل" برات کے آگے نقیب کی صدا لگاتی تھی "کنول" بڑا آدمی اس بھانے سے شریک نہیں ہوا کہ سر میں درد ہے، اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے پھول شریک ہوئے، جو سُرخ، زرد، نیلے، سفید مختلف لباس میں ملبوس تھے، "گیندا کا پھول" سب سے زیادہ اونچی سواری پر تھا، "چمپا" ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ساتھ مگر شراب کے نشہ میں مست، "گل شبو" بہت سے مجمع کے ساتھ آیا، "گل نرگس" بھی شریک ہوا مگر برات کا رنگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا، اور دل ہی دل میں یہ ارادہ تھا کہ کوئی موقع دیکھے اور "گل سوسن" کے ذریعہ لڑائی جھگڑا کرادے۔

برات روانہ ہوتے وقت ایک مشکل آپڑی یا وشمیم نے کہاروں کا بیعانہ لیا تھا، بیعانہ لیتے وقت تو "ہوں" ہم کرکے بڑی مردانگی جتائی تھی، مگر عین وقت پر پتہ ہی ندارد، ساری برات رُکی ہوئی تھی، آخر بڑی مشکلوں سے کہار دستیاب ہوئے، اور برات چلی۔

ادہر لڑکی کے یہاں طرح طرح کے شاخوں سے منڈوا سجایا گیا تھا "بام" اپنے کشادہ بازوں، دریلانے

اپنی اپنی من وار بیند ہی سے بہت کچھ سایہ کر دیا تھا، "گل مہندی" "مہندی لگانے تیار ہوئی" ہار سنگار" نے خوب بناؤ سنگار کیا تھا ۔ ——————

(کلی) کی سہیلیاں اور جنہیں فیشن ایبل نقرہ رنگ کی ساڑیاں پہنے خوب بن ٹھن کر آ گئیں اور گھونگھٹ کھولے ہوئے بہت شگفتہ دلی کے ساتھ خوشبو اڑا رہی تھیں، کوئی ہنستا ہے، کوئی کھلکھلاتا ہے، ڈالی ڈالی گلے مل رہے ہیں، اور پتے تالیاں بجا رہے تھے "سرو" باہر کھڑا اسکی رہنمائی کر رہا تھا "بٹ کو کڑی" آبدار خانہ سے پانی دے رہی تھی۔ سیوتی، مولسری، یاسمن، جوہی، وغیرہ عورتوں کے ہمراہ کر رہی تھیں، اور رات کی رانی نے اپنے فیاض اسٹیٹ سے پھول سنگھنیوں کا انتظام کیا تھا کہ کوئی مہمان خالی ہاتھ جانے نہ پائے ۔

شدہ شدہ برات آئی، پروہت نے دولہا دولہن کو ایک دھاگے میں پرو دیا، دولہ کو گھیر کر کیسی کیسی حسینہ عورتیں اس کے بیٹھی ہیں کہ بیان سے باہر مزے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں، جس کو دیکھو باغ باغ ہو رہا ہے، دولہ کے ماں باپ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے ۔ . . . . —

دفعتاً آنکھ کھل گئی تو دیکھا نہ وہ باغ ہے نہ سبز باغی جلوس ۔۔ رات یہ سب کہاں غائب ہو گئے" وہ خوشبوئیں کیا ہوئیں، وہ غنچہ دہن حسین کدھر چلے گئے؟ ... کیا ہوا یہ سب ... گئے، جہاں سب کو جانا ہے، دنیا خواب ہے، آنکھ کھلی اور کچھ نہ تھا ۔ —————— آہ !!

ع ۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا فقط

"تخیلاتِ ٹیگور"

محترمہ نزہت افضل صاحبہ (از سیالکوٹ)

میں ایک سیاہ ہرن کی مانند بھاگتا ہوں۔ جیسے وہ اپنی روح افزا خوشبو سے مست ہو کر بھاگتا ہے ۔

مئی کی درمیانی رات ہے۔ پچھم کی ہوا چل رہی ہے۔ باوجود انتہائی کوشش کے میں اپنے منزل مقصود سے کوسوں دور ہو جاتا ہوں۔ . . . . . میں جس چیز کو نہیں پا سکتا اس کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں . . . . . لیکن

جس چیز کی جستجو، نہیں کرتا۔ اسے پالیتا ہوں!

میرے دل سے میری اپنی آواز کا مجسمہ نکل آتا ہے۔ اور رقص کرنے لگتا ہے۔ یہ خوشنما منظر آنکھوں سے روپوش ہو جاتا ہے...... میں اسے ہاتھوں میں پکڑنے کی ایک ناکام کوشش کرتا ہوں۔ وہ میرے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے میں آوارہ اور سرگرداں ہو جاتا ہوں۔

میں جس چیز کو نہیں پاسکتا۔ اس کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں۔ لیکن جس چیز کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اسے پالیتا ہوں۔　　　(ترجمہ)

محبت کے زیورات

محترمہ مہر النساء (از مدراس)

.. چمکتے تابناک موتیوں کا ہار تمہارے خوبصورت گلو کی زینت ہوتا ہے۔ یہ موتی نہیں آنسو ہیں جو میری تمہاری یاد میں ——— ہاں تمہارے لیے بہائے ہیں!!

وہ یاقوتی مالا جو تمہاری گل شبو جیسی بے حد سفید رنگت کو اپنی سرخی سے رنگ دے رہی ہے۔ ——— تمہاری گرم و سرد گفتگو نے ——— ہاں! تمہاری بے رخی نے، میرے دل کو ٹکڑے کر دئے ——— اور یہ مالا ——— دل شگفتہ سے گرے ہوئے خون کی بنی ہے!!

وہ پکھراج جو نہ بجھنے والے انگارہ کی طرح تمہارے چوڑے سینہ پر شعلہ زن ہے۔ ——— اس کی درخشاں رتابا شعاعوں میں کبھی ٹھنڈی نہ ہونے والی آتش محبت کی چنگاریاں نکل رہی ہیں!!

تمہارے مضطرب گوشواروں کی چمکتی دمکتی تاب اور تمہارے سیاہ زلفوں کا دلکش عکس تمہارے غیر مستقل ارادوں کا ثبوت دے رہے ہیں نیز ان مسرتوں تلخیوں کا عکس ہے جو تم اپنے پیچھے چھوڑے جاتے ہو۔

(ترجمہ)

"محروم نیاز"

از جناب سید غلام حیدر صاحب (شملہ)

ریپن شفاخانہ کے جنرل وارڈ کے ایک ہوادار کمرے میں ایک مریضہ زندگی کی گھڑیاں گزار رہی ہے ——
رنگ زرد ہے —— بال بکھرے ہوئے ہیں۔ پیشانی پر جو ابھی تک نورانی ہے، پسینے کے قطرے موتیوں کو شرما رہے ہیں۔ آنکھیں، وہ آنکھیں جو تندرستی میں چشم آہو کو شرماتی تھیں۔ اب پتھرائی ہوئی ہیں۔ ہونٹ جو کبھی شگفتہ تھے۔ اب پیازی سوکھے ہوئے ہیں۔ پیاس کی شدت ہے ......

سرِ بالین نرس بیٹھی ہوئی مریضہ کے حالِ زار پر غم کے آنسو بہا رہی ہے ——

دفعتہً مریضہ نے سنبھالا لیا۔ شمع گل ہونے سے پہلے یک لخت روشن ہو گیا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں میں روشنی چمکنے لگی۔ اس نے نرس کی طرف دیکھا، اور کہا "سنتی ہو۔ وہ بیوفا تھے۔ بڑے بیوفا! آہ! ان کا دل شاید پتھر کا بنا تھا۔ جو کبھی نہیں پگھلا۔ میں ان کی بیوی۔ ان کے گھر کی ملکہ تھی —— اور وہ میرے دل کے مالک تھے۔ انہیں اولاد کا شوق تھا۔ میرے مقدر میں اولاد نہ تھی۔ لوگوں نے کہا۔ دوسری شادی کرلو میں نے اجازت دیدی۔ میں چاہتی تھی۔ کہ وہ خوش رہیں۔ وہ آئی اور میرا چین چھن گیا۔ وہ اس کے دامن میں پھنس گئے۔ میرے کلیجے میں کانٹا چبھنے لگا دل خون ہو کر آنکھوں کے رستہ بہ گیا۔ وہ بالکل منحرف ہو گئے۔ طوطا چشم ہو گئے۔ میرے والدین نہ تھے۔ کہ ان کے ہاں جاتی۔ بھائی کا خون سفید ہو چکا تھا۔ بھاوج میری جان کی بیری تھی۔ میں ذلیل و خوار ہو گئی۔ لونڈی بن گئی۔ گھر سے باہر کردی گئی۔ جب انہوں نے نکال دیا تو دل کے ٹکڑوں کے سوا میرے پاس کچھ موجود نہ تھا۔ جان عجیب مشکل میں تھی۔ محنت مزدوری کی عادی نہ تھی۔ رفتہ رفتہ عادت ہو گئی۔ مگر صحت نے وفا نہ کی۔ جنکے ہاں ملازم تھی۔ انہوں نے خوف خدا کیا اور مجھے یہاں بھجوا دیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ کہ جسے سل ہو۔ اس کو الگ کرنا چاہیے ....
کیا تم نے کسی کو ان کی طرف روانہ کیا ہے؟ کیا ابتک وہ نہ آئے ——؟

دیر قاصد کو لگی اے اشتیاق جمال ہو دیکھئے مجھ کو بتاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

تم خاموش کیوں ہو؟ ٹھیک ٹھیک کہدو۔ نرس خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ اُس کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔ جو ہزار زبان سے ترجمان کر رہے ہیں۔ مریضہ تاڑ گئی۔ اُس نے سرد آہ لی اور کہا سُنتی ہو۔ اُن کا دل پتھر کا ہے۔ خدا کے واسطے اُن کو کہہ دینا۔

نزع میں بھی تیری صورت کو نہ دیکھا افسوس ۔ مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا ۔

لیکن وہ نہیں آئینگے !! ۔ تم ان سے کہاں ملوگی ؟ سنتی ہو۔ چراغ کیوں گل ہوگئے ــــ اندھیرا ہوگیا ــــ شمع کو جلادو ــــ آہ ! مجھے سینے سے لگا لو ــــ نرس نے مریضہ کو چھاتی سے لگایا۔ اور ٹمٹماتی ہوئی شمع حیات گل ہوگئی۔ مگر وہ نہ .... آئے ۔

"کام کی باتیں"

حفظان صحت پر ایک اجمالی نظر (بسلسلۂ گزشتہ)

از جناب ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب رکن اعلیٰ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ
(شعبہ سائنس)

تحفظ صحت کے علم و عمل کی بے انتہا منفعت کا ثبوت مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے مل سکتا ہے۔

انگلستان (ENGLAND) کی سالانہ شرح اموات گزشتہ پچاس سالوں میں برابر گھٹتی رہی ہے چنانچہ جہاں وہ سنہ ۶۵ - ۱۸۶۱ء میں فی ہزار آبادی ۲۱ء۴ تھی وہاں وہ سنہ ۱۹۱۹ء میں فی ہزار ۱۳ء۴ سے زاید نہ تھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اصول حفظان صحت کی تعلیم و ترویج نے ہزاروں جانیں بچائیں۔ مزید برآں یہ ایک حقیقت روشن ہے کہ جب کہیں کسی شہر میں صفائی کا انتظام معقول ہوگیا اوس کے گندے پانی کا اخراج صحیح اور کامل طور پر کیا گیا اس کی موریوں اور میلے پانی کی نالیوں کی حالت درست کی گئی گھروں میں ہوا اور روشنی کا کافی انتظام کیا گیا تو اس شہر میں تپ محرقہ "ٹائفائڈ" (Typhoid) اور تپ دق وسل اور دیگر امراض سے ہونے والی اموات کی تعداد نمایاں طور پر کم ہوگئیں۔ وہاں چیچک ہیضہ کے نسبت آج کل نہایت کمی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے حملے پہلے کی طرح خوفناک اور مہلک نہیں ہوتے اور چونکہ اب انگلستان (England) میں پاک و صاف پانی کی بہم رسانی اور ڈرنیجوں کا معقول انتظام موجود ہے وہاں ہیضے کی وبائیں عملاً نا پید ہیں۔

حدوث و کثرت امراض کو زمانہ قدیم کی طرح محض شومیٔ قسمت یا آسمانی بلاؤں کا نتیجہ سمجھ لینا درست نہیں بلکہ بیشتر عدم پابندی قوانین صحت سے پیدا ہوتے اور پھیلتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو امراض دو قسموں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں یعنے (۱) السداد پذیر امراض اور (۲) غیر السداد پذیر امراض۔

انسداد پذیر امراض کی مثالیں چیچک خسرہ سل و دق ملیریا عوارض شش انفلوئنزا وغیرہ ہیں جن کی روک تھام کے طریقوں کا ہمیں علم ہے۔ غیر انسداد پذیر امراض کی مثالیں سرطان اور بہت سے عصبی امراض وغیرہ ہیں جن کی ماہیت اور طریقہ انسداد سے ہم بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غیر انسداد پذیر امراض کی تعداد میں اب روز بروز بہت کمی ہوتی جاتی ہے کیونکہ جدید تحقیقات سے اب ایسے بہت سے امراض کی ماہیت اور ان کے اسباب کا پتہ لگتا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوگا کہ حفظان صحت یا اصول صحت وہ علم ہے جس کا تعلق دراصل انسداد پذیر امراض اون کی ماہیت اور ان کی روک تھام سے ہے۔

اسباب مرض زندگی کی تمام ضروریات میں اور ہمارے تمام کاموں میں ہمیں ایسے بہت سے حالات اسباب سے واسطہ پڑتا ہے جو مرض پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ ہمارا فرض ہے کہ ان حالات و اسباب سے مختشر رہیں اور حتی الامکان ان کو پیدا نہ ہونے دیں۔ امراض ہماری سانس لینے کی ہوا میں پہننے کے کپڑوں میں پینے کے پانی میں ہمارے عادات و خصائل اور پیشوں اور مشاغل میں ہمارے گرد و پیش اور سب سے زیادہ ہمارے گھروں میں ہم پر حملہ کرنے کیلئے مستعد اور مناسب موقع کے منتظر ہیں۔ اگر ہم خبرداری اور احتیاط سے کام لیں اور ان کے حملہ آور ہونے کے طریقوں سے پوری طور پر واقف ہو جائیں تو ہم ان سے محفوظ رہ سکتے بلکہ اون کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔

جدید تحقیقات سے اب اس کا ثبوت ہم پہنچتا جا رہا ہے کہ بیشتر انسداد پذیر امراض کا سبب بعض مخصوص قسم کے ننھے ننھے زندہ اجسام یا جراثیم (bacteria) ہیں جو ہمارے جسموں پر حملہ آور ہو کر مرض پیدا کر دیتے ہیں یہ خاص خاص حالات و ماحول میں نشو و نما پاتے ہیں۔ اگر ہم ان کے عادات و خصائل لیعنی اور خصائص حیات سے بخوبی واقف ہو جائیں تو بلاشبہ انہیں روکنے اور ان سے بچنے کا معقول انتظام کر سکتے ہیں۔

ختم شد

سوزن کاری

از محترمہ بدر النساء بیگم صاحبہ (مسلمہ) منشی فاضل (پنجاب)
مددگارہ گورنمنٹ زنانہ ٹریننگ کالج لاہور

(اضافہ ہو سلسلہ گزشتہ ماہ اپریل صفحہ ۵)

"ترپنا"

سامان:۔ رنگین تاگہ، انگشتانہ، سوئی، قینچی، فیتہ، سفید کپڑا

ہدایات:۔ جب طالبات کو ٹانکوں کے فاصلے اور رکو کنے کی مشق اچھی طرح ہو جائے۔ تو ترپنے کی مشق کرائیے۔ انہیں فیتہ کے پیمانے سے واقف کرایا جائے اور کوئی ایک فاصلہ مقرر کرکے یعنی ۴ انچ کا فاصلہ فیتہ سے ناپ کرائیں کا نشان کپڑے پر لگوائیں اور وہاں پنسل سے نشان کرادیں اسی طرح چاروں طرف ناپ کر مربع ٹکڑا قینچی کے ذریعہ کٹوائیں۔ (مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قینچی کے استعمال سے طالبات کو واقف کرایا جائے۔)
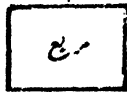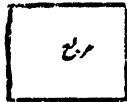
مربع

مربع

اس کے بعد انچ کا ½ حصہ مربع کے ایک کنارے پر موڑ دیں اور پھر اس موڑے ہوئے کنارے کو دوبارہ اسی طرح موڑ دیں اور سابقہ واقفیت کی مناسبت سے کونے لگوائیں اس کے بعد سوئی کو پیچھے سے چبھو کر اوپر نکلوائے اور ترچھی سوئی دوبارہ کپڑے میں چبھو کر نیچے نکلوائے اسی مناسبت سے ٹانکے لیے جائیں اور اسی کو ترپنا کہتے ہیں۔ یہ سیون عموماً دامن، چادر کے کناروں پر سیا جاتا ہے اسی طرح چاروں طرف سینے کی مشق کرائی جائے۔

نوٹ: چونکہ طالبات میں تقلید کا مادہ ہوا کرتا ہے اس لیے اصولاً ابتدی کے ساتھ سکھلانے والے کو چاہیے کہ خود بھی یہی کام کرتا جائے تاکہ ان کے ذہن نشین ہر چیز ہو سکے اور کام میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو۔

کروشیہ میں تیتری اور سفینہ

لھید آیات :- ۱۲۸ چین سے شروع کریں
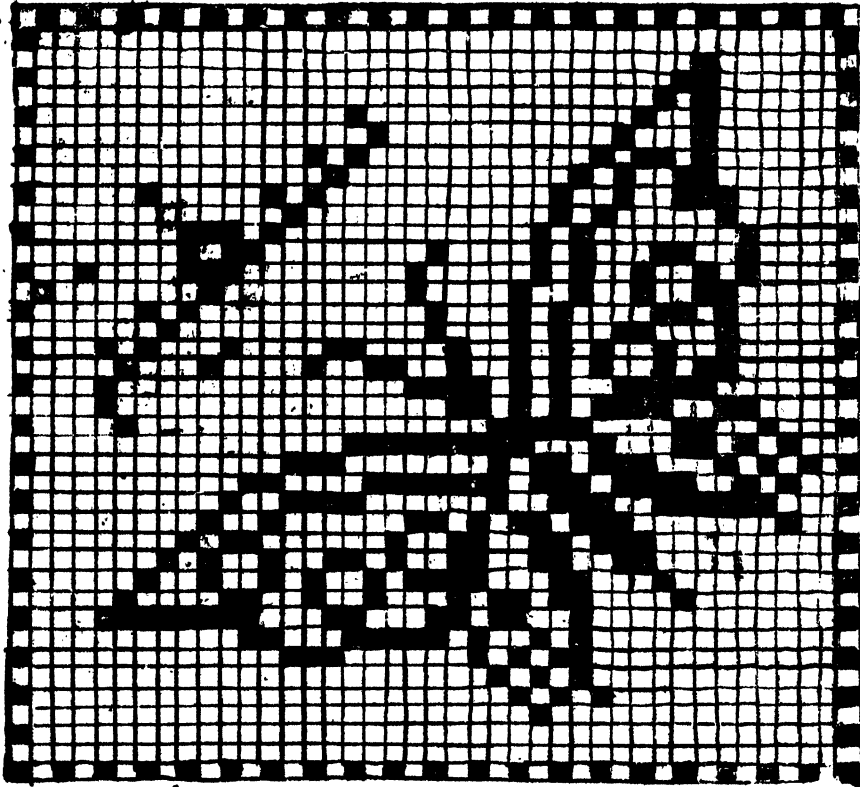
مرسلہ — محترمہ ثریا صاحبہ (مسز امجد عرفانی از ورنگل)

مفید معلومات

اونچی ایڑی کا جوتا، ایک ڈاکٹر کی نظر میں ؟

(ترجمہ از عزیزہ ک، ف بیگم صاحبہ)

امریکہ کے ایک مشہور سائنس دان اور تجربہ کار ڈاکٹر نے مقامی "اینڈ سٹریز ڈیپارٹمنٹ" کے صدر کے نام ایک طویل چٹھی لکھی ہے، جس میں اونچی ایڑی کے "بوٹ و شوز" کی نسبت اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔

ــــــ ہماری عورتیں اونچی ایڑی والے بوٹ پہن رہی ہیں جن سے سارے جسم کا بوجھ پاؤں کی نوک پر پڑ رہا ہے اور پاؤں کی ہڈی حد درجہ کم زور ہو رہی ہے۔ عورت کا موجودہ پاؤں (۵) لاکھ برس میں اب متحمل، موزوں، اور خوبصورت بنا ہے۔ لیکن اب عورتیں اسے خراب کر رہی ہیں، اگر کچھ زمانہ یہی روش رہی تو عورت کو اپنے پاؤں کی خوبصورتی سے محروم ہو جانا پڑے گا۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ اس قدر چھوٹے، بدنما، اور کم زور ہو جائنگے کہ انسان کیلئے چلنا پھرنا تک دشوار ہو گا۔

چہرہ پر غازہ اور کریم ملنے کے نتائج

ڈاکٹر والٹن امریکہ کے ایک مشہور محقق اور ماہر فن نے اس بارے میں اپنے تجربات پیش کرتے ہوئے لکھا ہے :ــــــ

عورتیں کچھ دیر کی ظاہری بناوٹ اور آراستگی کی خاطر اپنے اصلی رنگ و رعنائیوں کو کھو رہی ہیں غازہ یا کریم کا استعمال بجائے اس کے کہ انہیں کچھ فائدہ پہنچائے، الٹا نقصان دے رہا ہے"

ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں "یہ میرا تجربہ ہے کہ نوعمر لڑکیاں جن کے چہرے گلاب کے پھول کی مانند ہونے چاہیئے تھے محض کاسمٹک" آمیز خوشبودار صابن غازہ، اور کریم وغیرہ کے استعمال سے بدنما ہوتے جا رہے ہیں گویا وہ اپنی اصلی رنگت آب کھو رہی ہیں۔ اور کچھ عرصہ نہ گزریگا کہ عورت کے چہرہ کی رنگت سیاہ اور سفید (دھبہ دار) رہ جائے گی۔ آئندہ زمانہ میں حسن کو جانچنے کا معیار

تھا یدی رہ جائے اور جن کے چہرہ پر سب سے زیادہ نازک اور موٹی ساد انغ و دھبے ہوں وہی کو کس آف بیوٹی یا کوئین آف روز" کہلائے۔ مگر میں جب اس چیز کا خیال کرتا ہوں تو مجھے ایسا چہرہ ڈراونا اور بھیانک نظر آتا ہے۔ کیا آپ کو پسند ہے۔؟

خوان نعمت

ترکاری پلاؤ

از محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا بیرسٹرایٹ لا)

ضروری اشیاء: بڑا مرغ ایک عدد (مصالحہ وغیرہ) حسب ضرورت (ترکاری) آلو ½ سیر۔ سیم کے بیج ایک سیر۔ سویا حسب ضرورت۔ گاجر ½ پاؤ (چاول) ایک سیر۔

ہدایات:۔ سالم مرغ کو صاف کرنے کے بعد بلحاظ ضرورت ادرک، لہسن، پیاز، دہی، گرم مصالحہ لگا کر بگھار دیں۔ جب قورمہ تیار ہو جائے تو اس کو دم دیدیں۔ آلو اور گاجر کے چھلکے بنالیں، اور سویا کو بانٹ کر ان سب کو تل لیں، سیم کے بیج ابال کر رکھیں۔ چاول کو علیحدہ ابال کر پانی نتھار دیں، اور کسی صاف دیگچی میں آدھے چاول لے کر اس کی تہہ بچھائیں، اس پر مرغ کا تیار شدہ قورمہ ڈال دیں پھر ترکاری بچھادیں، اور اس پر بقیہ چاول بھی پھیلا دیں۔

اس کے بعد تھوڑے دودھ میں زعفران گھول کر اوپر چھڑک دیں اور دم ہونے کیلئے دھیمی آگ پر رکھ چھوڑ دیں۔

دہی کے کنڈے کی ترکیب

از محترمہ بدرالنساء بیگم صاحبہ (معلمہ منشی فاضل (پنجاب)
(مددگار گورنمنٹ زنانہ کالج بلدہ)

نوٹ۔ ہمارے یہاں عموماً تقاریب میں جو میٹھے استعمال کئے جاتے ہیں وہ چاول ڈبل اور سیویوں کے میٹھے ہوتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل ذائقہ کے لیے میٹھوں کی فہرست میں اضافہ کیا جائے۔

ضروری اشیاء: چکا دہی میٹھا ایک سیر بادام پاؤ سیر پستہ چھٹانک گلاب دو ماشہ کھویا ادھ سیر باریک چاول کی دلی ہوئی ٹکیاں چھٹانک الائچی ۶ ماشہ شکر تین سیر مسکہ گھی ادھ پاؤ

ترکیب ۔ چاول کو دل کر چھٹانک باریک کنکی نکال لی جائے۔ اور پانی سے اچھی طرح دھو کر گھی گرم کر کے کنکی تل لیں اور اندازاً اتنا پانی ڈالیں کہ اچھی طرح گل جائے اور بادام و پستہ چھیل کر باریک پیس لیں۔ یہ پسے ہوئے مغزیات کھویا و شکر گلی ہوئی کنکیوں میں ڈالکر اس قدر پکائیں کہ وہ گاڑھی کھیر کے مانند ہو جائے۔ پھر اُتار کر ٹھنڈا ہونیکے بعد اسمیں دہی و الائچی ملا دیں اور ایک کوری مٹی کی کڑھائی میں ڈال دیں اوپر سے گلاب کا عرق چھڑک دیں اور جب اس کی تری کو کڑھائی جذب کر لے تو یہ میٹھا بہت لذیذ ہوگا۔

نوٹ ۔ دہی کی نسبت بطور خاص خیال رکھا جائے کہ عام معمولی دہی نہ ہو جس سے میٹھا بگڑنے کا اندیشہ ہو سکے بہتر یہی ہے کہ مکان ہی میں گاڑھے دودھ کا دہی جمالیا جائے۔

بادام کا قورمہ

(از)

محترمہ صغرا صاحبہ مسز (ہمایون مرزا بیرسٹر ایٹ لا)

گوشت میں دہی، ادرک، لہسن، پیاز ملا کر گھی میں بگھار دیں۔ بادام آدھ پاؤ یا پاؤ بھر جس قدر ضرورت ہو لے کر اس کو تھوڑے سے شوربے میں بھگو دیں چند گھنٹے بھگو دینا چاہیے اس کے بعد بادام کو ابال لیں جب بادام سیم کے بیج کی طرح گل جائیں اس وقت اس کا پانی پھینک دیں۔ پھر بادام کو زعفران میں تھوڑی دیر رکھ کر اسی قورمہ میں ڈال کر تھوڑا پانی ڈال دیں جب پانی خشک ہو جائے تو گھی پر دم پر رکھیں [illegible]۔ ان گرم مسالحہ ڈال دیں ۔ (باقی دارد)

Safina-i-Niswan.

طبع در مسیحا دی پریس [illegible] واقع تیسرولی دروازہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

صاحبزادہ مکش آغائی کا اظہار حقیقت
ھ
ہر چند روغنِ گلبہار کے متعلق توصیفی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ان گنت محبانِ وطن نے اپنے تجرباتی
فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور
عبارت آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو ید قدرت نے سحر قدرت سے سحر آفریں اعجاز ودیعت
فرمایا ہے جہاں اس کی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اسکی تاثیر بھی عدیم النظیر مشاہدہ شاہد ہے کہ
اس کے استعمال نے بال گرنے موقوف کر دئے درد سر زائل کر دیا تکلیف نے تکان دور کر دی اسکی عطر افشاں خوشبو
مشامِ جان کو معطر کرتی دماغ کیلئے فرحت و سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ
اس کے موجد ملکی ہاتھ ہیں۔ یہ ایجاد بلامبالغہ موجد کے لئے باعث صد افتخار و ناز ہے تو ملک کیلئے سرمایۂ ناز
روغنِ گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں ازدیاد
جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہے جس قدر ذکور اہل ملک اور محبانِ وطن کا فرض ہے
کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے
کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کر دیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہونگے۔
ان اصحابِ مخلص کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئیل کے زہریلے اثرات سے
محفوظ رکھا جنکی طوفان بے تمیزی حشرات الارض کی طرح دن دونی رات چوگنی زیادتی پر ہے۔
المشتہر
مینیجر، گلبہار کمپنی ——— افضل گنج حیدر آباد دکن

ماہنامہ سفینۂ نسواں
مالکہ و مدیرہ۔ صادقہ قریشی
Safina-i-Niswan.

قیمت ۱۰/

ماہنامہ "سفینہ نسواں"
حیدرآباد دکن

مکہ معظمہ

"Safina-i-Niswan" MILAD NUMBER. July 1932.

سلسلۂ اشاعت "سفینۂ نسواں"

"اسلام میں عورت کا درجہ"

"عورت کی زندگی کے تین دور" "مسلم خواتین کا ماضی، حال اور مستقبل"

یہ ہندوستان میں انشاء اللہ اپنی طرز کی بالکل پہلی تصنیف ہوگی جس کی خصوصیت یہ ہوگی کہ مذکورہ تینوں عنوانات کے تحت ملک کی بہترین مضمون نگار خواتین کے خیالات یکجا کئے جائیں گے۔ اُن مضامین کے علاوہ جو ماہنامہ "سفینہ نسواں" کے میلاد نمبر میں شائع ہوئے ہیں۔ اس میں اور بہت سی محترم خواتین کے مضامین بھی شریک ہیں۔

اگر آپ } یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے ساری دنیا کی عورتوں کا درجہ کس طرح بلند کر دیا۔ اگر آپ ہندی مسلم خواتین کے ماضی و حال اور ان دونوں کی روشنی میں ان کا مستقبل دیکھنے کے متمنی ہیں۔

اگر آپ ہندی عورت کی زندگی کے تینوں دور کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی اپنا نام درج رجسٹر کرا لیجئے۔ تاکہ طبع ثانی تک آپ کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ کتاب کی ضخامت قریباً دو سو صفحہ ہوگی اور بعض قیمتی تصاویر بھی ہوں گی جو چار چاند لگائیں گی۔ کتابت و طباعت بہت پاکیزہ ہوگی۔ [illegible]

یہ دیکھ کر ملکی خواتین میں علمی، ادبی ذوق ترقی پذیر ہے۔ "ادارہ" نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے زیر اہتمام ایک ایسی "ایجنسی" قائم کرے۔ جو آپ کو گھر بیٹھے ہندوستان اور بیرون ہند کی ساری قدیم و جدید مطبوعات نیز رسائل وغیرہ مہیا کرتی رہے۔ خصوصاً ہندوستان کے تمام کتاب گھروں کی مطبوعات (اردو و انگریزی) اور رسائل کے خاص نمبر وغیرہ آپ "سفینہ بک ایجنسی" سے طلب فرما سکتے ہیں۔ اس سے آپ نہ صرف غیر معمولی اخراجات سے ہی بچ جائیں گے۔ بلکہ ایجنسی کا آدمی مطلوبہ کتاب اس کے اصلی داموں پر آپ کو اپنے گھر تک پہنچا دیا کرے گا۔ فرمایشات کی تعمیل بعد تعمیل عمل میں آئے گی۔ آیندہ نمبر میں ان کتابوں کی مکمل فہرست دیجائے گی۔ جو اب تک ایجنسی میں پہنچ چکی ہیں۔ مصنفین و مولفین کے لیے ایک نادر موقع ہے۔

تفصیلی حالات کے لئے منیجر سفینہ بک ایجنسی کو مخاطب فرمائیے

سفینہ بک ایجنسی

چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد نسائی آرگن

(ماہنامہ) سفینۂ نسواں کا میلاد نمبر

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد ۱

نمبر ۵ و ۶

بابتہ ماہ جولائی و اگست ۱۹۳۲ء

مطابق ربیع اول و ثانی ۱۳۵۱ھ

فہرست مضامین

سلسلۂ مضامین خاص

فہرستِ تصاویر

(۱) مکہ معظمہ (۲) مدینہ منورہ (۳) امکانخ خان بہادر محمد علاؤ الدین (۴) مولانا سید مہدی علی صاحب شہید (۵) عمارت اوقات تعلیمی۔

ماہنامہ "سفینہ نسواں"
حیدرآباد دکن

مدینہ منورہ

"Safina-i-Niswan" MILAD NUMBER. July 1932.

کلام الملک ملک الکلام

قطعہ

مصلحت تھی یہی حضرت کے یہاں آنے میں
تیرگی تا نہ رہے دہر کے کاشانے میں
جب ہوا مہر عرب جلوہ نما اے عثماں
سرنگوں بت ہوئے سجدہ ہوئے بتخانے میں

تری شانِ تجلّی کا، وقارِ عرش ہے مظہر
ترا نقشِ جلالت، ثبت ہے کعبہ کی عظمت پر

ضیا افگن ہے تیرا حسن، بتخانہ کی دنیا میں
ترے انوار کی تابش ہے فانوسِ کلیسا میں

کہیں موجود ہے رنگ و بہارِ گلستاں بن کر
کہیں ظاہر ہے تو آتشکدہ کی گرمیاں بن کر

ترے حسنِ تحیّر زا کی کوئی انتہا بھی ہے
کہ تو شامل ہے سب میں اور پھر سب سے جدا بھی ہے

ترا سازِ محبت ہے ترنم عندلیبوں کا
چٹک غنچہ کی کیا ہے؟ اک تری توحید کا نغمہ

ترے حسنِ جہاں افروز کے ہیں مختلف منظر
شگوفے۔ پھول۔ ذرّے۔ کہکشاں۔ قوسِ قزح۔ اختر

حدود و ذات سے تیرے نہیں ہے کوئی شئے باہر
نشاط و کیف، نوع و جنس، رنگ و بو، عرض، جوہر

تری شانِ ربوبیّت ہے ہر معلول کی علّت
زمانہ۔ ظرف۔ مقدار و تجدّد۔ گردش و حرکت

نکلتے ہیں تری تحمید اور تہلیل کے نغمے
کڑک بجلی کی بادل کی گرج شورِ تلاطم سے

ترے ہی نور سے روشن ہیں ٹھہرائی ہوئی آنکھیں
رواں ہوتی ہیں تیرے نام سے چھوٹی ہوئی نبضیں

بیاباں۔ کوہ۔ باغ و دشت و صحرا موج اور ساحل
تری تجرید کے تفرید کے توحید کے قائل

سمجھتے ہیں خدا تجھ کو ثنا کرتے ہیں سب تیری
برہمن۔ شیخ۔ اسقف۔ مغ۔ پری جن حور اور قدسی

سمجھ سکتے نہیں ہرگز حقیقت تیرے جلووں کی
بصیرت فہم۔ ادراک و تخیل ہوشِ انسانی

ہر اک اِن میں ہے تابع تیرے قاہر حکمِ محکم کا
ارادہ۔ آرزو خواہش۔ تمنا۔ ولولہ۔ جذبہ

غریبوں کی تڑپ میں اور یتیموں کی نگاہوں میں
تری رحمت کے جھونکے بند ہیں بیوہ کی آہوں میں

تری قدرت سے ہوتے ہیں چٹانوں سے رواں دھارے
تری رحمت سے مولا پھول بن جاتے ہیں انگارے

بہالاتی ہے گزرے دور کو موجِ کرم تیری
قسم کھا کر میں کہتا ہوں زلیخا کی جوانی کی

سماجت سے تری چوکھٹ پہ کرتی ہیں جبیں سائی
پہاڑوں کی بلندی اور دریاؤں کی گہرائی

تری قدرت کی طاقت کا یہ اک ادنیٰ کرشمہ ہے
زمیں کے سخت پردے نرم دانہ چیر دیتا ہے

ترے حسنِ جلالت خیز کی گرمی اگر چاہے
ابھی سارا زمانہ برف کی صورت پگھل جائے

جو تو چاہے مرے مولا تو کانٹے خون ٹپکائیں
رگیں پھولوں کی پتھر سے زیادہ سخت ہو جائیں

ترے جلوے طلسمِ رنج و کلفت توڑ دیتے ہیں
ترے جود و کرم ٹوٹی امیدیں جوڑ دیتے ہیں

کلام فصاحت التیام حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

بنہ بر پائے احمد کبریا بی صد وقار اینجا
زر اینجا۔ گوہر اینجا۔ حشمت اینجا۔ افتخار اینجا

بہ طیبہ چوں در آیم با ہزاراں شوق میخوانم
من اینجا۔ زندگی اینجا۔ اجل اینجا۔ مزار اینجا

ز داغ عشق سر در سینہ گلزار خیابانِ ارم
گل اینجا۔ لالہ اینجا۔ سنبل اینجا۔ نوبہار اینجا

زہے مستی کہ باشد در خیالِ ساقی کوثر
خُم اینجا۔ جام و مے اینجا۔ سرور اینجا۔ خمار اینجا

نباشد جائے من جز آستانِ مصطفیٰ عثماں
سر اینجا۔ سجدہ اینجا۔ بندگی اینجا۔ قرار اینجا

نعت

از استاذ السلطان
حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

ہم ایسا آپ کا پاتے تو آتے اپنی آنکھوں سے
گہر اشکوں کے روضے پر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے

زیارت کی تمنّا میں خیالِ رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اُٹھاتے اپنی آنکھوں سے

نظر آتا کوئی تنکا اگر یثرب کی گلیوں میں
اٹھاتے اپنی پلکوں سے لگاتے اپنی آنکھوں سے

جلا کر شمع ساں دل کو مزہ لیتے محبت کا
کھڑے روضے پہ ہم آنسو بہاتے اپنی آنکھوں سے

در و دیوار کے انوار نظروں میں سما جاتے
وہ نقشہ اپنے دل پر کھینچ لاتے اپنی آنکھوں سے

خدا کرتا کبھی حضرت سے آنکھیں چار ہو جاتیں
ہم اپنا دردِ دل سب کہہ سناتے اپنی آنکھوں سے

یہ سنتے ہیں کہ آنسو موتیوں میں تولے جائیں گے
مزہ ہوتا جو ہم دریا بہاتے اپنی آنکھوں سے

تصور گر اُچٹتا بھی تو رو کر پھر جما لیتے
ہم اپنے پیارے روٹھے کو مناتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے ہوش جاتے دیکھ تو لیتے نگہ اُن کی
ہمیں وہ کاش دیوانہ بناتے اپنی آنکھوں سے

نگاہِ لطف ہی کافی تھی بیمارِ محبت کو
نہ سنتے حال لیکن دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

جلیل اشکِ ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے

نعت

از محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ قمر

جاگ او گنبدِ خضرا کے بسانے والے — سکۂ اسلام کا دنیا میں بٹھانے والے
ظلمتِ کفر و ضلالت کے مٹانے والے — رایتِ حق کے زمانے میں اڑانے والے
خوف و امید ہمیں حق سے دلانے والے!!

تھا ملائک کو جو سجدہ کا دیا حکم محکم — نور سے تیرے منور تھی جبینِ آدم
بخششیں کون و مکان بستۂ ایجادِ کرم — حشمت و جاہِ دو عالم ہیں ترے زیرِ قدم
جاگ او ذرہ کو خورشید بنانے والے!!

بڑھ کے پہنچائی گئی سب سے مصیبت تجھ کو — اور کفار نے دی سخت اذیت تجھ کو
حق نے لیکن دئے وہ پائے عزیمت تجھ کو — دے سکی قوت و سطوت نہ ہزیمت تجھ کو
مرحبا وہ فقط اللہ سے ڈرانے والے!!

جو شجر خون سے سینچا تھا ترے یاروں نے — اس کو برباد کیا اپنے ہی غمخواروں نے
چار جانب سے ہمیں گھیرا ہے کفاروں نے — شانِ اسلام مٹا دی ہے سیہ کاروں نے
المدد! خلق کو ظلمت سے بچانے والے!!

دیکھ اغیار کے ہاتھوں سے پسے جاتے ہیں — نام لیوا ترے دنیا سے مٹے جاتے ہیں
حوصلے پست ہیں جی اپنے چھٹے جاتے ہیں — موجِ طوفانِ حوادث میں بہے جاتے ہیں
المدد! کشتیٔ امت کے ترانے والے!!

قوم کا حال قمرؔ آہ بتائے کیونکر — جو گزرتی ہے غلاموں پہ سنائے کیونکر
تشنگی شوقِ حضوری کی بجھائے کیونکر — درِ اقدس ترا آنکھوں سے لگائے کیونکر
او ہر اک درد و مصیبت کے مٹانے والے!!

اعانت
حقیر "سفینہ" کے لئے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ
وہ بہت ہی قلیل مدت میں دکن کی بعض ممتاز و علم پرور ہستیوں کی
توجہ خاص کو اپنی طرف مبذول کرالیا ہے۔ چنانچہ حال میں سرکار
ذی وقار نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ نے ازراہ عنایت اس کی سرپرستی
فرما کر عزت افزائی فرمایا ہے یقین ہے کہ یہ حقیر ماہنامہ
آئندہ بھی الطاف و کرم سے مستفیض ہوتا رہے گا۔
"ادارہ"

اعانت

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بیسیوں دشواریوں اور صدہا مشکلات کے بعد آج میلاد نمبر پیش کر رہی ہوں۔ مشکلات اور دشواریوں کا مفصل اظہار طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے میں مختصراً عرض کرونگی۔ تاکہ جن بہنوں کو یہ شکایت ہے کہ رسالہ بروقت شائع نہیں ہوتا۔ وہ دور ہو جائے۔ اس خرابی کے دفیعہ کے لئے میں اپنی حد تک ہر امکانی کوشش صرف کر رہی ہوں۔ مگر مجبور ہوں ایک نہ ایک رکاوٹ ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ پناہ بخدا۔

زیر نظر نمبر کا میں نے ابتدا ہی سے اعلان کیا تھا اور خصوصاً گزشتہ "محرم نمبر" میں اسکی تفصیل بھی درج کر دی گئی تھی اور مضامین کے وصول ہونے کی آخری تاریخ ۵ جولائی مقرر کی گئی۔ اب آپ یہ سنکر یقیناً مجھے قابل معافی قرار دیں گی کہ مجھے میلاد نمبر کیلئے ۱۵ جولائی کے بعد سے مضامین ملنے شروع ہوئے۔ جس کا سلسلہ اگست تک بھی جاری رہا اور یقین ہے کہ اب جب کہ آپ کے ہاتھ میں "میلاد نمبر" موجود ہے میرے پاس مضامین برابر آتے رہیں گے۔ بھلا تبلائیے ایسی صورت میں میں کیا کر سکتی ہوں؟

بجائے اس کے کہ آپکی ملامتوں کو سنوں اور شکر گزار رہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ "میلاد نمبر" کے لئے مضامین کا ملنا محض اس لئے دشوار ہے کہ "آج کل ہم مذہب سے بیگانہ ہیں"۔ تو یکا یک میری روح کانپ اٹھی کہ الٰہی ہمارا یہ بیگانہ پن کیا رنگ لائے گا۔ اور ہم میں کب مذہبی احساس

حقیر "سفینہ" کے لئے یہ امر باعثِ صد افتخار ہے کہ وہ بہت ہی قلیل مدت میں دکن کی بعض ممتاز و علم پرور ہستیوں کی توجہ خاص کو اپنی طرف منعطف کرا لیا ہے۔ چنانچہ حال میں سرکار ذی وقار نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ نے ازراہ عنایت اس کی سرپرستی فرما کر ہمت افزائی فرمایا ہے۔ یقین ہے کہ یہ حقیر ماہ نامہ آئندہ بھی الطاف و کرم سے مستفیض ہوتا رہے گا۔

"ادارہ"

پیدا ہو گا۔ بجائے "میلاد نمبر" کے اگر کسی "مغربی ریفارمر" کی حیات کو مرتب کرنے کا اگر میں اعلان کرتی تو توقع سے زیادہ میرے پاس مضامین پہنچ جاتے۔ جن کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک ایسی ضخیم کتاب بنتی جو آج تک خود مغرب میں اس موضوع پر کوئی ایسی تصنیف موجود نہ ہوگی، غرض اسی انتشار اور افسوس کے عالم میں، میں نے "میلاد نمبر" کا خیال ترک کر دیا تھا، اور "معمولی نمبر" کے لئے مضامین کو ترتیب دیکر کتابت کے لئے بھیج دیا۔ اور اس کی اطلاع میں نے اپنی اکثر کرم فرما بہنوں کو بھی دیدی کہ وہ بھی میرے ساتھ ہماری بے حسی اور بیگانگی پر آنسو بہائیں۔ اب سنئے! ٹھیک اسی دن جب کہ مذکورہ (معمولی) نمبر کی کتابت ختم ہوئی۔ میلاد نمبر کے سلسلے میں بلدہ اور اضلاع سے اکثر مضامین ملے اور ادھر میسیوں بہنوں کا اصرار رہا کہ "چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو مگر "میلاد نمبر" ضرور نکلے" ایک بہن نے یہاں تک لکھا ہے کہ ———

"........ اس خصوصیت کا سہرا صرف عزیز "سفینہ" ہی کے سر رہا کہ اس نے تمام ہندوستان کے نسوانی رسائل کی موجودگی میں، سب سے پہلے بعد شان "محرم نمبر" نکال کر "شہید اعظم" اور دیگر رفقاء کی بے بسی پر اپنے آنسوؤں کی حقیر چادر چڑھایا........ میں یہ ہرگز گوارا نہ کرونگی کہ آپ "میلاد نمبر" کا خیال چھوڑ دیں، دیر ہو تو پروا نہیں۔ مگر ضرور "عید الاعیاد" نمبر نکالئے، تاکہ اس دوسری خصوصیت کا فخر بھی صرف "سفینہ" کو حاصل رہے۔ آپ اگر "میلاد نمبر" نکال دیں گی تو دور حاضرہ کے سارے نسوانی جرائد میں پیارا "سفینہ" محض اس کے مذہبی لگاؤ کی وجہ ایک امتیازی شان حاصل کریگا......"

بہرحال اس اصرار اور خود میری دلی خواہش نے مجھے مجبور کیا کہ تیار شدہ کاپیوں کو رکھ چھوڑوں اور "میلاد نمبر" نکالوں جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ تو میں نہیں کہتی کہ یہ ہر طرح کامیاب رہا۔ جس پرچے کی تیاری کے لئے مجھے صرف پندرہ دن ملے ہوں بھلا وہ کیا کامیاب ہوسکتا ہے؟ ہاں! اپنی عزیز بہنوں کے حکم کی تعمیل تو ایک حد تک ہوگئی ——— خدا میری کوشش مشکور کرے۔ آمین۔

"محرم نمبر" میں جس مقابلہ کا ذکر تھا، کچھ اس کی بھی سن لیجئے! مقابلہ کی تاریخ ۵ رجولائی اور مضامین ملتے ہیں ۱۰ راگسٹ تک، اور وہ بھی اس اصرار کے ساتھ کہ انہیں ضرور "میلاد نمبر" میں شریک کیجئے۔ آخر میں نے اپنی ان بہنوں سے مشورہ لیا جن کے نام اس سے پہلے لکھے گئے تھے، سب کی یہی رائے رہی کہ "جس قدر مضامین وصول ہوئے ہیں، انہیں شائع کر دیجئے۔ اور میں نے بھی یہی کیا ہے۔ (باقی مضمون برصفحہ ۱۰۲ ملاحظہ ہو)

پیغمبرِ عالم

(از محترمہ بشیر بیگم صاحبہ (مسز محمد عبدالسلام ام۔ اے ال ال بی علیگ)

رسولِ خدا کی مقدس آب زندگی پر سینکڑوں قابل مصنفین نے اپنی بیش بہا اور غیر فانی تصانیف لکھ چھوڑی ہیں۔ جن کے مطالعے کے بعد مجھ جیسی ناخواندہ کا مضمون بھر ایسی عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی پر یقیناً ایک قسم کی جسارت ہے۔ لیکن خلوص اور وفورِ شوق نے مجھے ذیل کی چند سطور ہدیۂ ناظرین کرنے پر مجبور کیا۔ ممکن ہے کہ میرا مضمون معزز بہنوں کے لئے سبق آموز ہو اور وہ رسالت مآب کی نیک زندگی سے ایک قیمتی سبق حاصل کریں ـــ جس کو وہ تقریباً بھولتی جا رہی ہیں!

آج میں ایک ایسی برگزیدہ ہستی کا ذکر کر رہی ہوں جس کے اظہار سے قلم میں لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلعم دوشنبہ ۲۲ اپریل ۵۷۰ء کو مکہ معظمہ میں حضرت بی بی آمنہؓ کے بطنِ مبارک سے تولد ہوئے اور ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو منصبِ نبوت سے مشرف ہوئے۔ چالیس سال تک آپ ایک ہمدرد انسان۔ محبِ وطن اور راست گو تھے۔

زمانۂ نبوت تک گمراہی اور جہالت کی ہوائیں عرب کے باشندوں میں سرایت کر چکی تھیں۔ ان کا کوئی فعلِ بد ایسا نہ تھا جس کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اونٹوں اور بھیڑوں کی گلہ بانی گرسنگی اور افلاس۔ رنج و مشقت۔ جاہلا پن۔ وحشت۔ فسق و فجور۔ ان سب باتوں میں گرفتار تھے۔ شراب پیتے تھے۔ حرام کھاتے تھے۔ اپنے خون سے سینچی ہوئی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ سفاکی اور رہزنی ان کا پیشہ تھا۔ ذرا سی بات پر تلوار سونت لینا ان کا کام تھا۔ غرض وہ درندوں سے بھی بدتر تھے اور حقیقت میں وہ گناہوں سے مرکب تھے۔ عین اس حالت میں جب کہ ان کی گمراہی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے مقدس نبی کو اس سرزمین میں پیدا کیا اور توحید جیسی سچی اور مقدس کتاب دے کر بھیجا۔

اپنے نبوت کے بعد توحید کی کھلی آیتوں کے ساتھ خدا اور اپنی رسالت کو پیش کیا۔ اُن کو خدا کی طرف اور دین مبین کی طرف دعوت دی ایسے جاہل اور وحشیوں میں جن کا شیوہ بت پرستی تھا۔ دین اسلام کی تلقین ایک آسان کام تھا۔ لیکن آپ اپنے کام میں کامیاب رہے۔ آپ کی کامیابی میں تین باتیں معاون رہیں۔ پہلی دین حق کی سچائی، دوسرے خدا کی اعانت، تیسرے آپ کی راست گوئی تھی۔

میں اپنے بہنوں کو بتلاؤں گی کہ دین اسلام پھیلانے میں راست گوئی نے کتنا کام کیا۔ یہ بات تو ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرت صلعم بچپنا سے ہی عرب میں راست گو مشہور تھے۔ آپ کی امانت و دیانت کے قصے عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ چنانچہ آپ کا لقب مبارک "امین" ہو گیا تھا۔ ہر کوئی آپ سے محبت کرتا تھا اور آپ اس کے دل میں گھر کر لیتے تھے۔ چونکہ آپ ایک ہمدرد انسان تھے۔ لہٰذا ہر کس و ناکس کے ساتھ آپ کی ہمدردی سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی۔

خطۂ عرب کا ہر فرد آپ پر بھروسہ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی معاملہ میں آپ کی گواہی سارے عرب کی گواہی پر فوقیت رکھتی تھی۔ نبوت کے بعد آپ نے سارے عرب کو اسلام کی دعوت دی۔ ابتداً آپ نے ایک تقریر کی جس میں آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا "اے باشندگانِ عرب کیا تم سے کوئی میری باتوں کو جھوٹ تو نہیں سمجھتا"؟ سبھوں نے یکبار چلا کر کہا "ہرگز نہیں" پھر آپ نے فرمایا۔ "جو کچھ کہ میں کہوں گا۔ کیا تم اس پر یقین کرو گے"؟ سبھوں نے کہا "بیشک" تب آپ نے دینِ اسلام کی تلقین شروع کی اور پھر آپ نے خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کے متعلق کہنا شروع کیا۔ سارے کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ آپ کی حق گوئی پر سخت برافروختہ ہوئے۔ انہوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور آپ کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینا شروع کیں۔ لیکن وہ دل میں ضرور قائل تھے کہ ایک راست گو کبھی راست گوئی سے ہٹ نہیں سکتا۔ انہیں یقین کامل تھا کہ حضرت محمد صلعم کے زبان سے ایک لفظ بھی کذب کا نہیں نکل سکتا۔ پھر رفتہ رفتہ آپ کی تعلیم کی ضیا پاش کرنوں نے اُن کے سیاہ اور گناہ سے بھرے ہوئے دلوں میں اُجالا کر دیا۔ آپ کا ایک بڑا وصف حق گوئی تھا۔ جو آپ کی کامیابی میں معاون رہا۔

اب میں اختصار سے کام لوں گی۔ کیونکہ حضرت کے کارنامے آپ کی ثابت قدمی اُولوالعزمی

آپ کے خصائل اور پھر آپ کو دین اسلام پھیلاتے ہوئے جن جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ان کی تشریح کی جائے تو بلا مبالغہ کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے و نیز کوئی نئی باتیں نہیں ہیں۔ جس کو تقریباً سبھی جانتے ہیں۔ اب میں صرف آپ کے خصائل حمیدہ لکھنے پر اکتفا کرتی ہوں جو یقیناً بیش بہا جواہر سے بھی بڑھ کر ہیں۔

حضرت رسول خدا صلعم کا مقام رفعت بہت بلند ہے۔ اس ذاتِ عظیم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز رہے۔ آپ نے کہہ دیا سب آدمی ہم رتبہ ہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں۔ آپ نے قبول نہیں کیا کہ انسان کی دو قسمیں ہوں عظیم اور غیر عظیم آپ کی نظر میں خوش حال اور بدحال فقرا اور بادشاہ سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔ حضرت رسول اکرم صلعم نے انسانی ساخت کی عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی۔ اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند فرمایا۔ حالانکہ یہ آپ کے اختیار میں تھا۔

یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ آپ کے قدموں پر لوٹی۔ مگر آپ نے اس سے منھ پھیر لیا۔ اور اس سے ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا تھا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں یا بادشاہت کے ساتھ نبوت زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر آپ نے عبدیت پسند کی۔ غربت اختیار کی۔ آپ کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اس میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں۔ فقیری میں دنیا سے جائیں۔ فقیروں کے زمرے میں اُٹھائے جائیں۔

جو لوگ بادشاہت اور اُس کی عظمت کے پجاری ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت رسولِ اکرم صلعم نہ تو بادشاہ تھے اور نہ بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لامحالہ آپ کو بادشاہ قرار دیا جائے تو آپ کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ یعنی جزیرۃ العرب!

جو لوگ مال و جاہ دنیوی عظمت کے آگے سرنگوں ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت مال و دولت سے تہیدست تھے۔ آپ کی دولتوں کا خزانہ فقر و فاقہ تھا!

حضرت خاتی عظمتیں رکھنے والے نہیں تھے۔ تاریخ لکھنے والوں کو آپ کی عظمت۔ ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہیئے۔ اگرچہ دنیا ان مظاہر پر مرمٹی ہے۔ حضرتؐ کی عظمت صرف ایک ہی کلمہ میں مل سکتی ہے۔ آپؐ کی عظمت صرف دس بارہ حرفوں میں ہے۔ وہ کیا ہے۔ کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت۔ ان میں سے کوئی عظمت بھی اس عظمت کو نہیں پہونچ سکتی۔ بلکہ یہ تمام عظمتیں مل کر بھی اس عظمت کو نہیں پہونچ سکتی۔ جو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ میں ہے۔ اس عظمت کے آگے تمام عظمتیں اور شوکتیں ہیچ ہیں۔

حضرت محمد صلعم اس دنیا میں آئے۔ اور اس کلمہ کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اس کی قدر نہ کر سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا۔ لیکن وہ ایک ہی کلمہ دنیا سے ٹکرایا۔ اس میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ اُس وقت کے انسانی آداب اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ لہذا آداب و عادات کے پرستار اس سے لڑنے کھڑے ہو گئے۔ اوہام اور خرافات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہذا اوہام و خرافات کے پجاری اُس سے دست و گریباں ہوئے۔ ظلم و استبداد کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی۔ لہذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اس پر دوڑ پڑے۔ صرف یہی ایک کلمہ تھا جس پر حضرت محمد صلعم نے جنگ کی تھی۔ اس کی قوت سے بادشاہوں کے، دولت مندوں کے، عوام و خواص کے، اور تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی۔ حضرت محمد صلعم دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور ــــ اپنی ناممکن التسخیر قوتِ قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا۔ وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی گامزن ہے اب بھی مستعد مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ جس میں آج تک شکست نہیں ہوئی۔ جسم و آلات کی جنگ نہیں، حقیقت و معنی کی جنگ۔ خون کی آرزو مند جنگ نہیں۔ زندگی کی کارفرما جنگ۔

اب بحث یہ ہے کہ کلمۂ توحید یا تو حق ہوگا یا باطل۔ اگر وہ باطل ہے۔ حالانکہ نہیں ہے۔)

تو وہ عالم وجود سے اس طرح باطل ہو جائے گا۔ جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریئے محو ہو گئے۔ علم حق اور عقلِ صادق کی روشنی میں اس طرح غائب ہو جائے گا۔ جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمتِ شب کافور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے۔ (حالانکہ وہ حق ہے) تو علم و عقل حق کے انوار اس کے لئے اس دنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کرلے۔ تمام دلوں میں اتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، اُمرا، فقرا، سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں! حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کرسکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانے سے ہوسکتا ہے۔ نہ پیشوایانِ دین کے خودساختہ دعوؤں اور مرعوب کن دلیلوں سے، نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں اور مقدس جمود و تقلید کی راسخ الاعتقادیاں۔ یہ تمام چیزیں کہر کے تودے سے زیادہ نہیں ہیں جو علم حق کے نور کے دمکتے ہی فنا ہو جائے گا۔ علمِ حق کا ہیبت نعرہ بلند ہوتے ہی سکونِ موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس وقت عقل و صادق کا سلطانِ عظیم۔ نورانی تاج سر پر رکھے حریت کے پرچم اڑاتا۔ جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا اور جہل و ظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ جب صرف علمِ حق ہی کی سلطنت ہوگی۔ جاہلوں کی جہالت متعصبوں کا تعصب۔ وہم پرستوں کے اوہام مدعیان باطل کے دعوے نیست و نابود ہو جائیں گے اور یہ کلمہ گونجتا رہے گا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

فقیر شاہنشاہ

(انہا)

مولانا عبدالرزاق صاحب بسمل

جب کہ دنیا میں ہوا ذاتِ مقدس کا ظہور — ہو گئی زیر و زبر شاہوں کی شان آرائی

تھے غلاموں کے بھی دل ایسے غنی اور قانع — گنجِ کسریٰ پہ بھی نیت نہ کبھی للچائی

وقفِ کونین کی دولت تھی وہ حاصل تھا وقار — پانوں پہ لوٹنے شاہی تھی عرب کی آئی

باوجود ایسے حشم اور خدم کے پیمبر بھی — زندگی آپ نے کس درجہ تھی سادہ پائی

حال یہ تھا کہ تمام عمر کبھی دونوں وقت — نہ غذا ہو کے شکم سیر کبھی تھی کھائی

حجرۂ فقر میں ایسے بھی کٹے دو دو دن — نہ خور و نوش کے تیاری کی نوبت آئی

یوں بھی ہوتا تھا کہ مہمان کے آجانے سے — مطبخِ سرد میں دی آگ کبھی دکھلائی

"عائشہ" کہتی ہیں وہ دن تو مجھے یاد نہیں — کہ غذا صبح و مسا پوری میسر آئی

ایک "ہم" ہیں کہ نہیں حرص سے خالی کبھی دل

ایک "وہ" ذات تھی جو فقر میں لذت پائی

———(—)———

اسلام کی دنیوی برکتیں

(۱)

محترمہ "ن" بیگم صاحبہ نفیس

آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں ہر طرف شرک و کفر کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ یونان کا چراغ حکمت گل ہو چکا تھا۔ افلاطون و ارسطو کی درسگاہیں جہاں الہامات کے سبق دئے جاتے تھے وہاں جہالت کا کامل دخل تھا۔ دنیا خدا شناسی سے بالکل معدوم تھی۔ تہذیب و شائستگی کا نام و نشان نہ تھا۔ مرد عموماً لہو و لعب میں مشغول تھے۔ عورتوں کی کوئی ہستی نہ تھی۔ کثرت نسل کو برا سمجھتے تھے۔ اور عام طور پر یہ بات یونانیوں کے دلنشین تھی کہ ایک سے زیادہ اولاد کا ہونا بہتر نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک سے زیادہ لڑکے ہوتے تو قرعہ ڈال کر جس کا نام نکلتا اُسے کوہ ایلپس کی چوٹی پر لے جاکر دھکیل دیتے تھے یونانی غیر ملکیوں کو وحشی کہتے تھے۔ لونڈیوں اور بے تعداد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا۔ عورتیں نیلام ہوتی تھیں اور یہ تو عام رواج تھا کہ کمزور لڑکے قتل کر دئے جاتے تھے۔ ایک انسان دوسرے انسان پر وہ جور و ستم ڈھاتا تھا کہ الاماں۔ درندوں کی سی حالت تھی۔ جس طرح کہ ایک طاقتور جانور دوسرے کمزور جانور کو نہایت بیرحمی سے چیر پھاڑ کر پیٹ بھر لیتا ہے۔ وہی حالت اُس وقت انسان کی تھی۔ جس ملک پر نظر ڈالئے وہاں بہیمیت اور بربریت کا دور دورہ تھا۔ دنیا کی تاریخیں خود اس کی شاہد ہیں۔ روم کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہزاروں انسان ہیں کہ خود اپنے ہمجنس کے ہاتھ گرفتار ہیں۔ کہیں اُن پر بیدردی سے زدوکوب کیا جارہا ہے کہیں اُن کا گوشت تراش لیا جاتا ہے کہیں اُن کو تماشا گاہ میں شیروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ایک انسان کو ایک شیر پھاڑ ڈالتا ہے دوسرے انسان کھیل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

عرب کا کیا پوچھنا ہے۔ یہاں تو بہیمیت کی انتہا ہو چکی تھی۔ اگر ساری دنیا اِن قبیح اوصاف میں کامل تھی تو عرب اس میں اکمل تھا۔ ہر طرح کی بد اخلاقیاں مثلاً قمار بازی۔ خونریزی۔ قزاقی۔ رہزنی۔ شراب خواری زناکاری اور دختر کشی ارکانِ مذہب سے تھے۔ جنگ و جدال اُن کا شیوہ تھا۔ جہالت کی تاریک گھٹا ملک پر چھائی ہوئی تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر ہزاروں بندگانِ خدا کے خون سے دریا بہا دیا جاتا تھا۔ خاندانی شان و شوکت و قومی شرافت ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔ اس مطلب کے لئے خاص میلے ہوا کرتے تھے جہاں بڑے بڑے خاندانوں کی طرف سے قصیدے پڑھے جاتے جس میں اپنی برتری کا نہایت تزک واحتشام سے تذکرہ کیا جاتا تھا۔ یہ حالت صرف عرب ہی کی نہ تھی بلکہ تمام دنیا پر بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جو ممالک کسی زمانے میں تہذیب و تمدن کا منبع اور مرکز تھے وہ برائیوں اور بد اخلاقیوں کا گھر بنے ہوئے تھے۔

ایران میں عام طور پر آتش پرستی کا رواج تھا۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی۔ دو خدا اہرمن اور یزداں معبود مانے جاتے تھے۔ قمار بازی۔ شراب خوری اور زناکاری عام تھی۔

رومی ہمیشہ بحرِ روم کے چاروں طرف کی قوموں سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ بت پرستی رائج تھی۔ یہ عیاش بدکردار عیش و عشرت کے دلدادہ اور فسق و فجور کے شیدا تھے۔ بتوں پر قربانی کی جاتی تھی۔ انسان بھینٹ چڑھتا تھا عورتیں اور مرد غلام بنائے جاتے۔ عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ شوہر کی بے شمار بیویاں ہوتی تھیں۔

مصر میں جہل مرکب کا دور تھا جس غیر ذی روح کو اہلِ ملک کے لئے مفید و نفع رساں سمجھتے اس کیلئے قربانی کرتے اور بھینٹ چڑھاتے تھے۔ دریائے نیل کو ہر سال ایک نوجوان اور حسین لڑکی نذر دیا کرتے۔ علم حکمت کے پڑھنے والوں کو سزائے موت دے جاتی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ رہبانیت اختیار کرکے دربدر عورتوں کی عصمت دری کرنا بزرگی اور دانشمندی کی علامت تھی۔

ہندوستان میں آریوں کے ظلم و تشدد کے زمانے میں قدیم باشندے گونڈ۔ بھیل وغیرہ علقہ گوشی اختیار کر چکے تھے جن کو "شودر" کا خطاب عطا ہوا تھا ان کے (۲۳) کروڑ دیوتا تھے۔

جن کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ بتوں پر حیوان تو حیوان انسان کی قربانی کی جاتی تھی۔ قمار بازی میں عورتیں تک ہاری جیتی جاتی تھیں۔ جب بہیمت کا دور دورہ شروع ہوا تو اُس نے مذہب کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ بدھ مذہب خارج ہو رہا تھا۔ مورتی پوجا کو ذریعہ نجات تصور کیا جاتا تھا۔ سندھ کے بعض راجا اپنی حقیقی بہنوں سے شادی کر لیتے تھے۔ غرضکہ تمدن و اخلاق علم اور تہذیب و حیا اپنی بربادی پر خون کے آنسو بہا رہی تھی۔

کسی کو کیا خبر تھی کہ سرزمینِ عرب کے وہ ذرّے جو حیوانیت کے پاؤں تلے روندے جا رہے تھے وہ ایک دن فلکِ عظمت کے روشن تارے بن کر چمکیں گے اور گمراہوں کی رہنمائی کا باعث ہوں گے۔ اگرچہ کہ سارے کا سارا عرب اور اُس کے کروڑوں باشندے دنیا کی نظروں میں بالکل حقیقت پیچ تھے لیکن جس وقت خاورِ اسلام کی صبح صادق کوہِ فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوئی اور اُس کا خوبصورت چہرہ اُفقِ یثرب سے طلوع ہوا۔ یعنے جب واحدِ مطلق نے ہمارے رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تو ایک نہایت مختصر سی میعاد میں ضوتاباں کرنوں سے عرب کا ذرہ ذرہ منور ہو گیا۔

آنحضرت صلعم نے صرف قبائلِ عرب ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو یکسوئی اور اتحاد کی تعلیم دی۔ دس بارہ سال کے اندر تمام قبائلِ عرب کے سر علمِ نبوت کے آگے جھکے ہوئے تھے۔ اسلام نے اس وحشی قوم کو قلیل عرصہ میں ایک پارسا قوم بنا دیا۔ دشمن بھائی بھائی تھے۔ چوری تھی نہ قزاقی بلکہ ایک دوسرے پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار تھا۔ تعلیمِ اسلام نے اس قوم کو قمار بازی۔ زناکاری اولادکشی اور کثیر الازدواجی سے پناہ دی۔

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے والے اصحاب اس بات سے ناواقف نہ ہوں گے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو اہلِ عرب کی منافرت و مخاصمت کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ اُس کا بڑا سبب نسبی فخر تھا۔ ایک معمولی شتربان بھی اپنی شرافت نسبی کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کی حکومت کو ذلیل و خوار سمجھتا تھا۔ اس زمانے میں صرف عرب ہی کی یہ حالت نہ تھی۔ بلکہ شرق سے غرب تک تمام ممالک

اس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور ہر طرف قومی اور نسلی شرافت پر فخر و ناز کے نعرے بلند ہوتے تھے ۔ یہی چیزیں تھیں جنہوں نے انہیں کبھی اُبھرنے نہ دیا ۔ لیکن جب اسلام نے ان کو رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کا سبق پڑھا کر باہم شیر و شکر کر دیا تو انہوں نے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی رسی کو مضبوط پکڑا ۔ آپس تائید الٰہی شامل حال ہوئی ۔ جس کی برکت سے وہ سارے عالم پر چھا گئے اور ہر جگہ اُن کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا ۔ عرب کی وادیوں میں جس دین نے توحید کے ڈنکے بلند کئے تھے وہ وہی تھا جس نے ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب شاہ و گدا غلام و آقا سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی تعلیم دی اور بتا دیا کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو ۔ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسلام نے قومی غرور اور نسبی فخر کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ "اے لوگو انسان ہونے میں تم سب یکساں ہو تم کو اپنی حقیقت پر غور کرنا چاہئیے ۔ ہم نے تم کو ایک ہی نر و مادہ یعنی آدم و حوا (علیہ السّلام) سے پیدا کیا ۔ اس لئے تم سب نسبِ حقیقی میں یکساں ہو اور کسی کو کسی پر فخر و تفاخر کا حق حاصل نہیں" ۔ ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

یہی وہ دنیا کا تنہا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کی حمایت میں آواز بلند کی اور دفعتہ اُن تمام مظالم کا خاتمہ کر دیا جو ابتدائے تمدن سے ان پر ہو رہے تھے ۔ دنیا کے اکثر مذاہب نے عورت کو صرف اس نگاہ سے دیکھا کہ وہ مرد کی غلام ہے اور اس کو انسانی تہذیب و معاشرت سے کسی قسم کا تعلق نہیں لیکن اسلام کے نزدیک مرد و عورت سب برابر ہیں ۔ اس بنا پر مرد و عورت کی تفریق جو ہر مذہب میں چلی آتی تھی اسلام نے یہ کہہ کر مٹا دیا ۔

لَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ یعنی عورتوں کے مردوں پر جو حقوق ہیں اسی قسم کے حقوق اُن کے مردوں پر ہیں ۔ عرب میں اسلام سے قبل لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے اس شرمناک رسم کو اسلام نے یہ کہہ کر مٹا دیا ۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۔ یعنی جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال ہوگا وہ

کس جرم میں قتل (دفن) کی گئی۔ عرب کی جاہلیت میں یہ عام دستور تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اُس کے بھائی زبردستی اُس کی بیوہ سے عقد کر لیتے یا اُس کو نکاح سے باز رکھتے اور جب اُس سے کچھ حاصل کر لیتے تو نکاح کی اجازت دیتے اسلام نے اس کا بھی دفعتہً خاتمہ کر دیا چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْھًا وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ ۃ

(یعنی) تم کو یہ جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کو وراثت میں لے لو اور نہ یہ کہ اُن کو روکے رہو تاکہ جو کچھ اُنکو مل چکا ہے اُس میں سے کچھ لے لو۔

رسم میں عورتوں کو جائداد میں کچھ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ جو کچھ پیدا کرتیں شوہر کی ملکیت ہوتی۔ اسلام نے اس جابرانہ رسم کا بھی ان الفاظ میں خاتمہ کر دیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ۃ (یعنی) مرد جو کمائے ان کا ہے۔ اور عورت جو کمائے اُن کا ہے۔ الغرض اسلام نے توحید الٰہی اور وحدتِ قومی کو اپنی عمارت کی بنیاد قرار دیا۔ اور عین اس تاریکی کے زمانۂ تموج میں صدائے اسلام عرب کے گوشہ گوشہ سے گونجنے لگی۔ داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے سیدھے سادھے دین کی تعلیم دی۔ جو دیگر مذاہب کی رہبانیت اور پیچیدگیوں سے بالکل پاک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چشم زدن میں عقائد اور خیالات اور اصول تمدنی میں ایسا حیرت انگیز تغیر پیدا کیا کہ سارے کا سارا عرب اپنی مذہبی نوجی اور ہر قسم کی دائمی رقابتوں کو بھول کر اسلام کے نورانی تاروں یعنی توحید الٰہی اور وحدتِ قومی میں منسلک کر دیا۔ ذات پات کی قید اور قبائل کے منافرانہ جذبات کو فنا کے گھاٹ اُتارتے ہوئے اُن کو شیر و شکر کر دیا۔ اور بتایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ فرما کر سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے کسی شئے کو فخر و امتیاز نہیں بخشا۔ بہرحال اسلام نے مکمل تمدن کی بنیاد ڈالی جس کو آج تک متمدن سے متمدن دنیا نہایت احترام سے "اسلامی تمدن" جیسے پرمعنی اور ستائش خیز فقرے سے تعبیر کرتی ہے۔

فریادِ امت

والیِ امت کی بارگاہِ اقدس میں

(از محترمہ نگینہ صاحبہ قیامی (موہن آباد))

ستائی جا رہی ہے آپ کی امت ذرا دیکھو
رسولِ کبریا خیر الامم یا مصطفیٰ دیکھو

کہاں وہ دن کہ ہر سو پرچمِ اسلام اڑتا تھا
پڑے ہیں ہائے کیسے آج ہم بے آسرا دیکھو

بجز ہم آپ کے حالِ زبوں کس کو سنائیں گے
پریشاں حال ہے امت محمد مصطفیٰ دیکھو

گلستانِ جہاں میں ہم کبھی گل ہائے خنداں تھے
پر اب مرجھا گئے او باغبانِ دوسرا دیکھو

بپا ہے شورشِ ظلم و ستم ہر قلبِ مسلم میں
ہوئی جاتی ہے سب کی خرمنِ ہستی فنا دیکھو

اسیرِ پنجۂ حرص و ہوا سارے مسلماں ہیں
نہیں ہے اتحادِ باہمی خیر الوریٰ دیکھو

صدائے الاماں ہر سینۂ سوزاں سے اٹھتی ہے
بسانِ شمع ہر دل رو رہا ہے مصطفیٰ دیکھو

نشانِ امتِ احمد مٹانا کچھ نہیں آساں
مٹیں گے خود مٹانے کی ہوس میں پُر دغا دیکھو

ملا سکتے نہ تھے نظریں جو خدامِ محمد سے
وہ آج آنکھیں دکھاتے ہیں اے شانِ خدا دیکھو

کمالِ اوج وجہِ قعرِ پستی ہے یقیں جانو
ہلالِ نو بنا کامل مگر پھر کیا ہوا دیکھو

نگینہ کو عطا چشمِ بصیرت ہو مرے آقا
گناہوں سے پریشاں حال ہے یا مصطفیٰ دیکھو

———— (۰) ————

پیارے مدنی آقا!

(اہما)

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (عثمانیہ)

دنیا کو اُجاگر کرنے والے دیوتا! اِس اندھیری دنیا کو وہ وقت یاد رہے گا۔ جب کہ تیری موہنی صورت نے آسماں کو روشن کردیا اور چندر کی روشنی کو شرما دیا تھا۔ پیارے آقا! دنیا بھاگوان تھی کہ تیری آمد نے اس کی فضا میں چاندنی سے بڑھ کر نور پیدا کر دیا۔

پرماتما نے اس سنسار میں چاند سورج۔ ستارے۔ گل۔ بوٹے پیدا کئے۔ مگر تیری موہنی صورت بنا کر اپنی قدرت کو چمکا دیا۔

پیارے! تیری صورت دیکھنے والے تو خوش نصیب تھے مگر تیرا تصور بھی پریم کی بانسری کا سا کام دیتا ہے۔

پریم کے دیوتا! مکہ کی پہاڑیوں پر تو نے وہ راگ الاپا کہ سارا سنسار جو سوتا پڑا تھا جاگ اُٹھا اور آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔

او وحدت کے پجاری! دنیا ایشور کو بھول چکی تھی۔ مورتی پوجا عرب دیس کی جان تھی۔ مگر تیری ایک اُنگلی کے اشارے نے سب کے آنکھوں کو آسمانوں کی طرف اٹھا دیا تاکہ اس ذاتِ یکتا کو ڈھونڈیں جس نے زمینوں۔ آسمانوں کو پیدا کیا۔

اُدھر اِیں شانتی کو ڈھونڈھنے والے مہاراج! شانتی تیرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ تو نے دنیا کے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو اللہ اکبر کے نعروں میں شانتی کا سبق پڑھایا۔

اور شانتی کا دور دورہ ہو گیا۔

یثرب میں چمکنے والے چاند! تیری روشنی نے نہ صرف یثرب کی زمین میں چاندنی پھیلائی بلکہ پردیس بھی چمک اٹھے۔ وہ چاندنی ایسی مستقل ٹھیری کہ اب تک اندھیرا نہ ہونے پایا۔ تیرا وجود آسمانوں کے چاند سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ تیرے ہی لئے یثرب کی گوپیوں نے یہ پریم کا راگ گایا تھا کہ

"طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا"

اے سبز گنبد میں آرام کرنے والے آقا! اب تیرے داس اور داسیاں تیرے پرچار کو بھولنے کو ہیں۔ توجہ کر۔ اُن کی ناؤ منجدھار میں ہے سنبھال۔ تیری ذرا سی توجہ ان کے ڈوبنے والے بیڑے کو ضرور پار کر دے گی۔

محمدؐ نام کے سردار! تو ہی اسلام کی فوج کا سردار ہے۔ کامیابی اور سرخروئی تیرے ہی ذریعہ میسر آنے والی ہے۔

سچی عبادت

(از مولانا سید تمکین کاظمی صاحب)

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں — قسم اللہ کی وہ تو کھلے بندوں تجارت ہے

جو زاہد کرتے ہیں سجدے ہزاروں خوف دوزخ سے — میں سچ کہتا ہوں وہ تو نارِ دوزخ ہی کی قیمت ہے

خدا کے شکر میں بندہ جھکاتا ہے جو سر اپنا

عبادت اس کو کہتے ہیں اسی کا نام طاعت ہے

کملی والے داتا!

(انہا)

(تحریمتی کملا دیوی صاحبہ از بمبئی)

من موہن سندر روپ شری بھگوان! میں آپ کی داسی کملا آپ کی سیوا میں نویدن کرتی ہوں کہ میرے من کی چنتا کو اپنے پریم سے تسکین دیجئے۔

میں آپ کے پریم کی ابھلاشی اور آپ کے درشن کی متوالی ہوں۔ مہا سندر! میری آشا کو پورا کیجئے۔ میں آپ کے پوتر کاموں سے واقف اور آپ کی سچی داسی ہوں۔ میں نے آپ کی پریم سیوا کا حال کتابوں میں پڑھا ہے۔ میں بھول نہیں سکتی کہ آپ وہی ایشور روپ اوتار ہیں جنہوں نے جرا کی گھاٹی میں۔ امن اور شانتی کے ساتھ تپسیا کی اور ایشور کا سندیس آنے کے بعد سنسار کی اصلاح کی۔

اے عرب کے مہا پرش! آپ وہ ہیں جن کی سکشا سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا اور یہ آپ ہی کر پاتھی کہ عرب دیس کے ظالم ڈاکو اور راکشش اعلیٰ درجے کے مہنت سوامی اور دھرماتما بن گئے اور سودیدانت کو سمجھنے لگے۔ بےشک آپ نے دھرم کے سیوکوں میں وہ بات پیدا کر دی کہ ایک ہی سمے کے اندر وہ "جنرل کمانڈر" اور "چیف جسٹس" بھی تھے اور آتما کی سدھار کا کام بھی کرتے تھے۔

اے مہا سندر رشی! میں اس لئے آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچایا۔ اور اُس کے حقوق تسلیم کئے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اے سندر اوتار آج ہماری آبرو خطرے میں ہوتی اور ہم سنسار میں ذلت کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ آپ ہی نے ہماری لاج رکھ لی اور ہمارے کلیش کو دور کر دیا۔

اے کملی والے داتا! میرے من کو شانتی ہوتی ہے۔ جب میں اس بات پر غور کرتی ہوں کہ آپ نے اس دکھ بھری دنیا میں شانتی اور امن کا پرچار کیا اور امیر و غریب کو ایک سبھا میں جمع کیا۔

میں اس پریم بھگتی کو دیکھکر خوش ہوتی ہوں کہ جب آپ کے ماننے والے پرماتما کو یاد کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں کوئی دِشتا نہیں ہوتی۔ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

اے پریم رشی! میں تمہارے درشن کے لئے بیتاب ہوں میری آتما بے چین ہے۔ میرے کلیش کو دور کرو اور ربیع الاول شریف کی بارھویں رات میں اپنے رس بھرے نین مجھے دکھاؤ۔ بولو شری محمدؐ کی جے۔

(تذکرہ جمیل)

رباعی

(ا ز ہما)

(جناب محمد عبدالسلام صاحب ذکی دعثمانیہ)

جو نعت میں کامیاب ہو جاتا ہے — وہ ذرّے سے آفتاب ہو جاتا ہے
دربارِ رسالت سے صلہ پاکے ذکی — مداحِ فلک خباب ہو جاتا ہے

رباعی

اعجاز یہ اولیٰ سی کرامات ہوئی — اُمّی سے فصیحوں کو بڑی مات ہوئی
سر دُھنتے ہیں دشمن بھی تری باتوں پر — دل موہنے والی تری ہر بات ہوئی

رباعی

اخلاق کی توصیف میں قرآں آیا — تعظیم کو اللہ کا فرماں آیا
ہے طاعتِ کردگار اس کی طاعت — کس شان سے یہ اُمّی ذی شاں آیا

رباعی

اے سردرِ کائنات اے فخر بشر — اے صاحبِ سلسبیل و حوضِ کوثر
آیا ہے بُرا وقت تری اُمت پر — لے جلد خبر شافعِ روزِ محشر

سرورِ کونین

آہا

(مولانا سید علی اختر صاحب اختر)

وہ دیکھ! فضائے ہستی میں، انوار کا اک طوفاں اٹھا
وہ حسن کی بارش ہونے لگی، وہ ابرِ ضیا افشاں اٹھا

ساقی نے سجائے جام و سبو، بادل اُمڈے، کلیاں چٹکیں
اک شورِ صلائے عام سرِ صہبا کدۂ عرفاں اٹھا

شب ختم ہوئی، تارے ڈوبے، گردوں کے دریچے کھلنے لگے
پیغامِ طرب دینے کے لئے، پیکِ سحرِ خنداں اٹھا

تصویرِ حیاتِ فانی سے، باطل کی سیاہی دھونے کو
سامانِ طرازِ روح لئے، نقاشِ مہِ تاباں اٹھا

آئیں! وہ تلاشِ حسنِ ازل کا سوز ہے جن کے سینوں میں
اس بزم پہ جمع مضطر آیا، وہ تفتہ جگر شاداں اٹھا

بیدار ہے روحِ آسائش، اب بزمِ جہاں نورانی ہے
وہ دورِ شب آرا ختم ہوا، وہ صبر شکن ساماں اٹھا

ہر فتنہ گرِ محرومِ یقیں کا، خرمنِ ہستی جلنے لگا
اک برق سی چمکی پیشِ نظر، اک شعلہ سرِ داماں اٹھا

بکھرے ہیں گہرِ دل بہرِ بہا، ہے محوِ تحیر چرخِ بریں
پردہ تھا جو تیرے جلووں پر، اے انجمنِ امکاں اٹھا

مٹتی ہے دلوں کی بےچینی، پیغام طرب کے آتے ہیں!
چلتی ہے نسیمِ روح فزا، اب غنچے کھلتے جاتے ہیں!

اے دہر! مبارک ہو تجھ کو، فردوسِ طرب کی جلوہ گری
پھولوں کا تبسم، حسنِ فضا، نغموں کا تلاطم، رقصِ پری

چلتی ہے نسیمِ امن و اماں، آسودہ ہے ریگستانِ عرب
دم توڑ رہی ہے خود بینی، خاموش ہے نبضِ فتنہ گری

اقبالِ ظفرمندی نے اُلٹ دی، تہہ کر کے بساطِ ناکامی
احساس جوان سالی میں ہوا تبدیل، غمِ پیرانہ سری

تکمیلِ حقیقت نے بخشا غفلت کو شعورِ بیداری
تعمیرِ صداقت نے پایا، خطرات میں درسِ بےخطری

تذلیلِ غلامی نے پائی، توفیق کمالِ آزادی
گم کردہ رہی نے روشن کی قندیلِ مقامِ راہبری

تنظیمِ کرم ختم ہوئی، افکارِ جفا کی خوں ریزی تعلیمِ خرد میں صرف ہوئی، اربابِ جنوں کی جامہ دری

اے کون و مکاں کے رازِ شرف! اے بادشہِ دین و دنیا روشن ہے تری ذاتِ عالی سے، انجمنِ روحِ بشری
کافی ہے اِسے نسبت تجھ سے کچھ اور نہ ہو گر دنیا میں اے کاش! زمانہ کر سکتا، احساس، حجابِ کم نظری
رخشاں ہے تجلی سے تیری، تاریکئ زمیں کی پیشانی!
عنواں ہے تیری ہستی کا، تکمیلِ حیاتِ انسانی!

غزلِ نعتیہ

از

(محترمہ خاتون نازؔ صاحبہ)

مجھ پہ بھی لطف و کرم اے شہِ دوراں ہو جائے یا محمدؐ مری بخشش کا بھی ساماں ہو جائے
میں رہوں دشت میں کہسار میں گلشن میں یا ہر جگہ یاد تری درد کا درماں ہو جائے
خواب میں صورتِ احمدؐ جو مجھے آئے نظر جاگ اُٹھے بخت مرا عیش کا ساماں ہو جائے
یاد تیری دلِ مضطر سے نہ جائے اصلا جسم سے روح نہ جب تک کہ گریزاں ہو جائے
نعت میں نازؔ غزل ایسی مرصع کہنا
سن کے محفل ترے اشعار کو حیراں ہو جائے

بتکدۂ ویراں

(از محترمہ ج تقوی صاحبہ)

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنمکدہ ویراں کئے ہوئے

قاصد ——— "حضور سنیاسی نروتم آپ کے مندر میں آنے سے انکار کرتا ہے' وہ تو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا' لب سڑک معروفِ عبادت ہے ——— اس کو لوگوں نے گھیر لیا ہے جس طرح شمع کو پروانے ——— یا شہد کے چھتہ کو مکھیاں ——— اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے بھی مندر کو خیرباد کہدیا"!!

بادشاہ نروتم کے پاس گیا ——— اس سے سوال کرنے لگا ——— "کیوں تو نے ایسے مندر کو چھوڑ کر جس کا کلس آسمان سے باتیں کر رہا ہے' ایک درخت کے سایہ میں بیٹھکر عبادت میں معروف ہے؟ یہاں سڑک پر' جہاں سے خلقِ خدا گزرتی ہے' عبادت کے لئے تو گوشۂ عافیت درکار اور تنہائی و عزلت کی ضرورت ہے۔ تیرا منشا تو اس کے برعکس ہے"!

"اس مندر میں خدا نہیں ہے"! اس نے ایک مغرور و سرکش طریقہ سے جواب دیا!

"کیا کہا؟ اس مندر میں خدا نہیں ہے"؟ بادشاہ غیظ و غضب سے کانپنے لگا ——— "اے سنیاسی! کمبخت ——— تو تو ایک منافق کی سی باتیں کر رہا ہے ——— کیا تو نے اس مرصع مجسمہ کو نہیں دیکھا جو وہاں اس طلائی تخت پر نصب کر دیا گیا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ وہ تخت خالی؟ وہ مجسمہ بے جان ہے؟ کیا اس میں خدا نہیں ہے"؟

"نہیں ـــــ یہ تو میں نے نہیں کہا کہ وہ خالی ہے، بلکہ وہ تیرا مجسمہ ہے ۔ وہ تو بعینہ تیری صورت ہے! اس سے تو یہ عیاں ہی نہیں ہوتا کہ اس میں وہ بے نیازِ ہستی مضمر ہے! وہ بتکدہ تو صرف تجھ جیسے سرکش و خود پسند نفوس سے آباد معلوم ہوتا ہے!!"

بادشاہ غصہ سے لرزہ براندام ہو رہا تھا ـــــ اُف! غضب خدا کا ـــــ دو لاکھ کی گرانقدر رقم میں نے صرف کی صرف اس عمارت کی خاطر ـــــ اس کو اللہ اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے معنون کیا ـــــ تو کیا وہ سب بیکار ہوا؟ ضائع گیا؟ کیا یہی اس کا صلہ ہے؟"

سنیاسی ـــــ لاپروائی کے انداز سے ـــــ "جب اس شہر میں آگ لگی تھی ـــــ ہزاروں گھر بے خانماں ہو گئے تھے ۔ ہزاروں جانیں جاں بلب تھیں، متعدد فاقہ کش ہستیاں تیری چوکھٹ جبیں سائی کی غرض سے آئیں ـــــ لیکن آہ! ـــــ کیا بتاؤں؟ ـــــ کس بیدردی و کس بیرحمی سے انہیں دھتکار دیا گیا ـــــ نہ انہیں کہیں ٹھکانہ ملا ـــــ نہ اُن کے بھوک پیاس کا کوئی پرسان حال ہوا ـــــ اور پھر ـــــ تو نے لاکھوں روپیہ خرچ کر مندر بنایا ہے! ـــــ اینٹ، چونے، مٹی اور پتھر پر تیری رحمتوں کی بارشیں ہوں ـــــ اور خدا کی بنائی ہوئی جانیں یوں تلف کر دی جائیں ـــــ ان پر بجلیاں کوند کوند کر گرائی جائیں!! تیری رعایا فاقوں مرے، اور مندروں میں بے جان تودہ نما مرصع ہوں! خوب!! اللہ کے بندوں کے لئے تیری سرکار سے رحم و کرم مفقود ہو جائے ـــــ اور پرستانِ خدا ـــــ خدا تیرے مندر میں رونق افروز ہو ـــــ ارے خدا تو وہاں ہے جہاں وہ خانہ بدوش آباد ہیں، وہ وہاں ہے جہاں زیرِ آسمان جلتی ریت پر تیری دھتکاری ہوئی مخلوق اپنی جھاؤنی ڈالی ہے ـــــ جا اے بادشاہ تیرے بتکدہ کو خدا نے چھوڑ دیا ـــــ ہاں میرا پروردگار "اُن ٹوٹے ہوئے دلوں میں" اپنا گھر بنا لیا ہے! اس کو عمارتوں کی پرواہ نہیں ـــــ اس کا مسکن تو ایک "شکستہ دل" ہے! تیرا بت کدہ تو ایک کف کی طرح بے بنیاد ہے! ـــــ شیخی اور دولت کا ایک بلبلہ جو ابھرنے نہیں پاتا کہ ختم!!"

بادشاہ کی حالت غصہ و غضب سے اور متغیر ہو گئی ـــــ ایک رنگ آنے لگا ایک جانے لگا ـــــ

اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے! اس کا سینہ پھٹنے لگا ——! "اوہ —— تو سنیاسی نہیں ہے، تو یقینی ایک منافق انسان ہے، تیرے کاٹے کا منتر نہیں! تیرا ظاہر و باطن ناقابل عبور ہے! چل یہاں سے دور ہو —— میرے سامنے سے نکل جا —— میرا ملک چھوڑ دے، تیرے جیسی ناپکار ہستیاں میری سلطنت کی تباہی کا باعث ہیں، تیرا وجود سخت خوفناک ہے!!

سنیاسی نے کہا —"بہت خوب —— تجھے تیرا ملک مبارک! تو مجھے اپنی مملکت سے نکالکر اسی پر نازاں ہے - آہ —— کیسے کہوں —— میری زبان جل جائے —— تو تو وہ ہے جس نے اپنے خدا کو جلا وطن کر دیا!! مگر ــــــ

دیر نہیں - حرم نہیں - در نہیں - آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اُٹھائے کیوں؟

(ٹیگور)

نعت

——— از ———

(مولانا سید تمکین کاظمی صاحب)

نہ حوروں کی تمنا ہے نہ شوقِ قصرِ جنت ہے — مدینے میں رہوں تمکین فقط یہ دل میں حسرت ہے

مسلماں ہی نہیں وہ جس کو الفت ہو نہ حضرت سے — وہ کیا محشر میں دکھلائیگا منہ کیا اس کی صورت ہے

بہشت اک وادیٔ وحشت ہے نظروں میں مری زاہد — مدینے کی راہوں میں شہید ادنیٰ میری کرامت ہے

خیالِ روئے انور میں رہو سرشار اے تمکیں
عبادت اس کو کہتے ہیں اسی کا نام طاعت ہے

عرب بعثت رحمۃ العالمین سے پہلے

(از محترمہ الفت النساء بیگم صاحبہ صدیقی)

عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ اس کے مغربی حصہ میں بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کا شور تلاطم سنائی دیتا ہے جنوب میں ایک بحیرہ زخار لہریں مار رہا ہے جو اسی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مشرقی آغوش میں خلیج فارس کھیل رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایران وفارس اور مازندرانیوں کے علاقے موجود ہیں۔ شمالی حصے میں بحیرہ اسود کا شور تموج ہے۔ سلسلہ قاف اور ترکی و روسی علاقے بھی اسی سمت واقع ہیں۔ اگلے زمانے میں خاکنائے سوئز جس کو افریقہ سے پیوست کیا ہوا تھا۔ لیکن جہازوں کی آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے کے خیال سے فی زمانہ انگریزوں نے اس کو خاکنائے سے آبنائے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ہیں اس ارض مقدس کے حدود اربعہ جس کو عہد قدیم میں مشرقی دنیا کا وسط تصور کیا جاتا تھا۔ ذیل میں ہم اس علاقے کی جغرافی نکتہ نظر سے جو اہمیت ہے اس کو واضح کریں گے۔

عرب کی طبعی حالت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں معدودے چند علاقوں کے سوائے اکثر زمین سنگلاخ ہے۔ ساحلی علاقوں میں کسی قدر زرخیزی پائی جاتی ہے۔ وسط میں نجف اشرف، طائف و یثرب طیبہ کا کچھ حصہ، یمن اور فرات و دجلہ کے قرب و جوار کے علاقوں کے علاوہ باقی جتنے علاقے موجود ہیں وہ سب پتھریلی زمینوں سطح مرتفع اور پہاڑیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اس خطہ کا ایک بڑا حصہ ریگستان سے گھرا ہوا ہے جو صحرائے اعظم عرب کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقے میں کہیں کہیں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔ بجز اس کے ڈھونڈنے سے بھی کسی جگہ شاداب زمین نظر نہیں آتی۔ اسی وسطی حصہ عرب کا خاکہ مولانا حالی نے اپنی مشہور آفاق مسدس میں یوں کھینچا ہے۔

زمیں سنگلاخ ہوا آتش فشاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی

ہو لو کی لپٹ بادصرصر کے طوفاں
کھجوروں کے جھنڈ اور خار مغیلاں
عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

کسی ملک کے تاریخی واقعات پر نظر ڈالنے سے قبل وہاں کے جغرافی حالات پر بھی ایک نظر ڈالی جانی چاہئے۔ کیونکہ انہیں اثرات کے تحت اس خطۂ ارض میں تاریخی واقعات وقوع پذیر اور مرتب ہوتے ہیں۔ مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کا اکثر و بیشتر حصہ ریگستانی اور سنگلاخ ہے اس قسم کے علاقوں میں جو بنی نوع انسان بود و باش اختیار کئے ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے بقائے حیات کے لئے قدرتی طور پر بہت کم خورد و نوش کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنی قوت بسری کے لئے انہیں انتھک جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ رہزنی کرنا اطراف واکناف کے امن پسند باشندوں سے شمشیر زنی کرکے ان کے اندوختہ آذوقوں سے استفادہ حاصل کرنا اور رہزنی کا نہ حرکت کو اپنی ترقی کا واحد زینہ تصور کرنا جور و جفا کو جوہر مردانگی قرار دینا اس علاقے کے ساکنین کے حقیقی خصوصیات ہوتے ہیں۔ انہیں تاثرات کے تحت عرب کے بسنے والوں کے اقتصادی معاشرتی سیاسی اور مذہبی حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اس خطہ میں زیادہ تر حصہ ریگستانی ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے مویشیوں کے چارے اور اپنی خوراک کی تلاش میں نقل مقام کیا کرتے تھے فن زراعت سے یہ بالکل بے بہرہ تھے۔ محنت و جفاکشی انکی صفت اولی تھی۔ اُن کی فطرت زیادہ تر جنگ و جدال کے جانب مائل رہتی تھی۔ غیروں پر حملہ کرکے ان سے مال غنیمت حاصل کرنا تو اورثے ہے۔ جب اس قسم کی کوئی مہم درپیش نہ ہوتی تو بس آپس میں کشت و خون ہوا کرتا تھا۔ کسی کو تہ تیغ کرنا ان کے پاس ایک معمولی بات تھی۔ لیکن ان میں سے بعضوں میں کچھ صلاحیت بھی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ مختلف پیداوار خام سے بہترین پائیدار مصنوعات بناتے تھے۔ ان کی دستکاری کو دیکھکر متمدن اقوام بھی دنگ رہ جاتے اور اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تھے۔ اونٹ کے پشم سے بہترین اونی کپڑے اور شال دوشالے تیار کرتے تھے۔ جنہیں ممالک غیر کے باشندے گراں قیمت دیکر حاصل کرتے تھے۔ کھجوروں اور تخموں سے بھی اپنی صناعی ظاہر کرتے تھے۔ ان چیزوں سے بنائے ہوئے اشیا کا

آج کل کے شہروں سے بنے ہوئے مصنوعات کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے ۔

بعضوں نے عربوں کو وحشی بتلایا ہے لیکن معتبر تاریخی کتب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عرب نہایت ذکی اور ہشیار قوم سے ہیں۔ بعثت سے قبل کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو گا کہ اس زمانے میں وہ مشہور آفاق گوہر تھے۔ جن کو صحرائے اعظم کی ریت نے اپنے آغوش میں پنہاں رکھا ان کے خرمنِ ہستی کو بنی نوع ان کے مفاد میں صرف کرنے سے انھیں باز رکھا۔ اس تیرہ وتار خطہ نے انہیں صفحۂ ہستی پر کارِ نمایاں انجام دینے کے لئے مواقع مہیا نہیں کئے۔ ورنہ یہاں بھی بہت سے تیمور و چنگیز نکل آتے سیکڑوں کرامول اور نپولین کے سے حکمران تمام عالم پر اپنے اقتدار کا سکہ بٹھاتے کئی ایک روسو اپنے سیاسی فلسفہ سے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیتے ۔

نواحِ عرب کے اقوام کے اعترافات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اہلِ عرب نہ صرف جنگجوئی و بہادری میں یکتائے زمانہ ہیں بلکہ اگر قدرتی موانعات انہیں مجبور نہ کئے ہوتے تو ضرور دیگر معاشرت ہائے عالم میں یہ اعلیٰ ثابت ہوتے۔ بنی ہاشم جو اس زمانے میں سب سے زیادہ باوقعت قبیلہ تصور کیا جاتا تھا۔ اور جس کے معتقد اکو کلید کعبۃ اللہ کے حامل ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس قبیلہ کے بعض ارکین سے متعلق قدیم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نہایت ذہین و دور اندیش سنجیدہ و عزم و بالحزم والی ہستیاں تھیں۔ خود قبل اسلام کے تاریخوں میں ابوجہل و ابولہب کے متعلق جو مواد ملتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے کے بہترین سیاس اور عالی خیال ڈپلو میاٹ کی بھی ان کی باریک بینی و دقیقہ شناسی کی گرد تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ کرو فریب اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ زمانہ حال کے بڑے بڑے چالباز ان سے برسوں سبق لینے پر بھی بمشکل ان کے ہم پایہ بن سکتے۔

تمام وسطی عرب پر نظر غائر ڈال کر وہاں کے اقتصادی حالات کا خاکہ کھینچنے کے لئے ایک ضخیم دفتر کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے مقصد کے لئے صرف مکہ اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں کے اقتصادی حالات سپرد قلم کرتے ہیں تاکہ طلوعِ مہر تاباں اسلام سے قبل یہاں کی تاریکی کا نقشہ ناظرین کے ذہن نشین ہو جائے۔

مکہ معظمہ نہایت سنگلاخ خطۂ عرب میں واقع ہے۔ اس لحاظ سے یہاں غلہ اور دیگر اجناس کی پیداوار

بہت کم ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ صنعت وحرفت اور تجارت کے ذریعے اپنی معاش پیدا کرتے ہیں چونکہ عرب مشرقی کرۂ ارض کا وسط قرار دیا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے یہ سارے مشرق کا تجارتی مرکز مانا جاتا ہے۔ کیونکہ بری راستے سے جو تجارت جاری تھی۔ سب کو لامحالہ اسی علاقہ سے گزرنا پڑتا تھا۔ علاقہ شام عراق میں بڑی بڑی منڈیاں تھیں۔ اہلِ مکہ میں سے بعض تو عراق کی منڈیوں میں بھی شامی منڈیوں میں اپنے مصنوعات فروخت کرکے اور وہاں سے ضروری پیداوار نعام اور خورونوش کے سامان اپنے وطن میں لاتے تھے دشوار گزار راہیں ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے سامان کو ان منڈیوں سے لانے اور لیجانے میں بہت دقت واقع ہوتی تھی اس زمانے میں ذرائع نقل وحمل زمانہ حال کی طرح تیز رفتار نہیں تھے۔ گھوڑے اونٹ وغیرہ ذرائع حمل ونقل تھے۔ علاقہ عرب میں اونٹوں سے زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ غرض معاش کی حد تک جو نقص تھا ان اعلیٰ دماغوں نے اس کا انسداد تجارت وصنعت کے ذریعے کیا تھا۔ مہر درخشانِ رسالت اپنے تیز شعاع سے اس خطہ میں ضیاء پاشی کرنے سے قبل بھی یہی طریقہ عام طور پر رائج تھا۔ اس کی بہت سی مثالیں دور قدیمہ کے مکتوب اور دیگر تحریرات سے ملتی ہیں خود اسلامی کتب میں اس کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس زمانے کے مشہور آفاق ملک التجار صدیق اکبرؓ عثمان غنیؓ اور خدیجۃ الکبریٰؓ جن کا نام نامی نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں مشہور تھا بلکہ انتہائے مشرق چین وہند اور انتہائے مغرب اندلس اور انگلستان جیسے دور دراز مقاموں میں بھی ان کے نام کا نقارہ بج رہا تھا۔

عربوں کے سیاسی ادارات ۔ اگرچہ کہ عرب جنگجو قوم سے تھے اور اکثر ان میں خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھیں۔ پھر بھی اِن میں سیاسی ادارات موجود تھے۔ جن کو اپنے علاقوں کے تحفظ کے لئے انھوں نے قائم کیا تھا۔ عرب آپس میں گو جانی دشمن ہوتے تھے۔ لیکن ایک عام حریف کے مقابلہ میں یہ تمام جتھے اپنی انفرادی رقابت کو نظر انداز کرکے متفق ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی اس علاقہ کے مشرق کے جلیل القدر حکمران کسریٰ اور مغرب کے ذی حشم قیصر اعظم کو ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ تو اعد حرب سے یہ بخوبی واقف تھے اور غنیم کی بڑی سے بڑی فوج کو یہ ناک چنے چبوا دیتے تھے۔

قدیم تاریخی کتب میں ان کے رسم ورواج سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ باوجود یہ قواعد مفقود

ضبطِ تحریر میں نہیں لائے گئے تھے۔ پھر بھی ہر ایک فرد بدرجۂ اتم ان کی پابندی کیا کرتا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ میں دشمن تو دشمن اگر کسی شکاری کا شکار مثل ہرنی وغیرہ گھس آتے تو اس کو بھی شکار نہیں کیا جاتا تھا۔ جن مہینوں میں جنگ جدال موقوف رہنے کے قوانین جاری تھے اُن دنوں میں اگر کسی کو ایسا دشمن مل جاتا جس کے خون کا وہ پیاسا تھا اس کے خلاف انگلی تک نہیں اُٹھائی جاتی تھی۔

ان تمام امور کے علاوہ ہر قبیلہ کا سردار اس قبیلہ کی حد تک عامر مطلق ہوتا تھا۔ اس کا حکم فرید و شوکت شہنشاہ کے فرمان کا درجہ رکھتا تھا اور اس کے ہر امر پر اراکینِ قبیلہ سرِ تسلیم خم کرتے تھے اور اس کی اطاعت میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین میں کوئی دوسرا قبیلہ معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے حدود ارضی میں آزاد حکومت کرتا تھا۔

ان قوانین کے علاوہ عرب میں چند مشترک قوانین بھی پائے جاتے ہیں جو زمانہ حال کے بین الاقوامی قوانین سے بالکل مشابہ تھے جب کبھی بیرونی غنیم سے مقابلہ کا وقت آتا تو یہ ایک دوسرے کی آتشِ رقابت اور انفرادی دشمنی کو یک لخت دل سے نکال دیتے اور اس خطرے سے اپنے ملک کو لے جانے کی ہر ممکنہ کوشش کرتے تھے۔ اس قسم کے قوانین کے زمرہ میں موجودہ زمانے کی کوئیلشن پالسی بھی آسکتی ہے۔

عدنان اور اس کے قبل کے زمانہ کے حالات کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ قصیٰ جو عدنانِ ثانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے مکہ معظمہ میں مشترکہ حکومت کی بنا سنہ ۴۴۰ء میں رکھ کر مندرجۂ ذیل عہدہ قائم کئے تھے۔

رفادہ[1] - سقایہ[2] - حجابہ[3] - قیادہ[4] -

اسی کے زمانے سے قومی نشان (جس کو 'لواء' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کا رواج شروع ہوا اور اسی کے زمانے میں ایک قومی مجلس قائم کی گئی جس کو ندوہ یا دار الندوہ کہتے تھے۔

اس مجلس میں تمام قبائل کے سردار جمع ہوتے تھے اور امور مملکت و سیاست پر بحث و تنقید ہوتی تھی۔ اسی کے ذریعے قبائلی فسادات کا انسداد کیا جاتا تھا اور اسی کے ذریعہ امور عامہ اور رفاہِ عام کے مسائل پر غور و فکر کیا جاتی تھی۔

ان تمام حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ عرب بد تہذیبی کے بحر ذخار کی گہرائیوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس حد تک تو وہ دیگر اقوام کے دوش بدوش شاہ راہ ترقی پر گامزن تھے باوجود ان خوبیوں کے عرب پر بھی ظلمت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس اندھیرے کو صدہا آفتاب درخشاں کی تنویر بھی دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اس تاریکی کا اندازہ اس وقت کی اخلاقی اور مذہبی حالات سے ہو سکتا ہے۔

عرب کے اخلاقی اور مذہبی حالات پر نظر ڈالنے سے قبل گرد ونواح کے متمدن اقوام کے اخلاق ومذہب کا تبصرہ کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ عربوں کے دل ودماغ پر انہیں اطراف واکناف کے بسنے والوں کا پرتو پڑتا تھا اور ان کے عادات واطوار میں جو تم نظر آتا ہے وہ سب انہیں کی صحبت کے کرشمے تھے۔

ملک عرب کی سیاسی تقسیم کے لحاظ سے جنوبی حصہ سلطنت حبش کے زیر حکومت تھا مشرق میں فارس و ایران کا سکہ تھا۔ شمالی انقطاع پر کی شرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا اور اندرون ملک بزعم خود آزاد تھا۔ چونکہ یہ خطہ ہر قوم وملت کا آماجگاہ تھا۔ اس لئے یہاں پر مختلف مذاہب کو جگہ ملی تھی ان میں سے بعض مشہور یہودی، عیسائی صابئی تھے۔ جو اپنے دین کی اشاعت میں بہت سرگرم نظر آتے تھے اور یہ ایسے مذاہب ہیں جن کے نام سن کر ناواقف شخص دھوکا کھا سکتا ہے کہ ان لوگوں میں ان مذاہب کی عمدگیوں کے نمونے بھی پائے جاتے ہونگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے خود کو مذہب سے درست کرنے کے بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ اگر موسیٰ وعیسیٰ وشعیب و صالح علیہ السلام پیغمبروں کو ان کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ انہیں کے مذہب کی پیروی کرنے والے ہیں اور یہ انہیں کے اصولوں پر چلنے والے ہیں۔

عام عیسائی تو صرف مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب کے عیسائی حضرت مریم کو نعوذ باللہ خدا کی بیوی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عام یہودی حضرت عزیر کو توریت ازبر رکھنے کی وجہ سے ابن اللہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب کے یہودی اپنی قوم کے تمام زن ومرد کو خدا کے

بیٹے۔ بیٹی۔ پیارے۔ پیاری کہا کرتے تھے۔ علیٰ ہذا صابی مذہب میں بھی اس قسم کے صدہا بیہودگیاں پائے جاتے تھے۔ جن کو یہاں درج کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے ملحد و دہریئے بھی اپنے عقائد کی زہریلی گیاس عوام میں چھوڑتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے خیالات میں تزلزل ان کے حرکات سے ڈل لایقینی کا اظہار ہوتا تھا۔ ان کی طرح اکثر شعروں کے نزدیک خدا کی ہستی کا اقرار اور جزاء و سزاء کا تصور نیک و بد افعال پر نیک و بد نتائج مرتب ہونا قابلِ تسخیر خیال تھا وہ حیات و موت کو اتفاقِ اور وقت سے موسوم کرکے دنیا کے ہر انقلاب کو دورِ زمانے سے منسوب کرتے تھے۔

وسطِ عرب میں باستناء بعض قبائل کے اکثر و بیشتر افراد کے لکھنے پڑھنے سے بے خبر۔ علوم سے بے بہرہ فنون سے عاری۔ مصالحت و معانی سے ناآشنا تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے اُن کے دل و دماغ میں بھی نقش کندہ کیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت ان کے تمدن سے بہتر کوئی متمدن ہو نہیں سکتے۔ ان کے اس اجمالی خیال کی تشریح درج ذیل

خود مختاری نے ان پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا ان میں خود سری اپنے انتہائی درجہ پر پہنچ چکی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ شجاعت و جرارت میں یہ لاثانی تصور کیئے جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس شجاعت و جرأت کا نشانہ خود اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا۔ بیکاری اور کاہلی کے یہ مجسمہ تھے شراب اور جوئے کی کیا پوچھیئے گا بقول مولانا حالی۔ ؎

جو اُن کے دن رات کی دل لگی تھی — شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

ممالک غیر سے بالکل الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے اُن کی زبان اور نسل بیشک کھری تھی۔ لیکن فصاحت کا استعمال زیادہ تر خود ستائی یا دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے۔ فحش کارناموں کو تشہیر کرنے کے لیئے زبان کی ساری طاقت خرچ کرتے تھے۔ مصاہرت کی برائی ان کے ذہن میں قائم ہو گئی تھی۔ مدعیانِ شرافت بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے مولانا حالی نے اس ناجائز طریقہ کو خوب واضح کیا ہے۔ ؎

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر ۔۔۔ تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور ۔۔۔ کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی ۔۔۔ جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

ان کی اس جہالت نے بت پرستی و توہم پرستی رائج کر دیا تھا۔ ان کی اساسی قوتیں بالکل سلب ہو گئی تھیں۔ عالم کی ہر ایک چیز شجر، حجر، چاند، سورج، پہاڑ، دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگے تھے۔ اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھی ملیا میٹ کر چکے تھے۔ اس زمانے کی مذہبی حالت کا مولانا حالی نے خوب خاکہ کھینچا ہے۔

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا ۔۔۔ کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا ۔۔۔ بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی ۔۔۔ طلسموں میں کاہن کے تھا مبتلا کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا ۔۔۔ کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا ۔۔۔ جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بت ایک جدا تھا ۔۔۔ کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا ۔۔۔ اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور ۔۔۔ اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

اس دور تاریک میں جب کہ لات، عزیٰ، اللہ و مناۃ اور اساف کے بڑے بڑے بتوں کی پرستش ہو رہی تھی، جنیوں اور نہدوں کی طرح پیدا کرنے والا۔ مارنے والا۔ بارش برسانے والا۔ اولاد دینے والا۔

پرورش کرنے والا۔ غرض ہر شعبۂ زندگی کا ایک ایک خدا تھا جس کی پرستش بالکل انوکھے طریقہ پر ہوا کرتی تھی۔
اس عہد میں جب کہ بنی نوع انسان وحوش و بہائم کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس وقت بھی بنی ہاشم
کے قبیلہ کا رتبہ عرب کے تمام قبائل میں بڑھا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ
کے کسی نہ کسی کی پیشانی سے دکھاتا رہا۔ آخر یہی نور حضرت ہاشم عبد مناف اس کے بعد عبد المطلب بالآخر ذبیح
ثانی حضرت عبد اللہ کے جبینِ مبارک میں اپنے ضوءِ لاثانی کی تنک تابی سے اہلِ عرب کو مسخر کر رکھا تھا۔
اسی نور کو حاصل کرنے کے لئے حضرت عبد اللہ سے ایک مشہور کاہنہ نے شادی کا پیام دیا تھا لیکن انہوں نے
اس کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور آپ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف سے ہوئی
جن کے پہلوئے مبارک سے سوائے فلک اثبات رحمۃ للعالمین ہویدا ہوئے۔ اسی نور کی برکت سے ان
بزرگوں کو کشف و کرامات حاصل تھے۔ حبقوق نبی کی کتاب میں مسطور ہے اور توریت میں اس کے ترجمے
کے الفاظ یہ ہیں "خدا سینا سے نکلا ساعیر سے چمکا اور فاران سے ظاہر ہوا" اس مختصر جملہ میں سینا سے
مراد کوہ سینا ہے۔ جہاں موسیٰ کے رب ارنی کے اصرار پر رب العالمین نے تجلی دکھائی تھی۔
کوہ ساعیر پر اسی نور کی جھلک کو ملاحظہ فرما کر حضرت عیسیٰ نے اپنی امت کو نوید دی تھی اور ہدایت کی تھی
کہ جب یہ نور عام میں ظاہر ہو جائے تو بلا چون و چرا اسی کے جھنڈے تلے چلے جائیں۔ کلام مجید فرقانِ
حمید میں سورۂ صف کے پہلے رکوع سے و نیز انجیل یوحنا کے پہلے باب میں یہ جملہ کہ تیرے بعد ایک نبی
آوے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا' فارقلیط کے صحیح معنے احمد کے ہیں۔ اس سے حضرت مسیح کے نوید کا
ثبوت ملتا ہے۔ ان تمام مراحل کو طے فرمانے کے بعد بھی نور مکرم (جب تمام ربع مسکون میں جہالت و
بدینی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا) فاراں کی چوٹیوں سے نمودار ہوا۔ اور ظلمت کا اندھیرا
کافور ہو گیا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کی رباعی اس خصوص میں کس قدر
جامع ہے۔ ؎

مصلحت تھی یہی حضرت کے یہاں آنے میں — تیرگی تا نہ رہے دہر کے کاشانے میں
جب ہوا مہرِ عرب جلوہ نما اے عثماں — سرنگوں بت پئے سجدہ ہو بتخانے میں

.... ——— مورخین کے بیان کے لحاظ سے ۵۷۰ء عربی مہینوں کے لحاظ سے غرہ ماہ ربیع المنور اور بعض کے قول کے مطابق سات اور گیارہ ربیع المنور تھی جب کہ آفتاب رحمت سرزمین عرب سے طلوع ہو کر تمام دنیا کو روشن کیا اور غرقاب ہونے والی کشتیوں کو راہِ راست پر لا کر کفر و ظلمت کے خطرناک بھنور سے بچنے کا موقع عطا فرمایا۔

شمع رسالت کے پروانوں کی تعداد

(مترجمہ عزیزہ ک۔ف۔ بیگم صاحبہ)

تازہ مردم شماری کے مطابق دنیا بھر کے مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

شمالی افریقہ۔	۲۹۴۶۸۰۰۰
مغربی افریقہ۔	۲۰۱۱۱۰۰۰
وسط اور جنوبی افریقہ۔	۹۲۸۰۰۰۰
مشرقی افریقہ	۹۲۵۷۰۰۰
مشرقی یورپ	۷۱۰۲۰۰۰
سویٹ روس	۱۲۳۲۵۰۰۰
مشرق قریبہ ایشیا کوچک	۳۱۷۲۰۰۰۰
ہندوستان	۸۹۱۱۸۵۰۴
ملایا۔	۲۰۳۴۰۹۲ — چین — ۲۹۸۰۰۰۰۰
انڈیا و جاپان ٹاپا وغیرہ	۹۵۹۸۵۰۰۰
دیگر ممالک۔	۶۶۸۰۳۷
میزان کل۔	۶۹۶۰۷۰۶۳۳

(ترجمہ از نیرا سیٹ)

آقائے مدینہ مرے مولائے مدینہ!

(نعت)

(حضرت مولانا تجلی مرحوم)

ہے لب پہ تجلی کے سدا ہائے مدینہ — والائے مدینہ ہے وہ شیدائے مدینہ

پھر مجھ کو نہ ہوگی کبھی پروائے مدینہ — مل جائیں اگر مالک و مولائے مدینہ

روضے پہ بلا لو مجھے روضے پہ بلا لو — آقائے مدینہ میرے مولائے مدینہ

اللہ رے یثرب کا تصور کہ یہ آنکھیں — جب بند ہوئیں کھل گئے درہائے مدینہ

بطحا میں میری موت ہو طیبہ میں میری قبر — اس طرح الٰہی مجھے مل جائے مدینہ

تقدیر ہے اس کی جو مدینہ ہی کا ہو جائے — آئے نہ پلٹ کر جو کبھی جائے مدینہ

مہکی ہوئی خوشبو سے ہے ہر محفل میلاد — پھیلی ہوئی ہے نکہت گلہائے مدینہ

تاریکی مرقد کا مجھے خوف نہیں ہے — چمکیگا میرا داغ تمنائے مدینہ

سینے سے مرے دل سے کلیجے سے نہ جانا — اے حسرت دیدار تمنائے مدینہ

رضواں تری فردوس کو کیا لے کے میں جاؤں — گلزار جناں ہے مجھے صحرائے مدینہ

دامن میں ذرا ڈھانپ لو کملی میں چھپا لو — محشر میں مجھے بھی مرے مولائے مدینہ

وہ چاند مدینے کا مدینے سے جو نکلا — حوریں بھی ہوئیں محو تماشائے مدینہ

پرنور ہیں ہر وقت تصور میں تجلی
آنکھوں میں ہماری ہے تجلائے مدینہ

(غیر مطبوعہ)

AL HAJ KHAN BAHADUR AHMAD ALLADIN

The Managing Board of this humble magazine presents their heartfelt regards, for the generous works done by him in the Deccan and Abroad. But still hope and earnestly ask a "helping hand" for the poor muslim girls, here, in the shape of an Industrial Institute for them.

Photo by Raja Deen Dayal & Sons, Secunderabad

By courtesy "Indian States & Zamindaries" Hyderabad.

مختصر سوانح حیات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(از محترمہ مسز صغرا ہمایوں مرزا)

تاریخ میلاد مبارک حضرت رسول مقبول صلعم ہی کیا مبارک تاریخ ہے۔ وہ نبی برحق جس کی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا جس کے وجود نے دنیا کو موجود کیا حضرت ہی نے انوار توحید سے دنیا میں وحدت کی روشنی پھیلائی۔ تاریکئ شرک کو دور کیا۔ وحدت کی روشنی سے ہمارے قلوب منور کیے۔ اور توحید کی تعلیم سے ہمارے قلوب منور کئے توحید کی روشنی پھیلانے کے لئے دنیا بھر کے مصائب برداشت کئے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس تاریخ اور دن کی جس قدر ممکن ہو خوشیاں منائے جشن میلاد نبی شان و شوکت سے کرے۔ اس روز عید کو سب عیدوں پر مقدم سمجھے جشنوں میں حضرت کی پاک زندگی کے حالات اس طریقہ پر بیان کئے جائیں کہ غیر مسلم بھی متاثر و مستفید ہوں۔ میں بھی سعادت دارین حاصل کرنے کے لئے تھوڑے سے حالات ضبط قلم کرتی ہوں۔ رسول اکرم صلعم نے مبعوث ہونے کے بعد جب پیغام حق سنانا شروع کیا تو خود حضرت کے عزیزوں نے جو صدیوں سے بت پرستی کے عادی اور شرک میں مبتلا تھے۔ طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں کیونکہ عمائد قریش دیوانہ وار برافروختہ ہو گئے تھے۔ حضرت کو خانۂ کعبہ سے جس کی تولیت حضرت کو تھی نکال باہر کیا۔ اس کے بعد حضرت کے چچا ابو طالب سے کہا۔ ہم سب اب زیادہ صبر و تحمل سے کام نہیں لے سکتے۔ یا تو اپنے بھتیجے سے کہہ کر اس کی زبان رکوا دو یا تم لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تاکہ ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جاتے۔" اس پر حضرت ابو طالب نے اپنے پیارے بھتیجے کو جنھیں مثل اپنے فرزند حضرت علیؑ کے عزیز رکھتے تھے طلب کیا اور ان کو قبیلۂ قریش کی دھمکیوں اور ارادے سے مطلع فرمایا اور فرمایا "اے میرے پیارے بھتیجے تو مجھ کو اور اپنے تئیں خطرہ سے بچا لے اور ایسا بار

مجھ پر نہ ڈال جس کی تحمل میری ضعیف ہڈیاں نہ ہو سکیں۔ اللہ اللہ کیا امتحان استقامت کا وقت تھا۔
حضرت رسول خدا صلعم نے جواب صاف ان لفظوں میں دیا" اے چچا اگر سورج کو میری داہنی طرف اور چاند
کو بائیں جانب رکھدے اور مجھ کو میرے کام سے روکنا چاہے تو میں ہرگز رکنے کا نہیں۔ حتیٰ کہ خدائے
برحق میرے صدق کو ان پر ظاہر نہ کردے یا میں اس کوشش میں فنا ہو جاؤں"۔ اس باشوکت جواب
خدا کی عظمت وجلال کو قائم رکھنے کے مقابل نہ صرف چچا کی رہی سہی حمایت کو ہی چھوڑنا گوارا کیا بلکہ ان تمام
چیزوں کو خدا کے نام پر قربان کرنا پسند فرمایا جو چاند اور سورج کے طفیل دنیا میں پیدا ہو رہی ہیں۔
کیونکہ سائنس سے یہ ثابت ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی تخلیق وبقا میں چاند اور سورج
کو دخل نہ ہو۔ گو حضرت ابوطالب یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اپنے بھتیجے کی حمایت میں کل خاندان کی تکلیف وذلت
اور سب سے دشمنی مول لینی ہے مگر ایسے ثابت قدم بہادر بھتیجے کی حمایت نہ کرنی حمیت وشجاعت ہاشمی کے
خلاف ہے۔ اس لئے اپنے قبیلہ بنی ہاشم سے طالب استمداد حضرت ابوطالب ہوئے۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب نے
آنحضرت کی حمایت پر کمر ہمت باندھی۔ بنی ہاشم کے اس ارادے نے دیگر قبائل مکہ کو آمادۂ فساد کردیا۔
چنانچہ کل اہل مکہ متفق ہوئے اور آپس میں معاہدہ کرلیا کہ بنی ہاشم سے میل جول ترک۔ شادی غمی میں شرکت
موقوف۔ بنی ہاشم کو بجز محصور ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ ذرائع رسد رسانی قریش نے بند کردئے۔
ان لوگوں نے ایک پہاڑ کے درے میں سکونت اختیار کی۔ تین سال مسلسل اس مقام پر محصور ومقید
رہے۔ کچھ زمانہ یعنی محرم کا مہینہ ایسا آتا تھا کہ کسی پر حملہ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں
بنی ہاشم باہر نکل کر کھانے پینے کی چیزیں خرید کر رکھ لیتے تھے اور حضرت رسولؐ کو جب کبھی موقع ملتا
باہر تشریف فرما ہو کر تبلیغ حق کا کام شروع کر دیتے۔ ایکدفعہ رسول اکرم نے کوہ صفا پر تشریف
فرما ہو کر اپنی قوم کے لوگوں کو آواز بلند نام بنام پکارا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے
سوال کیا" اے آل غالب اگر میں تم کو اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک غنیم کی
فوج اتری ہوئی ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے کیا تم اس خبر کو باور کرو گے"۔ سب نے جواب دیا
کہ ہم ضرور یقین کریں گے۔ کیونکہ تم جھوٹ نہیں بولتے ہو اور آج تک تمھارا کوئی فعل غلط نہیں ثابت ہوا۔

حضرت نے فرمایا تم کو اگر میرے کہنے کا یقین ہے تو میں تم کو اُس عذاب شدید سے جو مشیت آنیوالا ہے
بچانا چاہتا ہوں۔ اگر خدائے واحد پر ایمان لاؤ گے تو نجات پاؤ گے ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔
یہ سن کر ابولہب نے غصہ سے حضرت کو بد دعا دی اور ایک پتھر زور سے پھینک مارا جس کی وجہ سے
پیشانی مُبارک سخت زخمی ہوئی اور خون بہنے لگا۔ ابولہب کے ساتھ اور لوگوں نے بھی پتھر برسانا شروع
کر دیا۔ جس سے حضرت کا تمام جسم مبارک زخمی اور خون آلود ہو گیا۔ حضرت کوہ بوقبیس کو روانہ ہو گئے۔
جب حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو اس واقعہ کی خبر دی اور
دونوں مل کر کوہ بوقبیس پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کے تمام جسم مبارک سے خون جاری ہے اور غشی کی
حالت طاری ہے۔ اسی حالت میں حضرتؐ کو گھر لائے اس وقت ملائکہ نے عرض کی کہ ان سب کو جنہوں نے آپ کو
ایذا دی ہے بد دعا دیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "میں نبی رحمت ہوں اور یہ قوم جاہل ہے۔ میں ان کو
بد دعا نہیں دوں گا۔ بلکہ اُن کے لیئے دعا کروں گا کہ خدا اُن کو راہ راست پر لائے"۔ سبحان اللہ
کیا صبر و تحمل کیا دور اندیشی کیا بندگانِ خدا کی بھلائی خدا کی ذات سے رحمت کی توقع حضرت میں تھی۔
ایسی حالت میں بھی اظہارِ مایوسی نہیں فرمایا۔ حضرت نے جب یہ دیکھا کہ قریش کسی طرح بھی راہِ راست پر
نہیں آتے تو یہ تدبیر سوچی کہ بغرضِ حج و تجارت جو لوگ باہر سے آتے ہیں ان میں وعظ فرمانے لگے۔
اور دینِ حق کی تعلیم و تلقین فرماتے۔ اس وقت اہلِ مکہ نے چاروں طرف سے جو لوگ آتے
ان کی ناکہ بندی کی اور پہرے مقرر کیئے اور لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ معاذ اللہ محمد جادوگر ہے
اُن کی بات ہرگز نہ مانیں۔ لیکن اس کا نتیجہ برعکس نکلا کہ جب یہ لوگ گھر واپس جاتے تو یہ کہتے کہ ایک
فصیح و بلیغ مکہ میں پیدا ہوا ہے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اہلِ عرب کو اپنا آبائی دین ترک کرنے
کہتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابوطالبؓ و حضرت حمزہؓ آنحضرتؐ کی حفاظت تا حدِ امکان کرتے۔ مگر کفار قریش
جب کبھی موقع پاتے حضرت کو تکلیف دیتے۔ جہاں کہیں حضرت جاتے اُن کا تعاقب کرتے شہر کے آوارہ
لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے۔ راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ جس سے آپ کے پائے مبارک میں
کانٹے چبھ جاتے۔ ابولہب حضرت کا چچا تھا۔ مگر اُس نے حضرت کی جان لینے کی کئی دفعہ کوشش کی۔

ایک دفعہ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے اور حضرت ابوطالب کہیں بکریاں چرانے گئے تھے۔ ابولہب اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت کی تلاش میں باہر نکلا۔ دیکھا کہ آپ مسجد الحرام میں نماز میں مشغول ہیں۔ ابولہب اور اس کے ساتھیوں نے پہلے پتھر مار کر حضرت کا جسم مبارک زخموں سے چور چور کر دیا۔ اور ایک پھندا گلے میں ڈالکر اس زور سے کھینچا قریب تھا کہ روح مفارقت کرے۔ حضرت بالکل بیہوش ہو گئے۔ ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت کا کام تمام ہو چکا۔ حضرت کو اسی حالت پر چھوڑ کر چلا گئے۔ حضرت حمزہؓ شکار سے جب واپس آئے تو اپنی بیوی صفیہ سے کھانا مانگا۔ حضرت صفیہ نے رو کر کہا کہ تم نے اپنے بھتیجے کی اچھی حفاظت کی۔ تمہارے بھتیجے کو ابولہب نے مسجد الحرام میں زخمی کر ڈالا اور وہ قریب المرگ ہیں۔ حمزہؓ یہ سنتے ہی فوراً مسجد کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت تک حضرتؐ کو کچھ ہوش آ گیا تھا۔ تمام جسم سے خون جاری تھا۔ حمزہؓ مزاج پرسی کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو غریب مظلوم بیکس و تنہا ہزاروں دشمنوں میں گھرا ہو۔ حمزہؓ ابولہب کے گھر گئے اور لعنت ملامت کی اور جو کمان ہاتھ میں تھی کھینچکر ماری جس سے اوسکا سر زخمی ہو گیا۔ سورۂ تبت یدا ابی لہب سے اسی ابولہب اور اس کی زوجہ کی طرف اشارہ ہے اور اس کے انجام بد کی پیشین گوئی ہے۔

باوجود ان ایذا رسانیوں کے وہ مطہر اکمل تبلیغ اسلام فرماتے گئے اور اسلام روز افزوں ترقی کرتی تھا۔ جس کو کفار قریش دیکھ کر آتش غضب میں جلتے تھے اور ان کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اب ان کا آبائی مذہب مٹ جائیگا اور عزت و اقتدار کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔ اس لئے اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مسلمان سخت آفت میں گرفتار تھے۔ غریب مسلمانوں پر آئے دن نت نئے مظالم ہوتے اور طرح طرح کی مصیبتیں ڈھائی جاتیں۔ حضرت بلالؓ ایک شخص عنبر نامی کے غلام تھے۔ ان کا آقا ان کو ہر روز جب کہ شدت کی گرمی ہوتی پتھریلی زمین پر لے جاتا اور ان کی کمر برہنہ کر کے تپتی ہوئی زمین پر لٹاتا اور سینہ پر ایک وزنی پتھر رکھدیتا اور کہتا کہ اسلام سے دست بردار ہو جا۔ ورنہ اسی طرح تیرا کام تمام کر دونگا۔ مگر کیا استقلال کہ شدت تکلیف و گرمی سے دم گھٹنے لگتا اس وقت ان کی زبان سے احد احد کے سوا کوئی اور لفظ نہیں نکلتا۔ کئی روز تک ان کو

اسی قسم کی تکلیف پہنچائی گئی۔ جب حضرت بلالؓ کی حالت قریب المرگ ہوگئی تو اُن کے آقا کو روپیہ دے کر آزاد کرایا گیا۔ جب رسولِ خدا کفار کی ایذا رسانیوں سے بہت ملول ہوتے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ ان کی ہمت بڑھاتیں۔ اور تسلی و تشفی کی گفتگو فرماتیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے مدت العمر کبھی کوئی بات ایسی نہ کہی جس سے آنحضرت کو رنج ہو۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرب ستان میں سخت قحط پڑا جس کی وجہ سے خلقِ خدا بھوکوں مرنے لگی۔ آنحضرت سے بندگانِ خدا کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی اور بہت مشوش و پریشان رہنے لگے۔ حضرت کو پریشان و متفکر دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا "اے خدیجہ اس وقت دنیا میں سخت قحط پڑا ہے اور میرے پاس پیسے نہیں کہ بھوکوں کو غذا پہنچاؤں اور تم سے روپئے مانگتے شرم آتی ہے"۔ حضرت خدیجہؓ نہایت کشادہ دلی سے فرمایا میرا مال سب۔ آپ کا ہے۔ اس میں پس و پیش کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر تمام زر و نقد حضرت کے حوالے کر دیا۔ حضرت نے وہ سب مال غربا کو تقسیم کر دیا۔ خدیجہؓ جو مالدار تھیں مفلس ہو گئیں۔ حضرت کا ایثار و استقامت بے نظیر تھا۔ آخر الامر آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اسلام کا جھنڈا آج تک دنیا میں بلند ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔

میں نے جو مختصر طور پر حضرتؐ کے اسوۂ حسنہ بیان کئے اور حضرت خدیجہؓ کا ذکر کر دیا اس کی غرض یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور مرد اپنے رہبر و آقا کے قدم بقدم پیروی کریں۔ مستورات مثل حضرت خدیجہؓ کے ہر بات اور ہر کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتیں۔ جو اپنے شوہر کے لئے باعث تشفی ہو۔ آخر میں میں اپنے لئے بھی دعا کرتی ہوں۔

خدا کرے کہ میں دیکھوں کبھی دیارِ حبیب ... نگاہِ شوق کو رہتا ہے انتظارِ حبیب

نہیں ہے دل میں بجز اس کے آرزو باقی ... سر نیاز ہو اپنا سر فراز حبیب

الٰہی کہتے ہیں دنیا میں جس کو چشمۂ فیض ... دکھا ہمیں بھی وہ دربار فیض بارِ حبیب

اجل خدا کے لئے اس قدر تو مہلت دے ... کہ تشنہ کام کو مل جائے چشم سارِ حبیب

تمہاری گلشنِ جنت کو کیا کریں رضواں ... نگاہِ شوق کا منظر ہے خارزارِ حبیب

الٰہی آتشِ عشقِ نبی بھڑک اُٹھے ... کہ جل کے خاک میں مل جائے خاکسارِ حبیب

ہوائے شوق میں اُڑ جاؤنگی مدینہ کو ... جنوں فضا ہے مرے حق میں نو بہارِ حبیب

صغرا

نوائے بسمل

(انتہا)

(مولانا سید ابن الحسن صاحب رضوی بسمل)

پھیلا کچھ اِس طرح یقین کا نور ظلمتِ کفر ہو گئی کافور

اے زہے بخت سرزمینِ حجاز رشک کرتا ہے جس پہ کوہِ طور

وہ زمین آسماں نہ کیوں ہو جائے حق کے محبوب کا جہاں ہو ظہور

آسماں کو زمیں پہ رشک آیا رونق افروز ہو گئے جو حضور

صدقہ میلاد کا مجھے بسملؔ

میرا پروردگار دیگا ضرور

عرب کی ایک صبح

(افسانہ)

(جناب خواجہ سراج الدین حسن صاحب فاروقی)

آیئے ہم آپ کو اس قطعۂ زمین کی سیر کرائیں جو دنیا کے ہر حصہ پر افضلیت رکھتا ہے۔ جس نے کہ دنیا کی افضل ترین ہستی کو مصیبت کے وقت پناہ دی۔ اور جس میں وہ پاک ہستی تا دمِ زیست منور رہی اور بعد وفات بھی اپنے جسدِ مقدس سے اُسی کو سرفراز فرمایا۔

صبح کا وقت ہے۔ نسیمِ سحر کے جھونکے خراماں خراماں چلتے ہیں۔ خورشید فلک اپنی مخمور آنکھیں لئے ہوئے نمودار ہو رہا ہے کہ اپنی ضیا سے عالم کو روشن کرے۔ کچھ عرب اپنے جھونپڑیوں سے باہر بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں۔ کچھ چہل قدمی کر رہے کچھ ابھی تک یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اصحابِ کرام ہم صحبت ہیں آپ تلقین فرما رہے ہیں کہ یکایک ایک سائل آتا ہے اور دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ رسولِ برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ "کچھ ہو تو اسے خدا کے نام پر دیدو"۔ حضرت عمرؓ نے ایک درہم اس کے ہاتھ میں رکھدیا۔ لیکن سائل کو تشفی نہ ہوئی اور مانگتا گیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "میرے ہی لئے اسے کچھ دیدو"۔ حضرت عمرؓ نے چار درہم نکال کر سائل کو دیئے۔ آنحضرتؐ کو تعجب ہوا۔ دریافت فرمایا کہ "اے عمرؓ تم نے خدا کے نام پر ایک درہم گزرانا اور میرے نام پر چار درہم دئے یہ کیوں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

خدا کو کس نے دیکھا؟ اور شہادت کس نے دی اس کی
نظر آیا رخِ انور ترا کلمہ شہادت کا

ماضی کی یاد

(آخر)

(جناب راز قاسمی [illegible])

یہاں کا بچہ بچہ غیرتِ سام و نریماں تھا
ہمارا دامنِ صحرائے ہمت زابلستاں تھا

ہمارے دستِ حکمت میں کبھی عشرت کا ساماں تھا
مزیّنِ نقشِ پائے عیش سے بھی گلستاں تھا

اسی پر تھے فدا پروانہائے اتفاق اکدن
یہی دل روشنی افزائے شمعِ بزمِ امکاں تھا

ہمیں تو صورتِ مرغِ نظر تھے محوِ پروازی
غبارِ راہ اپنا غیرتِ پائے گریزاں تھا

نظر ہی باعثِ سرسبزیٔ کشتِ تمنا تھی
ہمارا ہاتھ سر پر ظلِ ابرِ گوہر افشاں تھا

فقیری میں بھی پوشیدہ عجب شانِ امارت تھی
ہمارا بوریائے بے ریا تختِ سلیماں تھا

ترقی کی ہمارے راہ میں وہ تھی شعلہ زن آتش
نہ کچھ جس سے خیالِ پوششِ فصلِ زمستاں تھا

ہماری ضو سے خیرہ چشمِ مہتاب منور تھی
ہماری ہی چمک سے دیدۂ خورشید حیراں تھا

نشاں پابوسیٔ دولت کے ہیں بالائے پابانی
ہمارا ذرۂ خاکِ اجل گنجِ فراواں تھا

رہِ تحصیل ہم تھے سوارِ اشترِ ہمت
دہانِ سرکوبِ معیشت خود حدی خواں تھا

کبھی سکہ ہمارا تھا عمیم الامتثال بیشک
غرض ہر قوم کے سر پر ہمارا ہی تو احساں تھا

نقوشِ پائے فصلِ نفتہ اب تک ہیں گلستاں میں
جو اپنا ہر قدم صحنِ خوشی میں صرفِ جولاں تھا

عجب پرستاں تھی دشتِ حصولِ فخر کی گردش
رہِ ہر اک آبلہ تاجِ سرِ خارِ مغیلاں تھا

Safina-i-Niswan.

خدا کی محبت

LOVE OF GOD

(*i. e.* ISHK-I-ALLAH)

(ترجمہ فردوسی اسلام مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری)

(*Translated in Urdu by Moulana Mahir.*)

انگریزی نظموں کے منظوم تراجم کی طرف میں نے کبھی توجہ نہیں کی۔ البتہ بعض مغربی شعراء کے گراں قدر خیالات کی ترجمانی نثر میں کبھی کبھی کی ہے۔ مگر جب اسلامی ادب اور مشرقی لٹریچر کے آفتاب نے میری بصیرت کو نوازا۔ آسمان مغرب کے جھلملاتے تاروں اور بزم یورپ کے ٹمٹماتے چراغوں کی میری نظر میں مطلق وقعت نہیں رہی لیکن قدرت انسان کو کبھی اس کے رجحان و مذاق کے خلاف بھی مجبور کر دیتی ہے۔ قدرت کے اس جبر نے عزیز محترم مسٹر اختر قریشی ایڈیٹر "سفینۂ نسواں" کے اصرار کی شکل اختیار کی اور میں انگریزی نظم کا ترجمہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مجبوری کہیئے کہ کمزوری سے تعبیر کیجیئے۔ ترجمہ میں لفظی اور معنوی تصرف بہت کچھ کیا گیا ہے۔ (ماہر)

WHAT is this stream, this wondrous stream
That poureth ever forth,
Is it a fact, or merely dream,
This flood of Love Divine?

یہ کس جادو اثر حیرت فزا اُلفت کا چشمہ ہے
جو دن رات اپنی پوری طاقت سے اُبلتا ہے
کوئی مجھ کو بتائے یہ خدا کے عشق کا طوفاں
کوئی خوابِ پریشاں ہے کہ اصلیت سراپا ہے

What is this fire that melts my heart,
The fire of Ishk Allah
That sootheth every burning smart
Caused by the want of love?

The flame of Ishk Allah breaks down all bars
And captive souls sets free,
All hurt and seared with mundane scars
And starved for want of love.

No longer dost Thou seem after
Now Thou by love art known,
We drink so deep of Ishk Allah
That we in Thee are lost.

I walk about like one astray,
Quite drunk with heavenly wine,
How can I tear myself away
From Him who is within.

"Thou art myself," the lover cries
To that soul he adores,
"I never did exist," he sighs,
"But only Thou, Beloved."

Miss MUSHTARI,
(M. R. WOKING, LONDON.)

تعالٰی اللہ گرمیٔ آتشِ عشقِ الٰہی کی
اثر سے موم ہو جاتا ہے جس کے قلب انسانی
محبت درحقیقت باعثِ تخلیق ہے اس کی
نہ کیوں ممنوں ہو اس آگ کی ہر شعلہ افشانی
اثر انگیز ہے حبِّ خداوندی کا ہر شعلہ
گلا کر چھوڑتا ہے دنیوی خواہش کی زنجیریں
سکوں باقی ہیں رہتیں۔ دردِ دل باقی نہیں رہتا
پلٹ جاتی ہیں الفت کے پرستاروں کی تقدیریں
عبادت تیرے جلوؤں سے مرے احساس کی دنیا
حقیقت تو یہ ہے سب اٹھ گئے پردے جدائی کے
زہے قسمت میں تیری ذات میں خود ہو گیا ہوں گم
مرے ایمان و دیں قرباں تری الفت کی مستی کے
شرابِ خلد پی کر ہو گیا ہوں مست دیوانہ
میں گم گشتہ مسافر کی طرح پھرتا ہوں دنیا میں
اگر چاہوں بھی تو مجھ سے جدائی ہو نہیں سکتی
کہ تو موجود ہے مجھ میں مرے دل کی تمنا میں
پرستش نے کیا ہے مجھ کو واصل تیرے جلووں سے
تری شانِ معبودیت مری فطرت کا ایماں ہے
تری الفت عدم سے لائی مجھ کو بزمِ ہستی میں
مری ہستی یہ تیرے عشق کا واللہ احساں ہے

سردارِ کونین کے مختصر حالاتِ زندگی

(از محترمہ نصرت نشاط۔ ایس ایچ تھمل)

خالقِ اکبر نے تمام موجوداتِ عالم سے قبل آنحضرت محمد رسول اللہ کا نور پیدا کیا۔ حضرت آدمؑ سے آنحضرتؐ کے زمانے تک جتنے پیغمبر پیدا ہوئے وہ سب اپنی اپنی اُمت سے حضرتؐ کے اوصاف بیان کرتے رہے اور اللہ نے جو صحیفے اُن رسولوں پر نازل فرمائے اُن میں حضورؐ کی نشانیاں اور فضیلتوں سے انبیا کو واقف کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کو حضرت ایوبؑ کا سا صبر، حضرت یوسفؑ کا حسن، حضرت ابراہیمؑ کی سی مہمان نوازی اور حضرت یونسؑ کی سی عبادت عطا فرمائی۔ بقول؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی خواہش تھی کہ "اے میرے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا"۔ مگر جواب ملا کہ لَن تَرانی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) آنحضرتؐ خلوتگاہِ رب العالمین میں جا کر ہم کلام ہوئے۔ یہ وہ درجہ تھا جو آج تک کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ تمام پیغمبروں کے سردار اور آخر الزماں ہیں بعض جگہ آنحضرتؐ کو سید المرسلین و خاتم النبین اور خیر البشر کے پاک اور مقدس ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

جب ہم آنحضرتؐ کا نام سنیں تو آپکی ذات والا صفات پر درود شریف پڑھیں۔ آنحضرتؐ نے ہمیں تعلیم دی کہ "اے لوگو! خدا کی اطاعت کرو اور اُسے واحد جانو اور اپنے جھوٹے معبودوں سے باز آؤ"۔ حضورؐ کا کلام شیریں سُن کر بہت لوگ مسلمان ہوگئے۔

معراج | نبوت کے بارھویں سال ایک رات جب حضرتؐ آرام فرما رہے تھے حضرت جبرئیلؑ نے آکر آنحضرتؐ کو جگایا۔ براق پر حضرتؐ کو بیت المقدس کی طرف لے گئے۔ وہاں نماز ادا کی۔ اُس کے بعد آسمان پر لے گئے۔ دوزخ اور بہشت کو ملاحظہ کرایا۔ وہاں سے جب آپ آگے بڑھے تو جبرئیلؑ ساتھ چلنے سے انکار کئے اور کہا کہ حضورؐ کی وجہ سے یہاں تک آیا ہوں آگے جانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم \ فروغِ تجلی بسوزد پرم۔ حضرتؐ خلوت میں جاکر جمالِ الٰہی کو اچھی طرح دیکھا اور پھر بیت المقدس میں واپس تشریف لائے۔

ہجرت | جب آپ کو مکے والوں نے ستانا شروع کیا تو آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اس وقت سالِ ہجری کا آغاز ہوا۔ آنحضرتؐ پہلے پہل ابوایوب انصاری کے مکان پر رہے اور وہاں اپنا گھر اور مسجد بنائی۔ جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں پھر آپ نے اپنے اہل و عیال کو بھی وہیں طلب فرما لیا۔

وصال | آخر ماہ صفر ۱۱ھ میں رسولِ خدا بیمار ہوئے اور علالت کی حالت میں بھی اپنی اُمت کو اپنے شیریں کلام سے احکامِ خداوندی سناتے رہے۔ اور دمِ آخر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اگر مجھ پر کسی کا کچھ حق یا میں نے کسی کو ناحق ستایا ہے تو مجھ سے انتقام لے سکتا ہے"۔ آنحضرتؐ کا وصال ۱۱ھ میں ہوا جب کہ آپکا سن شریف (۶۳) سال کا تھا۔ آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔

؎ معراج کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ (نصرت)

قصیدۂ میلاد

سرور کائنات مفخر موجودات اشرف الانبیا حبیب خدا احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ــــــ (انتہا) ــــــ

(جناب سید عباس حسین صاحب)

افتخار اولیاء و انبیاء آمد پدید — رحمۃ للعالمین خیر الوریٰ آمد پدید

سرور کونین شاہ انبیا آمد پدید — رونق ہر دو جہاں نور خدا آمد پدید

حامد و نائب شکور و عادل و نون و قلم — حافظ و ناصر مبین و مرتضیٰ آمد پدید

منذر و شاہد شہید و سرور و سالار دیں — طیّب و طاہر امین کبریا آمد پدید

علّت غائی عالم باعث ایجاد خلق — مظہر و فتاح یعنی مصطفےٰ آمد پدید

حجّت حق شاہ یثرب مالک و مختار کل — اشرف و شمس و سراج اصفیا آمد پدید

شاہ بطحےٰ نائب و امی و معصوم و کریم — عالم و حافظ عزیز و مجتبیٰ آمد پدید

قاسم تسنیم و کوثر مالک نار و جناں — صاحب معراج شاہ دوسرا آمد پدید

سیّد و سرور شفیع و رحمۃ للعالمین — حامی کل شافع روز جزا آمد پدید

ذات پاکش مظہر آثار ربّ العالمین — نور رویش معنی شمس الضحیٰ آمد پدید

مالک کون و مکاں قرباں روائے انس و جاں — خواجۂ ہر دو جہاں صل علیٰ آمد پدید

از در و دیوار می آید صدائے تہنیت
مرحبا صمصام شاہ انبیا آمد پدید

Safina-i-Niswan.

عورت کی زندگی کے تین دور

(اثر)

(محترمہ ج "نقوی" صاحبہ)

سہ چیز است آں کہ پایانی ندارد شب من، درد من، افسانۂ من

حضرت آدم کو بہشت سے نکلوانے والی جو ناقص العقل کہلائے، زر، اور زمین کے ساتھ جس کا شمار ہو۔ آج اسی کی نسبت مجھے کچھ لکھنا ہے۔ اس کے نام کے تو صرف تین دور ہیں۔ لیکن ان میں جو تین ہزار اس کی قسمت کے چکر ہیں انہیں کا یہ مختصر خاکہ ہے۔

عورت کی زندگی کی ابتدا، بالعموم کیسی مغموم کن ہوتی ہے۔ شاذ ہی ایسے گھرانے ہیں جہاں لڑکی کی پیدائش پر اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔ یا تین چار لڑکوں کے بعد جب لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔ اس کو البتہ نعمت غیر مترقبہ سمجھا جاتا ہے ورنہ یوں تو ایام جاہلیت میں یہ اتنی وبالِ جان تھی کہ اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس کی ولادت پر خوشیاں مبدل بہ غم و الم ہو جاتی تھیں، خیر، ولادت ہوئی۔ قہر درویش بجانِ درویش۔ یوں تو یوں پل ہی جاتی ہے۔ مگر اس کی زندگی کا یہ طفلانہ معصوم دور بہت سرعت سے گزر جاتا ہے۔ اس کی بھولی بھولی پیاری پیاری باتیں جن پر بنگالے کی تُتیا کا دھوکا ہوتا ہے۔ جن سے سب کا دل بہلتا ہے۔ اس موسیقی کے تار بہت جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔ لڑکپن کی اٹکھیلیاں ایک لال کی ہلکی پرواز کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ ایک بلبل کی طرح ان کا خون ہو جاتا ہے اور وہ دور بھی عنقریب ہوتا ہے۔ جب کہ کسی شاعر کا قول اس پر چسپاں ہو۔

نہاں تھا دامِ سخت قریب آشیانے کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

بلحاظ ایک لڑکی ہونے کے اس پر فرائض کی ذمہ داریاں روز ازل سے عائد ہو جاتی ہیں۔ اس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جب سب ہورہے ہوں یہ جاگ اٹھے۔ فریضۂ حق سے فارغ ہو کر انتظام خانہ داری کو سلسلہ وار انجام دے۔ ہر ایک کا خیال رکھے۔ والدین کی خدمت کرے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی نگرانی کرے۔ نوکروں کی دلجوئی کرے۔ کیونکہ گھر کے نوکر بہ نسبت گھر کی بیگم صاحبہ کے لڑکیوں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ رات جب سب آرام سے اپنے اپنے بستر پر آرام کریں اس وقت یہ بھی اپنی خوابگاہ میں چلی جائے۔ اگر کسی کو نصیبہ کی گردش نے اس زمانے میں "سوتیلی ماں" بھی دیدے تو پھر اس کے ساتھ ہی ماں جیسا برتاؤ کرے۔ ناقابل برداشت بھی ہو تو اس کو برداشت کرے۔ سوہان روح بھی ہو تو اس کو جھیل لے۔ اگر سوتیلی ماں بھی قسمت سے نیک۔ تعلیمیافتہ۔ خوش مزاج محبت شعار مل گئی تو زندگی اچھی ہی کٹی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر زندگی کی ناؤ ڈگمگانے لگی۔ رسن عمر گلے میں پھانسی بن گئی۔ ایک ایک دن ایک ایک برس بن گیا۔ کیونکہ

دلہا تو جتنا کچھ کرو ــــــ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا

ابھی ان طفلانہ سوچ بچار سے دل سیر بھی نہ ہوا تھا کہ ؏ پر باندھنے صیاد آیا ــــــ

ذرا ہوش سنبھالا تھا کہ چوطرف سے پیاموں کے لئے جھاڑ شروع ہوگئے۔ جیسے بیرے کے درخت پر پتھر لگتے ہیں۔ کسی نے کہا کب تک بٹھاؤ گی؟ تمھیں نیند کیسے آتی؟ حیات ممات کا کیا بھروسہ جلد اس کے فرض سے کہیں چھوٹو"۔ کوئی کہنے لگیں" ارے اللہ اتنی عمر ہوگئی اب تک بر نہ نصیب ہوا۔ کوئی یہ کہہ کر کلیجہ چھلنی کردیں۔ اس کو دیکھتی ہوں تو سینہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ نہ معلوم کب اس کے فرض سے سبکدوش ہوتے ہوں گی"۔ غرض جب اپنے پرائے یہ کہنے لگ جاتے ہیں تو ماں باپ پر بھی یہ چودہ پندرہ برس کے سن سے وبال جان ہو جاتی ہے۔ ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ اپنی اولاد اپنی ہی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگتی ہے۔ اپنے بیگانے بن جاتے ہیں۔ جس محفل میں جاؤ اسی کو دیکھکر زہر اگلا جاتا ہے "خانۂ خالی را دیو می گیرند۔ کیا کریں گے؟"۔ جب بات کرنے کو کچھ نہیں ملتا تو یہی سہی۔ یہ دیکھ دیکھ کر کوئی حساس ہو تو گوشہ نشین ہوگئی۔

ورنہ جو دل پر نہ لے۔ اس طرف خیال نہ کرے اس کی خوب ہی گت بنی۔ کیونکہ اس کے پیش نظر تو ہے

سوچ خون سر سے گزری کیوں نہ جائیے ‏ ‏ آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

اب خیال کرنے کی جگہ ہے۔ زندگی کا وہ خوش گوار و پر لطف دور جس میں جسمانی و روحانی نشو و نما ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اعضاء رئیسہ پر کوندکوندکر بجلیاں گرائی جاتی ہیں۔ امنگوں کی لہریں سنگ منجمد بن کر رہ جاتی ہیں۔ احساس سلب ہو جاتے ہیں۔ دل مردہ ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی عورت کی زندگی کا پہلا دور تو آپ نے دیکھ لیا۔ کیا خوشگوار تھا۔ اب اسی سے حال اور مستقبل کا بھی اندازہ لگا لیجئے۔ ع

جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ!!

ہاں البتہ معدودے چند گھرانے ہیں ایسے بھی جہاں پر لڑکی کی شادی کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ اس کی تعلیم و تربیت کو مستقبل خوش گوار کے لئے اہم گردانا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر کڑا نہیں جاتا۔ بلکہ قومی بہبودیوں بھلائیوں اور قومی خدمات کا احساس ہوتا ہے جن کے لئے یہ ودیعت کی گئی ہے۔ یہ خوش آیند جذبات جو ایک روشن خیال کے دل میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی کو دیکھنے سے امنڈ آتے ہیں۔ اس سے اس کی زندگی اتنی دوبھر نہیں ہوتی۔ اسی دور میں اس کو "اسکول لائف" اور کالج کی زندگی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جن سے واقعی بہت کچھ دلبستگی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اب بھی چند دقیانوسی کہوسٹ خیالات کے لوگ باقی ہیں جو وقتاً فوقتاً یہ کہہ کر دیتے رہتے ہیں۔ "توبہ لڑکی کو مدرسہ بھیجنا۔ کیا نوکری کرنی ہے؟ اس واسطے دنیا میں قحط ہونے لگا تباہی آنے لگی۔ بارش نہیں ہوتی۔ فصل خراب ہو گئی" غرض ساری خرابی جو دنیا میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس کی جڑ بنیاد اصل لڑکی کی تعلیم ہے۔ ایک حد تک مان بھی لیا جائے کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو اس خانہ خرابی کا سبب بھی آپ خود۔ تعلیم کا مقصد جہاں اخلاقی معیار کو گرا دے۔ شرم و حیا کو طیامیٹ کر دے۔ "مذہبی تعلیم"، انگشت بدنداں قرار پائے یا قریب قریب عنقا ہو جائے تو پھر جو کچھ بھی نہ ہو کم ہے۔ رسول اللہ کے زمانے میں عورتیں بذات خود مذہبی و قومی کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔

علما و فضلا کا بازار گرم رہتا تھا۔ مذہب و شریعت سے اسی طرح واقف تھیں جس طرح آج نابلد ہیں۔ تاریخ و احادیث اس کو ثابت کر سکتے ہیں۔ رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی کے جنگی کارنامے تو تاریخ کی جان بنے ہوئے ہیں۔ خیر۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ مقصد یہ کہ تعلیم مذہبی بھی "جزو قوی" سمجھی جائے۔ ورنہ قوم توہم پرستی کے قعر مذلت سے ابھر نہیں سکتی اور قوم کا دار و مدار عورت سے وابستہ ہے ـــ ہاں۔ "جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے۔ وہی حکومت کرتا ہے" ـــــ!!

حصول علم سے لڑکی کی کتنی ساری کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل کتابوں میں لگ جاتا ہے واہی تباہی باتوں کی طرف اس کا سمند خیال گامزن نہیں ہوتا۔ اس کی کتابیں اس کی دلچسپیوں کا مرکز بن جاتی ہیں۔ کتاب سے بڑھ کر مونس تنہائی اور کون ہو سکتا ہے۔ کس میں اتنی قابلیت ہے۔ دوستوں کی صحبت بھی بسا اوقات ہیجان انگیز ثابت ہوتی ہے۔ ان سے رنج بھی پہنچتا ہے۔ کبھی ان کی بے مہری کا خیال کاہش روح ہوتا ہے۔ کبھی ان کی طوطا چشمی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ لیکن کتاب سے ایسی اُمید نہیں ہوتی۔ کارلائل کہتا ہے "مروں تو کتب خانے میں مروں۔ جان بھی جائے مگر کتاب ہاتھ سے نہ چھوٹے" ـــــ

ـــــــــ (۲) ـــــــــ

اب زندگی کا دوسرا دور نہایت تزک و احتشام سے شروع ہوتا ہے۔ یوں تو اس کی زندگی خود انقلاب کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے۔ لیکن اس دور نے اس کی واقعی کایا پلٹ دی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ وہ ایک بھولی بھالی لڑکی سے گذر کر "عقل والی عورت" کہلاتی ہے۔ خواہ اس کا سن چودہ پندرہ برس ہی کا کیوں نہ ہو۔ شادی ہوئی اور وہ عورت کہلائے جانے کی "مستحق" ہو گئی۔ وہ اب ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتی ہے۔ جہاں کا پتہ پتہ اس کے لئے بیگانہ ہے۔ جہاں کی دنیا اس کو خواب و خیال میں بھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ جہاں بیگانہ بن کر یگانہ رہتی ہے۔ جہاں اس کی بات بات کو غور و خوض سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا اُٹھنا' بیٹھنا' سونا' جاگنا' کھانا' پینا' اس کی سب کو بڑی کھوج رہتی ہے۔ جہاں سر اقبال کے خیالات اس پر برجستہ ہو جاتے ہیں ـــ

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے!

اس کے رخصت کا سماں عجب دردانگیز ہوتا ہے۔ اپنے تو اپنے غیر تک روتے ہیں۔ پہلے تو آنکھوں میں خار تھی۔ اب ان خاروں کو آنسوؤں کے سیلاب میں اس طرح بہایا جاتا ہے کہ لوگ رونا سمجھیں۔ شادی کے وقت ایک کہرام بپا ہوتا ہے "نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی" کا مصرعہ صادق آتا ہے۔ گویا ایک زندہ جنازہ نکل رہا ہے۔ جس کی رخصت کے وقت یہ رونا ہو۔ رخصت..... یعنے "زندگی کی تمہید"...... پھر اس کا انجام معلوم!! اور رونا کوئی اختیاری فعل نہیں۔ دل کو ایسے وقت قابو میں رکھنا بہت اہم امر ہے۔ اتنے دنوں کا ساتھ چھوٹتا ہے۔ اس کی ایک ایک بات یاد آتی ہے اور آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے۔ جوں جوں دل کو سنبھالو آنسو اُمنڈے چلے آتے ہیں۔ گریۂ گلوگیر سے گلو خلاصی ناممکن ہو جاتی ہے۔ خصوصاً ایسے مواقع پر "ماں" کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔ اور سچ پوچھو تو اسی کے رونے سے ساری محفل روتی ہے۔ پھر اس کے وداع کے بعد گھر ایسا سُونا ہو جاتا ہے۔ کونہ کونہ کاٹنے آتا ہے۔ اس رات بہ مشکل نیند آتی ہے۔ بعض تھکے ماندے تو ایسے بے خبر سو جاتے ہیں جیسے وہ مسافر تھے۔ جن کے گھوڑے بک گئے۔

اب یہاں کی سنئے۔ خواہش و آرزو کی شادی ہوئی تو خیر جا پر روز ستارہ چمک گیا۔ کچھ روز واقعی زندگی زندہ دلی معلوم ہوئی۔ جہاں نارضامندی کی شادی ہو۔ یا جبری سنجوگ۔ وہاں کے واقعات ناقابلِ بیان۔ زبانی جراحتیں ہیں۔ تیکھی چتونیں ہیں۔ اور ایک مظلوم دل۔ دنیا جاہے تو سہاگن بھی کہلاتے۔ مگر جہاں "بیری بن گئے نین" تو پھر کہاں گزارہ۔ جس کے کارن ماں باپ جیسی عزیز از جان ہستیوں کو چھوڑا۔ بہن بھائی جیسی نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اپنوں سے جدا ہوئی۔ گھر۔ جہاں پیدا ہوئی۔ جہاں کا چپہ چپہ روند ڈالا جن کے درخت کی ڈالیاں گواہ ہیں کہ اُن پر کتنے جھولے ڈالے۔ پتہ پتہ شاہد ہے کہ ان کے سایہ میں کتنے ساون ایسے آئے جن میں کڑھائی نہ چڑھی جہاں اُلّو بول جاتا ہے۔ اگر اس کے قدموں کی برکت سے وہاں پر چھپیوں کا پھیرا نہ ہوتا۔ مکان کا کونہ کونہ

اس کو رو رہا تھا جس وقت یہ رخصت ہوئی۔ درخت سوز و گداز سے معمور تھے۔ چمن کا ایک ایک پھول سوگوار بن گیا تھا۔ صحن کا حوض چشم پُر آب کی طرح لبریز تھا۔ فوارہ کھڑے قد سے آنسو ڈال رہا تھا۔ آسمان کے تارے سکتہ کے عالم میں چاند کے گرد ہالہ بنائے کھڑے اس کے رخصت کے منظر کو گھور رہے تھے۔

ہوا اپنی رفتار کو محض اس لئے سبک کر لی تھی کہ اس کی پُر درد چیخوں کو "میکہ" میں پھر ایک بار سن لے غرض جس سے وابستہ ہونے کے لئے یہ سب کچھ ہوا وہی لاپرواہ۔ بیزار تو پھر زندگی کس کیلئے؟

شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو ایک سیرے سے سب بدل گئے۔ وہ بھی جنہوں نے بڑے چاہ و ارمان سے نسبت کی تھی۔ بڑے بڑے دعوؤں سے بیاہ کر لائے تھے۔ ان سے اب ذرا ہمدردی نہ ہوتی تھی۔ غیبت کا بازار گرم تھا۔ سامنے بھی طعن و تشنیع سے نشانِ ملامت بنایا جاتا تھا۔ پیٹھ پیچھے تو بھی کہتے تھے غرض بقول شخصے ؎

ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کے سب مجھ پہ مشق اے احباب ۔۔۔ رہے نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے
ہوتے جو طعنۂ اعدا کبھی ذرا کو بند ۔۔۔ زباں سے کام اعزا نے خود زباں کیلئے

شوہر صاحب کبھی منہ لگا کر بات نہیں کرتے۔ گھر آئے مہان داخل۔ جیسے کوئی گلہ ٹالتا ہے۔ یا فرض اُتارتا ہے۔ دفتر سے آئے چار پی۔ پھر "احباب نوازی" کے بہانے چلے گئے۔ تو کبھی پہر رات گئے گھر میں قدم رکھا۔ کبھی مرغ سحر کے ساتھ دروازہ پہ دستک دی۔ یہاں ع جو شمع تھی دلیل سحر سو خموش ہے۔

محبت کی شادیوں کو بھی دیکھ لیا۔ بڑے بڑے ناک والوں کی ناکیں نیچی ہوگئیں۔ جہاں جتنی وافر محبت کی لن ترانیاں تھیں وہیں زیادہ نفرت دیکھی۔ لیکن بحیثیت ایک "بیوی" کے اس کو سب کچھ جھیلنا پڑتا اندر ہی اندر گھول گھول خشک ہو جائے۔ خون دل آنکھوں کی راہ تنہائی میں بہانا بدرجہا بہتر بہ نسبت اس کے کہ زبان سے دلی کیفیات کا ہر شخص پر اظہار کرے۔ اس سے خود بھی ذلیل ہو۔ جو وابستہ ہیں ان کو بھی ذلیل ہوتا ہوا دیکھے۔ اس سے تو پہلے ہر قسم کی اصلاح کرے۔ سب ہتیار جب کند ہو جائیں تو خموشی کو اپنا شعار بنائے اور "شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن" پر عمل کرے۔ کیونکہ جو لوگ زیادہ گوئی کرتے ہیں ان کی قدر و منزلت کا پایہ گر جاتا ہے۔ طعن تشنیع۔ گلہ شکوہ۔ شکایت ملامت ان کا بھی محل و موقع ہوتا ہے۔

ہر وقت ہر موقع پر پرانا دکھڑا لے بیٹھنا اس سے اور بھی رہی سہی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ عورت کی زندگی کا یہی طور اس کو سنجیدگی کا ایسا سبق سکھلاتا ہے۔ جو مدت العمر اس کو یاد رہ جاتا ہے۔ تیسرا دور مایوسی بدنصیب ہستیوں کو بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے قبل ہی ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے دنیا میں مسرت و سکون کا منہ نہ دیکھا قبر کا گوشۂ عافیت ان کے لئے طمانیت ابدی ثابت ہوتا ہے۔ میرے خیال میں جن کی قسمت میں ایسے لوہے کے چنے چبانے ہوں اُن کی زندگی کا خاتمہ دور اول ہی میں ہو جائے تو بسا غنیمت — کیونکہ — "ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں۔ کرم کے ساتھی نہیں" ———

اکثر ایسے اتفاقات وہیں ہوتے ہیں جہاں شادی سے قبل کافی طور پر چھان بین نہیں ہوتی۔ برابری کا جوڑ بہت دشوار ہے۔ قبل از وقت کی تکالیف بعد کے پچھتاوے سے بہتر ثابت ہو چکی ہیں ——— مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد ——— وقت کا ایک ٹانکہ نو ٹانکوں کی زحمت سے محفوظ رکھتا ہے۔ کبیر داس کا ایک دوہا اس وقت حسب حال معلوم ہوتا ہے ——— "ادتم سے ادتم ملے۔ نیچ سے نیچ۔ پانی سے پانی ملے۔ کیچ سے کیچ" ——— !!

جہاں شادیوں کے انجام ناگوار و غم انگیز ہوں وہاں پہلی چیز طبیعتوں کا اختلاف ہے۔ شادی میں بڑی چیزیں حسب و نسب ہیں۔ ورنہ سراب سے کوئی سیراب ہو سکتا ہے؟ کیا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے زبانِ حال سے خود گویا نہیں کہ ہم جلانے کے لئے ہیں؟ کیا آفتاب کا نکلنا خود آپ اس کی دلیل نہیں کہ آفتاب نکلا؟

جہاں اصلیت کی جانچ نہیں ہوتی وہاں لڑکی کی جان ضیق میں نہ ہو تو کیا ہو۔ گزارہ کرنا تو اس کو ہے شادی بیاہ کی تیاریوں میں جو حصہ لیتے تھے ان کو اپنے حلوہ مانڈے سے کام۔ اب اس کی نئی زندگی نمونۂ جنت ہو یا گہوارۂ جہنم ——— جہاں حسب نسب کو اہمیت نہیں دی جاتی وہاں اس کے لین دین پر نکتہ چینی ہے۔ اس کے بیاہ کے اہتمام پر اعتراض ہے۔ اس کے والدین کی کمزوریوں پر حاشیہ آرائی ہے۔ حالانکہ خود پر یہ قول صادق آتا ہے ؎

تجھے کیوں فکر ہے اے گل! دلِ صد چاک بلبل کی تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے!!

غرض ایک ہو تو کوئی سنے ۔ دو ہو تو خاموش رہ سکے ۔ جب اس طرح زندگی کی ہر صبح نہیں ہوتی اور شام ہو جاتی ہے ۔ وہاں "دق و سل" ہی اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور یہی دوست بنجاتے ہیں ۔ بلکہ اس کا ان امراض کا شکار ہو جانا اس زندہ درگور رہنے سے بدرجہا بہتر ہے ؎

آہ ——— مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے ؟

دنیا دکھاوے کو جو لوگ اہمیت دیتے ہیں وہ بیٹی کی شادی کر کے عمر بھر کے لئے قرض کا انبار پنجاتے ہیں جن کا نصب العین یہ ہو ——— بقول میر انیس ؎

پروا نہیں پیوند ہوں گر رخت بدن میں
مرتے ہیں بس اس پر کہ تکلف ہو کفن میں !

ایسی شادیاں دونوں خاندانوں کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں ۔ خصوصاً لڑکی والوں کے لئے تو دنیا جہنم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے ۔ قرضخواہوں سے نجات نہیں ملتی ۔ ڈگریاں ' نالشیں ' مکانات و املاک کی ضبطی کی دھمکیاں ۔ ان سب پر جن کے لئے تپکے وہ بھی ناخوش ——— دنیا کا لیکر سسرال جاؤ تو بھی وہاں نام جو دھرا جاتا ہے وہ کہیں گیا نہیں ——— ایک ایک ٹانکہ پر سو سو صلواتیں ۔ سلیقہ نہیں تھا ——— اماں ایسی پھوڑ تھیں تو بیٹی کیا کر رہی تھیں ——— وغیرہ وغیرہ ' مگر دل ہی جانتا ہوگا کہ کیسی بنی آئی ۔ اماں باوا نے سارا کیا دھرا بیٹی کے نذر چڑھا دیا ۔ پھر قرضدار بھی ہو گئے ۔ خیر سے پھر کچھ نام بھی نہیں ———

ارے دنیا ——— پیسے پر جان دینے والی بے حقیقت گذرگاہ ! تیرے مدنظر اگر یہ ہو جائے کہ اُن پر سے جان و مال صدقہ ہیں تو پھر آج تجھ میں کوئی عیب نظر نہ آئے ۔ لیکن کہاں تجھ میں اور حبشی ——— تجھ کو جونک لگی ! تیری حرص روز افزوں ہے ۔ طمع تو تیری گھٹی میں ہو گئی ——— لالچ تو تیرے ہر ادنیٰ کرشمہ سے عیاں ہے ۔ تو ذاتی حسن و قابلیت کی خواہاں نہیں تو طلائی ۔ نقرئی ۔ دھاتوں پر جان دیتی ہے ۔ جہاں کوئی سونے کی چڑیا نظر آئی تو اس کی ہمرکاب ہو گئی ۔ "دوسری زندگی" "یہ بھی کہیں" "سوکن کا جلاپا" جیسا ——— کہیں "ہو گی" کاٹی ۔ جو ایک سے

ایک بڑھ کر ثابت ہوسے۔ جس میں وارد ہوتے ہی ع جل گیا باغِ زندگی آگ لگی بہار میں !!

———(۳)———

تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں پرورش اولاد کی اہم ذمہ داری پڑتی ہے۔ ایک باغبان کی حیثیت سے ان کی غور و پرداخت اس کا فرض ہے۔ جو اس کو قدرت نے ودیعت کئے ہیں۔ جن کا پروان چڑھنا قوم کا نشو و نما پانا ہے۔ ملک و قوم کی ترقی کا راز جن کے رگ و ریشہ میں مضمر ہے۔ جن کے "رجحان طبیعت" کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ جن کا "میلان طبع" فوری التفات کا محتاج ہے اور اسی پر زندگی کا سنگِ بنیاد رکھا جاتا ہے۔ اس کی آیندہ زندگی کا راز پہلے قدرت "ماں" کے آنکھوں کے سامنے کھولدیتی ہے۔ ہاں اسی کے ——— جس کے قدموں کے نیچے جنت ہے!! ——— ع شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد!!۔

غرض ——— یہ ہے عورت کی زندگی اور تینوں دور کی مختصر تفسیر۔

اردو شعر کہنے والی خواتین کا تذکرہ

صنفِ نازک کی ادبی خدمات افسوس ہے کہ بہت کم نمایاں کی گئیں اس طبقے کے ادبی مذاق اور اس کے ارتقار کی کوئی تاریخ نہ لکھی گئی اور نہ کوئی سنجیدہ تذکرہ ہی ترتیب دیا گیا۔ ہم نے اسی خیال کے مدنظر "اردو شعر کہنے والی خواتین" کا تذکرہ ترتیب دینا شروع کیا ہے۔ ابتدا سے آجتک جس قدر اردو شعر کہنے والی خواتین گزری ہیں۔ ان کے حالات اور کلام کے نمونے ایک حد تک فراہم کرلئے گئے ہیں۔ براہ کرم آپ اپنے حلقۂ اثر میں اس تذکرے کا تذکرہ فرمادیں اور اپنی ملنے والی خواتین کے حالات اور کلام کے نمونے روانہ کریں تو نہ صرف مجھ پر بلکہ ادبِ اردو پر احسان ہوگا۔

نیاز مند

سید تمکین کاظمی حیدرآباد دکن

Safina-i-Niswan.

مسلم خواتین کا ماضی حال اور مستقبل

از

محترمہ نگینہ قاسمی صاحبہ (مومن آباد)

محترمہ بہن صادقہ۔ تسلیم نیاز۔

محرم "نمبر" میری نظر سے گزرا۔ "احوال ما" میں میلاد نمبر کا اعلان میرے لیے پنبہ کاریٔ داغِ جگر ہوا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں طلائی تمغہ کا ذکر ہے اور نہ اس لئے کہ اس سے قلم آزمایانِ ادب کی جانچ منظور ہے۔ بلکہ جس چیز نے میرے دل کی کریدنی دھڑکی اور جس نے میری قسمت خفتہ کو مژدۂ بادہ گساری سے بیدار کیا۔ وہ عنوان نمبر (۲) یعنی "مسلم خواتین کا ماضی حال اور مستقبل" ہے۔ جس کے تحت میں اپنے اُن خیالات کو نہایت آزادانہ پیش کرنے کی جسارت کر رہی ہوں جو مدت سے خلشِ دل کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے۔ مگر افسوس کہ جس قدر لکھنا چاہتی تھی۔ اتنا نہ لکھ سکی کیونکہ وقت بہت کم رکھا گیا ہے اور اتفاق سے مجھے محرم نمبر بعد از وقت ملا۔ ہاں اگر یہ مضمون بکار ہوتی تو شاید ذرا سی فکر کر کے مضمون کے صفحے لکھ ڈالتی۔ بہرکیف مجھ سے جس قدر ممکن تھا اور جو میرے دلی خیالات تھے۔ انہیں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کر رہی ہوں "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

(نگینہ قاسمی)

پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ عورت کیا ہے؟

عورت ایک مظہرِ جمالِ ربانی ہے اور ماؤں کی روحی خوبیاں رحمدلی، صبر، محبت، بے غرضی، اعتماد، شرم و حیا ہے۔ پس اصلی عورت وہی ہے جس میں یہ سب خوبیاں یا ان میں سے زیادہ پائی جائیں۔ عورت کے ایک معنی پردے کے بھی ہیں۔

مسلم خواتین کا ماضی مسلم عورت اُس زمانہ کی جب کہ ساری دنیا اُس کے اسلاف کے آگے سرنگوں تھی اور وقت کی جگہ ادب فلسفہ حکمت مسلمانوں کی سرپرستی میں اپنے انتہائی عروج پر پہونچ چکے تھے۔ ہاں اُسوقت عورت نام تھا نسائیت کا بہترین کا وہ نمونہ تھی عصمت دلداری کا مرقع تھی شرم و وفاداری کی دلدادہ ملکہ تھی۔ تربیت اولاد اُس کا فرضِ عین، اطاعت شوہر اُس کے لئے عبادت سے بڑھ کر تھی۔ یہ تھی اگلی عورت اور اوس کی مختصر تعریف۔

یہ بات مشہور ہے کہ اگلے زمانے میں عورت کا درجہ ایک جاہل ان پڑھ محکوم اور خادمہ کا تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے عہدِ نبوت میں بھی اکثر عورتیں تعلیم یافتہ تھیں۔ پڑھنا لکھنا جانتی تھیں۔ البتہ بی۔ اے کی ڈگری سے محروم تھیں۔ انگریزی تعلیم کے دُم چھلے اُنکے پیچھے نہیں لگے تھے۔ احادیث و فقہ قرآن و تفسیر اُنکے پسندیدہ کتابیں تھیں۔ گلستاں بوستاں، مثنوی شریف اُنکے ناول تھے اور ان ہی سے اونکی دلچسپی ہوتی تھی۔ علامہ بلاذری مصنف فتوح البلدان کی تاریخ میں جہاں سترہ پڑھے لکھے اشخاص کا ذکر ہے وہاں یہ بھی درج ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں پانچ چھ تعلیم یافتہ خواتین بھی تھیں۔ اُس کتاب میں یہ بھی لکھا کہ آنحضرتؐ نے اُم المومنین حضرت حفصہؓ کو تعلیم دینے کیلئے شفا بنت عبداللہ کو طلب فرمایا تھا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت اُم کلثوم بھی فنِ کتابت جانتی تھیں۔ شفا حفصہ اُم کلثوم عائشہؓ کریمہؓ اور اُم سلمہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب کی تعلیم یافتہ خواتین گزری ہیں۔

تہذیب النسا مصنفہ علامہ نووی میں بھی عرب کے تعلیم یافتہ خواتین کا ذکر ہے۔ عصر اول میں عورتیں مدارس میں بھی جایا کرتی تھیں اور بچوں کے ساتھ علوم حاصل کرتی تھیں۔ ان کے معلم عموماً مرد ہوا کرتے تھے۔ نویں صدی کی تاریخ میں کوفہ کے ایک مدرسہ کا ذکر موجود ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بعض عورتیں بلکہ ایک کنیز بھی فقہ و شرع تفسیر احادیث طب و حکمت فلسفہ منطق و ادب پر کافی عبور رکھتی تھی۔

تعلیم کے علاوہ عرب و ایران کے اکثر خواتین سیاسیات اور ملکی کاروبار میں بھی مشہور رہیں۔ اکثر جنگ کے نقشے

عربی خواتین کے ذمہ انتظام طعام اور نگرانی اشیاء ہوتا تھا اور بعض وقت تو وہ خود تلواریں لے کر میدان جنگ میں کود پڑتی تھیں اور بوقت ضرورت مردوں کے ساتھ وہ بوجھ بھی اٹھاتی تھیں۔ بہرکیف وہ سب کچھ کرتی تھیں مگر دائرہ نسائیت کے اندر رہ کر تہذیب و اخلاق کے تابع ہو کر انکی ساری حریت و آزادی عین شریعت کے مطابق تھی۔ شرم و حیا رسم و رواج کے خوبصورت زنجیروں سے ان کے قدم گراں بار تھے۔ انکے آغوش بچوں کے لئے بہترین تربیت گاہ تھے۔ بڑے بڑے اولیاء و علماء ایسے بھی گزرے ہیں جو صرف ماں کی تربیت کی وجہ سے آج چاردانگ عالم میں مشہور ہیں۔

یہ تو گزشتہ زمانے کی مسلمان عورتوں کے مختصر حالات ہوگئے۔

مسلم خواتین زمانۂ حال میں اب عورت نام ہے تختہ بازاری کا۔ عکسی تصویر کا۔ عریانی کا۔ بے حیائی کا۔ نمود و نمائش اور مشاطگی اس کا دلچسپ شغل ہے۔ تقلید فرنگ نسائیت کا زیور۔ تعلیم کا مقصد صرف چند حیاسوز انگریزی کتابوں کے مطالعہ پر موقوف۔ گو یوں تو تعلیم نسواں عام ہوتی جارہی ہے۔ روز بروز مدرسوں اور کالجوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ طلبہ کی بھی بہت کثرت ہورہی ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ ترقی دراصل زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوائے چند کورس کی کتابوں کے وہ بھی انگریزی ہماری بہنیں اور کچھ نہیں جانتیں۔ لکھنا تو بڑی بات اچھی طرح پڑھنا بھی نہیں آتا۔ انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ سرکار دو عالم کی کتنی بیویاں تھیں اور انکے کیا کیا نام تھے۔ کربلا کے وجوہات کیا ہیں۔ نماز میں کتنے ارکان ہیں۔ خیر یہ تو بڑی بات ہے کلام مجید بھی شاید ہی شکل سے ہماری دو ایک فیشن ایبل بہنوں نے ختم کیا ہو۔ بھلا جن کے مذہبی معلومات کا یہ حال ہو تو آپ ہی بتلائیے کہ انکے عقائد کا کیا حال ہوگا۔ میں بخدا آپ لوگوں سے سچ عرض کرتی ہوں کہ میں نے ہمارے ملک کی اکثر مدرسہ جانے والی لڑکیوں کو دیکھا ہے کہ وہ مسلمان ہیں مگر طریقہ عبادت عیسائیوں کا سا ہے۔ میری بہنو سچ مانو کہ میں جس وقت ان مسلم خواتین کو اپنے ماتھے اور سینے پر صلیبی نشان بناتے دیکھتی ہوں تو میرا خون پکنے لگتا ہے۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ دوسروں کے لڑکیوں پر میرا کیا بس چل سکتا ہے۔ جب والدین خود دیکھ کر چپ ہو رہتے ہیں تو کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے۔ ایک وہ نہیں انکی مینجمنٹ عاقل و بالغ نئی تہذیب کے پروانوں کا نام گستاخی ہو گا ایسا کرنا جرم ہے۔ اسلئے چپ ہوں۔

آہ جب کسی مسلم عورت کو جاہلی لینے کے بعد اپنی مذہبی آیت کو چھوڑ کر گاڈ GOD کہتے سنتی ہوں تو روتی ہوں کہ اسی کا نام مسلمانی ہے؟

سنتے تھے کہ مذہبی عقیدتمندی اور رسم و رواج کی پابندی عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مگر آج کل تو عورتوں سے بڑھ کر مرد ہی اپنے مذہب اور ملت پر ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ مجھے بتلائیے کہ کتنی عورتیں ایسی ہیں جو کم از کم مہینہ میں چار دن پنجوقتہ نماز پڑھتی ہیں۔ چراغ لے کر ڈھونڈئیے تو شاید ہی کوئی ایسی بدقسمت ہوگی جس میں یہ خوبیاں موجود ہوں۔ ہاں سینما تھیٹر پر جاں نثار کرنے والیاں سینکڑوں ملیں گی اور اُن سے یہ پوچھئے کہ بہن نماز کیوں نہیں پڑھتیں تو جواب ملیگا کہ "خدا کو دل سے یاد کرنا نماز سے بڑھ کر ہے"۔ اب بتلائیے کہ ایسا عابد دل رکھنے والیوں کو نماز کی کیا ضرورت جن کے پاس نماز روزہ کا نام ور ستگی سے کا انہیں روزہ کی برکت سے کون واقف کر سکیگا۔

اے یورپ کی بتقلید امغرب کی پرستار وہاں کی عورتوں سے پوچھو کہ اون کی زندگی کس قدر عذاب میں ہے کشاکشِ غمزہ کی داستان اُن سے سنو وہ بتلائیں گی کہ اُن پر کیا کیا ستم نازل ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس عورت نام ہے جسم کا اور ہمارے پاس اصلی نسائیت صرف روح پر موقوف ہے۔ بے حیائی عصمت و عفت فروشی اُن کیلئے اونی سی بات ہے۔ ہمارے پاس زیور حیا۔ عورت میں یہ نہیں تو اُس کا وجود بیکار۔ میری بہنو یقین مانو کہ آج کل ہمارے ملک کے انگریزی مدرسوں میں تعلیم سے زیادہ فن آرائش جسمانی کے مغربی قاعدے سکھلائے جاتے ہیں۔ عارض و لبوں پر پینٹ (PAINT) کس طرح کرنا چاہیئے جسم کو چلتے وقت کیوں کر لچکانا چاہئے۔ بات کرتے وقت آواز میں ترنم پیدا کرنا اور آنکھوں کو گھمانا وغیرہ وغیرہ۔

بہرکیف کسی طرح بھی ہو اپنے آپ کو ایک رنگین و بولتی تصویر بنائے رکھنا آج کل کی تعلیم کا ماحصل ہے۔ تھرکنا، ناچنا جو کسی زمانے میں صرف طوائفوں کے لئے مخصوص تھا وہ آج داخل فیشن ہی نہیں۔ بلکہ اس کی باقاعدہ مدرسوں میں تعلیم دیجاتی ہے اور اُسے آرٹ کا بہترین کمال قرار دیا گیا ہے۔ محبت جس کو زمانہ حاضرہ کی تعلیم یافتہ خواتین (LOVE) کہتی ہیں ان کے نزدیک بغیر اس کے مکمل عورت نہیں کہلا سکتی۔

خوبصورت خوبصورت انگریز مرد اور امریکن ایکٹروں کے تعاویر سے اُنکے کمرے آراستہ ہیں اور یہ اُنہیں ہر روز گھنٹوں کھڑی ہو کر محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہتی ہیں۔ کبھی اُنہیں آنکھوں سے لگاتی ہیں کبھی سینے سے چپٹاتی ہیں اور پھر چومتی ہیں! ہارمونیم اور پیانو نوازی اُن کا روزمرہ کا کام انگریزی نغمہ سنجی اُن کے فرصتی اوقات کا مشغلہ۔ نیم عریاں جامہ تو بہت دنوں سے ان کا مرغوب لباس ہے۔ مگر آیندہ عریانی بھی منظور نظر ہو جائے گی۔

میری سمجھدار بہنو کیا اسی کا نام تعلیم ہے! کیا یہی نسائیت ہے! جس پر مشرق کسی زمانے میں نازاں تھا—

کیا ہمارا مذہب اس کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ بھلا آپ ہی بتلائیے کہ جس عورت کے کچھ گھنٹے بننے سنورنے میں صرف ہو جایا کریں۔ اور کچھ تو بجانے اور گانے میں کچھ تو بریک فاسٹ، لنچ اور ڈنر کے بعد سگریٹ کشی میں اور کچھ تو فرنڈز FRIENDS کی آؤ بھگت میں تو پھر شوہر کی اطاعت کرنے کو وقت کہاں سے لائیں گی امور خانہ داری کی کیونکر دیکھ بھال کر سکیں گی! اور پرورشی اطفال اُن سے کیسے ممکن ہے؟

موجودہ دور کی عورت کا مستقبل خیر یہ تو سب کے آنکھوں دیکھی باتیں ہیں اس کے ذکر کو کسی طرح جلد ختم کیونکہ اصلی پرلطف قصہ تو اِس کے بعد آتا ہے جب کہ عورت نام ہوگا۔ ایک زنگیں پری جس کا کبھی زمانے میں راجہ اندر کے اکھاڑے میں گزر ہوتا تھا۔ مئے نوشی اور قمار بازی میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش بلکہ بہت کچھ آگے ہوں گی۔ ناچ گھر قائم ہوں گے پارک میں چہل قدمی کرنا ضروری ہوگا۔ باغوں کی روشوں میں مصروف گل گشت ہونگی اور کوچوں میں بیٹھی فلسفہ محبت و جمالیات کے ادق مضامین کہا کریں گی۔ موٹر خود چلائیں گی اور شوہر اُنکے بازو بیٹھے ہوں گے۔ مذہب حرف غلط کی طرح اُن کے دلوں سے مٹ چکا ہوگا عفت و عصمت کی حفاظت اصول سوسائٹی کے خلاف ہوگی بجائے پہر کے صبح ہوگی اور پھر بادہ خواری و مجسم سرمستی کا ہجوم ہوگا اب کیا کہوں کہ کیا کہنا چاہتی ہوں؟!! ———————

مجھے افسوس ہوتا ہے اور تعجب بھی کہ وہ اوصاف جو نسائیت کی جان تھے۔ عصر حاضرہ کی خواتین صرف ذوق نظر کی تکمیل اور جلوہ گری کے حرص میں ترک کر دینے پر آمادہ ہیں۔ مانئے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اُصول کی تکمیل میں نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ آدھی ملی نہ ساری۔ اُن کا یہ خیال کہ ملکی کاروبار میں مردوں کا ہاتھ بٹائیں گی محض بے بنیاد ہے بلکہ وہ غریب مردوں کو بھی بیکار کر دیں گی۔ البتہ اُن کی حیثیت شمع مجلس عیش نشاط کی ہوگی اور مرد پروانوں کی طرح نثار ہوتے رہیں گے۔ مگر یہ کب تک؟ صرف اُس وقت تک، جب تک شباب ہے اور اس میں کشش وہ از تنگی۔ پھر اُس کے بعد زہر کا پیالہ ہوگا۔ جو عورت کو پنجۂ ظلم سے نجات دلائے گا۔ یہی حال آج یورپ کے خواتین کا ہے۔ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب دشمن اختیار کرنے والوں کا انجام مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کورانہ تقلید کسی کام کی بھونڈی نقل سے کیا فائدہ۔ وہ کرو جو درحقیقت کرنا ہے جس کی ضرورت ہے۔ وہ حاصل کرو سیکھو۔ مگر وہ نہیں جو تمھارے کام نہ آئے۔ اچھی چیز ہی سیکھی جاتی ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔ دُنیے سے دیا یوں ہی جلتا رہے گا۔ "عرب نے عجم سے سیکھا اور عرب سے یورپ اور تمام دنیا نے اچھی اچھی چیزیں حاصل کیں۔

مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے بیحد صدمہ ہوتا ہے کہ دکن جو مخزن ہے علوم کا جہاں اردو زبان کی سرپرستی ہو رہی ہے۔ جامعہ عثمانیہ جس کا قیام محض ترقی زبان مادری کے لیئے ہے۔ جہاں کا سارا نصاب زبانِ اردو میں ہے۔ اگر وہاں تعلیم نسواں زبانِ انگریزی میں دی جائے تو کس قدر ظلم ہے۔ محبوبیہ گرلز اسکول کا سارا نصاب انگریزی میں ہے۔ وہاں معاشرت مغربی وہاں کے مبشر معلمین یورپ والیاں۔ اردو تو محض نام کو رہ گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں رکھا گیا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ ہمارے مرد تو اردو زبان میں تعلیم پائیں اور عورتیں انگریزی میں۔ کیوں نہیں وہاں بھی عثمانیہ کی طرح سارا نصاب اردو میں کر دیا جاتا۔ آئے دن تمام نسوانی فضا اس مغربی بادِ سموم سے مسموم ہوتی جا رہی ہے۔ قبل اس کے ہم مدعی زید کو الزام دیں ہم اراکین محکمہ تعلیمات ہی کو منصف بناتے ہیں کہ بھلا اس توبہ شکن اور ولولہ انگیز صحبت میں اگر ہماری مسلم بہنوں کی توبہ نے لغزش کھائی اور اس جام عہد فراموش کو منہ سے لگاتے ہی بنی جو مغربی معلمہ کے دستِ طلائی نے پیش کیا ہو تو انصاف کیجئے کہ آخر پہلو میں دل کس کے نہیں چاہے عورت ہو یا مرد اور پھر یہ تو وہ مقام ہے۔ جہاں ہاروت ماروت کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ یاد رکھیئے کہ صحبت صالح ترا صالح کند۔ صحبت طالح ترا طالح کند۔ اگر ہم شیر کے منہ میں ہاتھ دیکر یہ توقع رکھیں کہ وہ آسے نہیں چبائے گا۔ تو ایسے انسان کو کیا کہیں گے؟ مغربی خواتین سے مشرقی تعلیم کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے۔ انکی اور ہماری تہذیب میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا کہ زمین و آسمان میں۔

چونکہ اس مسئلہ پر بحث کرنا بالکل بے محل ہے اس لیئے میں اس آخری التجا پر ختم کرتی ہوں کہ میری سمجھدار بہنیں جہاں تک ممکن ہو سکے محکمہ تعلیمات کو توجہ دلائیں کہ طبقہ نسواں کے تعلیمی نصاب کو اردو میں کر کے امور خانہ داری و حفظانِ صحت کی جانب اپنی توجہ خاص مبذول رکھے۔ تاکہ لڑکیاں جن پر قوم کے بننے و بگڑنے کا انحصار ہے صحیح طور پر "گھر کی ملکہ" کھلائے جانے کی مستحق ہوں۔

(از جناب محمد عبدالسلام صاحب فکی عثمانیہ)

شمع رخِ مصطفےٰ کا پروانہ ہوں — میں حسنِ حبیبِ حق کا دیوانہ ہوں
کوثر پہ بہشتوں کو جو مل نہ سکے — اس مے کا چھلکتا ہوا پیمانہ ہوں

ہمارے نبیؐ

(از جناب سید غلام حیدر صاحب رائیٹ لاج شملہ)

ہمیں کیا پرسشِ اعمال کا ڈر ہو قیامت میں — رسولِ پاک جب شافعِ روزِ جزا پایا

آفتابِ رسالت ۲۰ اپریل سنہ ۵۷۱ء کو افقِ عرب سے طلوع ہوا جسکی ضیا پاش کرنیں کو قیامت کرنیکا تہیہ کراتی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب کفر و ضلالت کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ اسوقت ملکِ عرب میں بت پرستی خونریزی۔ غرض درجۂ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس بات کی اصلاح کے لئے رب العالمین نے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہؐ کو ایسے ملک میں پیدا کیا تاکہ انکو راہِ راست پر لائیں اور آقائے نامدار کی پیدائش بھی اس گھرانہ اس قبیلہ میں ہوئی جو بت پرستوں کی صف میں سب سے اول تھا۔ آنحضرتؐ ابھی دو ماہ ہی کے نونہال تھے کہ سایۂ پدری سرِ اقدس سے اٹھ گیا اس واقعہ کے چند ہی سال بعد والدہ معظمہ نے بھی داغِ مفارقت دے گئیں حضورؐ یتیم ہو گئے۔ انکے چچا کے اور کوئی وسیلہ نہ تھا حضرت ابو طالب نے حضور کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ گو ابو طالب کچھ زیادہ امیر نہ تھے۔ مگر سوداگری کے شائق تھے جسکی وجہ سے وہ اکثر شام کیطرف تجارت کیلئے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب فلسطین جانے لگے تو آنحضرت کو بچہ سمجھکر ساتھ لیجانے سے انکار کیا۔ اب اس دریتیم کو پیارے چچا کی جدائی سوہانِ روح ثابت ہونے لگی۔ کیونکہ ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت کا کوئی ایسا ہمدرد نہ تھا جو آپکی خبرگیری کرتا۔ لیکن آنحضرت کی محبت کے جوش نے حضرت ابو طالب کو رضامند ہی کر لیا۔

اس کے متعلق عیسائی مورخ یوں تحریر کرتے ہیں کہ "جب آنحضرت اپنے چچا کے ہمراہ شام کے ملک میں گئے تو وہاں سوداگری کے متعلق یہ تجربہ ہوا۔ جو اس یتیم کے سود سے کیا تھا کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس سفر میں حضور کو عیسائی اور یہودی راہبوں سے تبادلۂ خیالات کا ایک اچھا موقع مل گیا۔ اسی موقع پر آنحضرتؐ نے مذہبِ اسلام کی بنیاد رکھی۔" والدین کی مفارقت نے آپکو تقویٰ اور طہارت کا عادی بنا دیا تھا۔ شروع ہی سے دنیا کے مال کی طرف بہت کم راغب تھے۔

اس دریتیم نے جو کارہائے نمایاں کئے اس کی نظیر آج دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ جس نے کعبے کے بتوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا۔ جسکی ذاتِ والاصفات نے مجوسیوں اور ایرانی آتشکدوں کو ہمیشہ کیلئے گل کر دیا۔ جس نے کلیسا کو تختِ دنیوی اور عطائے دینی سے محروم کر دیا۔

حضور کی زندگی کے حالات ہمیں اعلیٰ اعلیٰ سبق سکھاتے ہیں کہ آنحضرت کریم النفس و سخی تھے۔ یتیموں پر رحم کرتے تھے۔ حضرت نے خضرِ رہبر بنکر گم گشتہ راہ لوگوں کو راہِ راست پر لگایا۔ ختم کرنے سے پہلے میں اس ذاتِ اقدس کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ اپنی گنہگار امت کی طرف نگاہِ رحمت فرمائی جائے۔ کیونکہ ہمارے گناہوں سے پروردگار کی رحمت زیادہ ہے۔

تہی دستِ عمل ہوں میں لاج تو ہی رکھنے والا ہے — بھرے مجمع میں محشر کے نہ کھل جائے بھرم اپنا

Safina-i-Niswan.

اسلام میں عورت کا درجہ

(ماخوذ)

محترمہ مریم بانو بیگم صاحبہ

اسلام سے قبل "عورت" کی حالت نہایت تباہ تھی۔ وہ بحد ذلیل و خوار تھی اور جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ اس کی ذات ہر قسم کے ظلم و تعدی کی آماجگاہ تھی۔ اس کا وجود ہر تضحیک و تذلیل کا سزاوار تھا۔ ذلت و رسوائی گویا اُس کا پیدائشی حق متصور ہوتا وہ ایک نہایت ہی ناپاک اور گنہگار ہستی سمجھی جاتی تھی۔ بعض مذاہب اپنے معبدوں میں "عورت" کے داخل ہونے کو روادار نہ تھے۔ بعض مقدس دیوتاؤں کی پرستش "عورت" کے لئے ناجائز تھی۔ "صاحبانِ گوش و ہوش" نے اس کو "ناقص العقل" کا لقب تو دے ہی رکھا تھا۔ بعض "مدعیانِ علم و دانش" کے نزدیک اسا روح جیسی لطیف شئے سے بھی یکسر محروم تھی۔ باپ بھائی کی کمائی میں وہ حصہ دار نہ تھی۔ شوہر کی دولت و ثروت سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا۔ بلکہ بعض مذہبوں میں خود عورت مثلِ دیگر بے جان اشیائے میراث کے تقسیم ہوتی تھی۔ کوئی اُسے "شیطان کا آلۂ کار" بتاتا۔ کوئی "گناہوں کا دروازہ" کہتا۔ کوئی "مکر و فریب کا مجسمہ" قرار دیتا۔ کسی نے برائی کی جڑ اور کسی نے شر و فساد کی اصل کا خطاب دیا۔ بعض نے حضرتِ انسان کے جدِ اعلیٰ کو انہیں گمراہ کرنے اور گنہگار بنانے کا الزام لگایا۔ اور تمام اولادِ آدم کی معصیت اور تباہی کا موجب یہی "ننگ ہستی" قرار پائی اور بنا بریں "دائمی لعنت کی مستحق ٹھیری"۔ غرض کلیسا اور خانقاہ دونوں نے اس پھول کو کانٹا سمجھا۔ اور "ان کانٹوں میں دامن الجھانا راست روی کے خلاف قرار دیا گیا"۔ دنیا میں ہر طرف سے اُس پر قہر و غضب طعن و تشنیع کے تیر برس رہے تھے۔ اور وہ یکہ و تنہا ہدفِ ملامت بنی ہوئی تھی۔ چین، جاپان، مصر و یونان، فارس اور ترکستان ہر خطۂ زمین اس کیلئے

دوزخ ہی بنا رہا۔ ہر جگہ وہ مطعون وملعون ہی رہی کہیں زندہ درگور کی گئی کہیں دیوی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھی، کہیں مردوں کے ساتھ ستی ہوئی۔ الغرض ابن آدم نے خوب دل کھول کر اس سے انتقام لیا لیکن ہنوز اس کی آتشِ انتقام فرد نہیں ہوئی۔ ہر جگہ اس کے کان عزت وحرمت کے الفاظ سے ناآشنا۔ اس کی آنکھیں شفقت ومحبت کی نگاہوں سے بیگانہ رہیں۔ ہر مقام پر اس کا مقصدِ حیات مردِ ظالم وخودغرض مرد کی آتشِ نفسانیت کو ٹھنڈا کرنا۔ اس کے ظلم کی پیاس کو اپنے خونِ دل سے بجھاتا ہی رہا۔ آہ! اس وسیع دنیا میں اس کا کوئی یار ومددگار نہ تھا! مغرب تمدن کا گہوارہ تہذیب کا سرچشمہ مغرب! اس کو خدا کے برابر سمجھتا ہے۔ اس کا قول ہے "جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی" اس نے "عورت" کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ کس حد تک اپنے مقولہ پر عمل پیرا ہے؟ ذیل کے واقعات سے آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اس میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں۔ وہاں شوہر اپنی بیوی کے گلے میں مثل جانوروں کے رسی باندھ کر بازار میں فروخت کر ڈالنے کا مجاز تھا۔ یورپ میں آج سے سو سال پیشتر تک شوہر بالعموم اپنی بیویوں سے نہایت ہی برا سلوک کرتے۔ انہیں انتہائی بے دردی سے زدوکوب کرتے۔ کئی کئی دن گھروں میں بند رکھتے۔ اور اکثر اوقات منڈی میں لے جا کر بیچ ڈالتے۔ عورتوں کی خرید وفروخت کے متعلق باقاعدہ قواعد وضوابط مقرر تھے جو منڈی کی قواعد کی پرانی کتابوں میں تا حال دستیاب ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو نصف شلنگ سے کم قیمت میں فروخت نہ کر سکتا تھا۔ اور جب "عورت" فروخت کی جائے تو اس کے گلے میں نئی زنجیر کا ہونا لازمی ہے۔ کیا "بانیانِ تہذیب انسانی" اس سے بڑھ کر انسانیت سوز نظارے دکھا سکتے ہیں؟ اور "آزادی کے مدعی" اس سے بہتر حریت کامل کے نمونے کہیں پیش کر سکتے ہیں؟

جب ظلم وستم کی حد۔ بربریت کی انتہا ہو چکی۔ بے گناہوں کا خون رنگ لایا مظلوموں کی آہ پُر تاثیر نکلی۔ دفعتاً رحمتِ باری جوش میں آئی۔ ذلیلوں کو عزت، کمزوروں کو طاقت، بے چینوں کو راحت، محروموں کو نعمت عطا کرنے والے نے اپنے لاانتہا فضل وکرم نہایت لطف وعنایات سے ایک "کامل انسان" پیدا کیا۔ جس نے دامنِ انسانیت کے تمام بدنما داغ اور دھبے دور کر دئیے۔ یعنے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا   مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی۔ غلاموں کا مولیٰ

نے بصد جاہ و جلال ظہور اجلال فرمایا اور اُسی نے ایسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی جو افراط و تفریط کی لعنت سے پاک و صاف ہے۔ اس نے مکیں و مظلوم "عورت" کو قعر ذلت سے نکال کر کار زار حیات میں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ یہی وہ شان ہی وہ درجۂ مساوات ہے جس نے ہمارے پاک و مقدس مذہب کو تمام دیگر مذاہب پر فوقیت دے رکھی ہے۔ اسلام نہ "عورت" کو خدا مانتا ہے نہ اس کو حیوان سے بدتر جانتا۔ نہ اس کو ابدی لعنت کا مستحق گردانتا۔ بلکہ اس نے "عورت" کی بہترین تعریف یہ کی ہے کہ "وہ کشمکش حیات میں ایک سکون ایک راحت ہے"۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن کے پاس پہونچکر تسلی پاؤ اور اسی نے تمہارے درمیاں لطف و محبت پیدا کیا"۔ اس نے ان تمام لغو اور بے بنیاد الزامات کا جو حوّا پر عائد کئے گئے قلع قمع کر دیا۔ پڑھیئے "ہم نے آدم اور اس کی بیوی کو باغ میں رکھا اور کہا کہ کھاؤ پیو اور پھرو۔ جس جگہ چاہو۔ لیکن اس شجر کے پاس کبھی نہ پھٹکنا ورنہ تم ظالموں میں سے ہوگے۔ پھر شیطان نے انکو بہکایا۔ اور نکالا ان کو جس آرام میں وہ تھے"۔ "فازلہما الشیطٰن" سے صاف ظاہر ہے کہ فعل شیطان کا تھا نہ کہ نعوذ باللہ حوّا کا۔ اسیطرح "اُن کو بہکایا"۔ اور "نکالا ان کو" سے آدم و حوّا دونوں کا مجرم اور گنہگار رہنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر خدا معلوم صرف حوّا پر کیوں فرد جرم لگائی گئی؟ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی نیک کاموں کی ترغیب دی۔ بُرے کاموں کی ممانعت کی۔ وہاں بیک وقت مرد و عورت دونوں سے مخاطبت فرمائی۔ جن آیتوں میں جنت کی بشارت دی۔ دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ مؤمن مرد اور عورتوں سے یکساں خطاب کیا ہے۔ "جو کماتے ہو خود کماتے ہو جو گنواتے ہو خود گنواتے ہو"۔ فرما کر عذاب و ثواب جزا و سزا کو ہر شخص کے ذاتی اعمال پر موقوف رکھا۔ نہ کہ مرد یا عورت ہونے پر۔ "تم ان کا لباس ہو وہ تمہارا لباس ہیں"۔ فرما کر مردوں کی نام نہاد برتری کا خاتمہ کر دیا۔ "عورت" کی اس سے بڑھ کر اور کیا قدر افزائی ہوگی۔ کہ قرآن کریم کی ایک پوری سورۃ (النساء) ہی ان کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ ایک جگہ "عورتوں سے عمدہ برتاؤ کرو"۔ ارشاد کر کے ان کے ساتھ رفق و ملاطفت کا سبق دیا ہے تو ایک مقام پر "مرد عورتوں کے سردھرے ہیں"

فرما کر انکی محافظت کا حکم دیتا ہے تو کہیں انکے مال و دولت کا خبر گیر عورتوں کو مقرر کیا ہے۔ اگر مرد کو چار نکاح جائز کہہ کر حکم ہے تو ساتھ ہی عدل کی ایسی کڑی شرط لگائی ہے کہ عہدہ برآ ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ عدت، بیوگی، طلاق، خلع، مہر ترکہ پدری غرض ہر عمر اور ہر وقت کے مناسب حال حقوق (جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے) عطا فرمائے۔ اور ان کے ہر موضوع پر نہایت مفصل اور شرح آیتیں قرآن پاک میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ اسلام نے مرد و عورت دونوں کی تشفی کر دی ہے۔ دونوں کے حقوق علیحدہ علیحدہ مقرر کر دئیے ہیں۔ جو ان پر عامل ہے۔ اسی کا بیڑا پار ہے!!

اب ذرا اس بیکسوں کے والی، عورتوں کے زبردست حامی، محمد مصطفےٰ روحی فداہ! کے ارشاداتِ عالیہ بھی "عورت" کے متعلق سن لیجئے۔ ماں، بیوی، بیٹی ہر رنگ میں اس نے عورت کی توصیف کی ہر زمانے اور ہر وقت میں اس کی قدر دانی کی۔ سنئے سنئے! "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ ارشاد کر کے ماں کی توقیر و تعظیم سکھائی۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا سبق پڑھایا۔ "تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہے" فرما کر متاہلانہ زندگی میں لطف و محبت کی بنا ڈالی۔ "حلال چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے" کہکر اس مکروہ فعل سے جو عرب کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا باز رکھا۔ "جس کی تین بیٹیاں ہوں گی وہ جنتی ہے" ارشاد فرما کر دختر کشوں کو دختر پسندی کی تعلیم دی "شیشوں کو ٹھیس نہ لگاؤ" کہہ کر ہمارے نازک احساسات لطیف جذبات کا احترام سکھلایا۔ خوشبو اور نماز جیسی چیزوں کے ساتھ ہمارا ذکر کر کے ہمیں اور ارفع و اعلیٰ بنا دیا۔ "دین بوڑھیوں سے حاصل کرو" ارشاد کر کے اس نے ہمیں مردوں پر زہد و تقویٰ میں فوقیت عطا کی۔ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے" کہہ کر اس نے مرد و عورت دونوں کو یکساں حصولِ علم کی ترغیب دلائی۔

یہی شعار اسلامی تھا جسے اختیار کر کے عائشہ صدیقہؓ۔ رابعہ بصریؒ۔ جیسی ذی علم و مقتدر ہستیاں عالم وجود میں آئیں۔ یہی اسلامی روح تھی جو خولہ کے قالب میں کار فرما رہی۔ مخدرات اسلام کے کارہائے نمایاں مثل آفتاب کے روشن ہیں آج کون پڑھا لکھا انکے کارناموں سے واقف نہیں؟ آہ مسلمان جب تک ان پر عامل اور راہ شریعت پر گامزن رہے اقبال و ظفر بھی انکے ساتھ تھے۔ جب سے انھوں نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈالا ذلیل و خوار ہوئے۔ افسوس کہ اب تو قبر پرستی۔ وہم پرستی۔ اور دیگر افعال مشرکانہ و رسوم جاہلانہ "مسلمان عورت" کے مترادف رہ گئے ہیں! تعلیمات اسلامی کی روح خواتین اسلام کے قالبوں سے مردہ ہو چکی ہے۔ اگر اب بھی ہم سیرۃ عائشہؓ اسوۂ فاطمہؓ کو اپنا لائحہ عمل بنائیں تو صدہا قابل فخر ہستیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اسلام میں عورت کا درجہ

——(۱)——

محترمہ مہرالنساء بیگم صاحبہ مہرؔ (کڈپہ مدراس)

محترم بہن مدیرہ سفینۂ نسواں نے میلاد نمبر کیلئے مضمون طلب فرمایا ہے۔ یہ ایسا وسیع و بسیط عنوان ہے جس کے تحت کچھ لکھنا مجھ جیسی ہیچمداں کے لئے واقعی ناممکن ہے۔ اس کے لئے تو کسی فاضل مورخ کا دل و دماغ چاہئے۔ مگر اس محترم خاتون مدیرہ صاحبہ کی خواہش رد کرنا بھی ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر چہ بادا باد بہن صاحبہ کی خواہش پوری کرنے آمادہ ہوگئی ہوں اور اپنی ایک نامکمل کتاب "مسلمان عورت کا ماضی" سے چند ابواب پیش کرنے کی جرأت کر رہی ہوں۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ میری سعی کو مشکور فرمائے۔ (مہرؔ)

مسلمان عورت کا مذہبی علمی تفوق ۔ انجمن "کوکب نسواں" کا خوبصورت ہال پھولوں سے سنوارا ہوا تھا۔ شہر کی معزز بیگمات اور کم عمر لڑکیاں ہمہ تن متوجہ صدر کی افتتاحی تقریر سن رہی ہیں۔ صدر بیگم ڈاکٹر عمر آخر میں اتنا کہہ کر بیٹھ گئیں۔ بہنو! آج کی تقریر کا موضوع "مسلمان عورت کا مذہبی علمی تفوق" ہے۔ آپ ہماری عزیز بچی رفیعہ کی گل افشانی سے جتنے گل چاہے چن لیجئے۔

رفیعہ نے اپنے نازک ریشمی رومال سے اپنی خوبصورت پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔ معزز بیگمات! میں آج دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ اپنے اسلاف کے کارناموں سے دلچسپی حاصل کرنے تشریف لائی ہیں۔

قبل بعثت نبوی دنیا بھر میں عورت کی کیا حالت تھی وہ کس حیثیت سے یاد کی جاتی تھی اور ظہور نبوی کے بعد اسکی کیا حالت ہوئی ہے۔ عورت اسلام میں کتنے اعلیٰ درجہ مقدس مراتب پر پہنچ گئی سنئیے!

پہلے میں عرب کی حالت بیان کرتی ہوں۔ عرب میں علم کی نشر و اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ امراء القیس عرب کا مشہور شاعر زمانۂ جاہلیت عرب کا محبوب شاعر عورت کو صرف ایک خوبصورت کھلونا عیش و نشاط کی پتلی حسن و جمال کا پھول مرد کی ادنیٰ خادمہ سمجھتا تھا۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔" اگر باپ اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی کو سپرد زمین

کردے تو جانوں اُس نے اپنے داماد سے پورا بدلا لے لیا ہے"۔ ایک اور مشہور شاعر لڑکی اور عورت کے مرنے پر اُس کے اعزا سے اس طرح تعزیت ادا کرتا ہے۔

"وہ ہماری درازیٔ حیات چاہتی ہے۔ مگر ہم اُس کی موت۔ کیونکہ دونوں خواہشات ایک دوسرے کے لیئے بالکل مناسب ہیں"۔ ایک اور شاعر کہتا ہے "عورت کیلئے تقدیس وشانِ احترام وعزت کے الفاظ استعمال کرنا گویا ان متبرک الفاظ کی تحقیر کرنا ہے۔ عورت صرف ایک محکوم ہستی ہے۔ زیادہ عزت نہیں رکھتی"۔

عرب کی عام حالت بھی یہی تھی کہ عورت کا وجود ذاکارہ باعثِ شرم وندامت تھا۔ یہ تھی عرب کی حالت۔ اب ذرا دیکھیے کہ روم فارس ویونان جیسی متمدن سلطنتوں میں بھی اس صنفِ مظلوم کو ایک ادنیٰ درجہ سے زیادہ حیثیت نہ دی جاتی تھی۔ علم وعمل سے بیگانہ وارمحجوب ہستی تھی۔ یونان وروما کے زوال کا سب سے بڑا باعث یہی تھا کہ عورت کی ذہنیت بجائے اعلیٰ ارفع جانب کے بالکل ادنیٰ و ذلیل جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ امراء کی بیگمات عیش ونشاط رقص وسرود کو اپنا مطمع زندگی قرار دے چکی تھیں۔ عوام بھی انکے تتبع میں اپنی زندگیاں تماشہ گاہِ عشرت کے نظر کرنے لگے تھے۔ تھیٹر تماشہ گاہ میں عورت نہایت ذلیل کردہ صورت میں نظر آتی تھی۔

مسیحیت اپنے تقدس راہبانہ کے ساتھ یورپ پر قبضہ کر چکی تھی۔ عورت کی عزت، وحرمت ایک لونڈی سے زیادہ نہ تھی۔ لونڈی بھی ایسی جس کو اپنی کسی چیز پر ذرہ برابر اختیار نہ تھا۔ مسیحیت جس کو شرقی قسطنطنیہ پر بہت کچھ اثر واقتدار قائم ہو چکا تھا، نامور عظیم الشان حکمران مسیحیت کے پشت وپناہ شہنشاہ جسٹی نین کی ملکہ تھیوڈورا اور اس کی محل کے بیگمات امراءِ عہد کی بیویوں کے حالات مکروہ کے بیان کی نسبت میں بہت ہی ثقاہت۔ عورتوں کے علم وفن کی دنیا کسی شعبہ علمی سے ان کا شغف علمائے مسیحی کے نزدیک ایک ایسا ناقابلِ عفو جرم تھا جس کی تلافی سوائے مجرم کے جان کے اور کوئی سزا نہ ہو سکتی تھی۔ اس کی ایک مثال آج بھی ہم کو تاریخ میں ملتی ہے

شہر اسکندریہ پر جب مسیحیت کا قبضہ ہو گیا تو یہودیت اور اس کا علم وفضل عیسائیت کی نگاہوں میں خار بن رہا تھا۔ اسکندریہ کی ایک شریف یہودی خاندان کی تعلیمیافتہ لڑکی جس کا نام "ہائی پے شیا" تھا۔ اسکندریہ میں اپنے علم وکمال سے محبوبِ خلائق بن گئی تھی راہب سیاسترل کی نگاہِ غضب اس فاضلہ نازنین پر پڑی عیسائیت کی دنیا میں اس نفرت انگیز عمل کا کچھ عذر نہ ہوگا کہ راہب نے کورنے اس کو ساحرہ اور کافرہ قرار دیکر نہایت بے عزتی بے رحمی سے جب کہ وہ ایک کالج میں لکچر دیکر مکان واپس جا رہی تھی اس کو مروا ڈالا اُس کا نازک جسم ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کا اتنا ہی جرم تھا کہ وہ عالمہ تھی۔

چھٹویں ساتویں صدی عیسوی بلکہ آٹھویں نویں صدی مسیحی میں دیر و کلیسا میں علم کے مخزن۔ جہاں صرف پوپ یا گنتی کے چند پادری علم کی چاشنی سے لذت اندوز ہو سکتے تھے۔ باقی ہزارہا راہب نیز دہ آوارہ گرد پادری جو قریوں میں وعظ و تلقین کرتے پھرتے تھے محض جاہل تھے۔ زبانی طوطے کی طرح چند آیات انجیل کا رٹنا اور کسی نامعلوم ولی کی ہڈیوں کا چومنا ہی دین مسیحی کی عبادت کا جزو لاینفک رہ گیا تھا۔

حسین خوبرو نازک اندام لڑکیاں علم دینی یا دنیاوی کے ایک لفظ سے واقف ہونے کی مجاز نہ تھیں۔ انہیں لارڈ پادری بھی حکم دیتا کہ وہ اپنے شیریں و جمیل ترانوں سے سامعین کی روح کو فرحت بخشیں۔

گری گوری اول نے جو ساری عیسائی دنیا کا مقتدائے اعظم تھا۔ اپنے عہد میں ایک حکم دیا تھا کہ "لوی" ایک رومی کتاب کے کل نسخے جہاں کہیں دستیاب ہوں بلا تامل جلا ڈالیں۔ انہیں کے ہم نامی پوپ ششم نے جتنی رومی تصانیف تھیں جلا ڈالیں اور مسیحی عورتوں کا پڑھنا لکھنا جرم قرار دیا۔ ان دونوں دشمنانِ علم کے زمانے میں تمام یورپ میں یہ تلاش بسیار صرف بیالیس کتابیں ملتی تھیں۔ جب مردوں کا یہ حال تھا تو عورتیں بیچاریاں کس شمار و قطار میں۔

علم کی سب سے بڑی خصوصیت سچائی و طہارت ہوتی ہے۔ مگر مقتدایانِ دین راہب و راہبان اس سے بالکل معرا تھے۔ ایک بوڑھی راہبہ نے نہایت فخر و مباہات سے اپنے معتقدوں کے سامنے ظاہر فرمایا۔ "اب جب کہ میری عمر ستر برس کی ہو گئی میں نے آج تک غسل یا منہ ہاتھ دھونا تو کجا انگلیوں کو تک پانی میں نہیں ڈبویا۔"

جب یورپ میں کسی قسم کی وبا یا بیماری کا ظہور ہوتا تو لوگ کہتے تھے ساحرہ عورتوں نے اپنے جادو ٹونوں سے ہم پر آسمانی بلیات نازل کی ہیں۔ اس خیال کی بنا پر غریب ضعیف و ناتوان عورتوں کو مارا پیٹا جاتا۔ اُن کو بالوں سے درختوں میں لٹکا دیا جاتا تاکہ وہ اپنے کئے ہوئے سحر کو واپس لیں۔ اور بلائے آسمانی سے نجات حاصل ہو۔

یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ جلیل القدر شہنشاہ مثلاً الکزنڈر ششم۔ لوئی دہم۔ اور ہنری ششم جیمس اول نے صرف اس شبہ پر عورتوں کے جادو کے اثر سے رعایا یا خود بادشاہ فنا ہو جائیں۔ ہزاروں عورتوں کو نہایت بے رحمی ظلم و ستم سے تہ تیغ کر دیا۔ اُن کے گود کے معصوم بچوں پر بھی یہی عمل کیا گیا۔ زندہ جلا کر راکھ بھی سمندروں میں پھینک دی گئی۔

آج کا انگلستان مدعی حریت نسواں انگلستان میں چند صدیوں پیشتر ایک خاص مجلس منعقد کی گئی جہاں سے چند قانون بنائے گئے جس سے عورتوں کو نہایت شدید جسمانی سزائیں دی جانے لگیں۔

عیسائی دنیا کا اعظم ترین رہنما یہ خیال کرتا ہے "عورت مکر کی بیٹی ہے اُس سے بچتے رہو" ایک اور راہب کہتا ہے۔ عورت شیطانی دشمن ہے جو اُس کے قریب آئے اُس کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔ انجیل مقدس کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر روشن ہو گا کہ خود حضرت مسیح نے اپنی محترم ماں کو بعض وقت دھتکار دیا۔

اب ذرا مصنفین عوام کی پر نظر ڈالئے۔ پندرہویں سولھویں صدی عیسوی میں ان کا خیال و عمل اس جنس نازک و لطیف کے متعلق کیا تھا۔

قدیم فرانسیسی مصنفین نے عورت کو بھی نصیحت کی ہے وہ مرد کی کسی حالت میں ہو ایک لونڈی سے زیادہ خیال نہ کرے۔ فرانس کا مشہور عالم جنرل نپولین اپنی حالت مصیبت قید و بند میں بھی یہی کہتا ہے "عورت مرد کے لئے صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اس کی بقائے نسل کا باعث ہو۔ ورنہ وہ کوئی قابل تنظیم و عزت شئے تصور نہیں کی جا سکتی" جبکہ نپولین عورت کے متعلق اتنی سنگین رائے بہیب ترین خیال ظاہر کرتا ہے مگر اُس کی وفا شعار مطلقہ بیوی جوزیفائن اس کی رہائی کیلئے آہ و زاری کے ساتھ خدا کے حضور ملتجی رہتی ہے۔

جرمن اقوام نے تو حد ہی کر دی۔ ان کا سب سے بڑا مصنف نیٹشے کہتا ہے۔ اگر تم عالمگیر تباہی بربادی مصائب و آلام میں گرفتار ہو کر فنا ہو جانا چاہو تو عورت کو آزادی دو۔ عورت صرف ایک خادمہ ہے جو ہر حالت میں مالک کو آرام پہنچائے چہ جائے کہ اُس کو آزادی کی ہوا لگے۔

ایک اور جرمن مصنف کہتا ہے "عورت اور عقل یہ دونوں اجتماع ضدین ہیں۔ مرد جوانی میں عقلمند بنتا ہے مگر عورت مرتے دم تک نافہم کج ادا رہتی ہے"۔

اہل فرانس عورت کی فطری آزادی علم و کمال کے جانی دشمن تھے۔ ان کا خیال تھا عورت ایک جانور ہے کیونکہ ایک مشہور شاعر نے قدرت سے خفا ہو کر کہا تھا۔ "اس ذلیل و ناپاک جنس کا وجود ہی کیوں ہوا جو ہمارے لئے باعث لعنت ہے"۔

امریکہ میں قدیم عورت کی یہ حالت تھی کہ تمام دن جبر کی محنت مزدوری کر کے گھر آتے۔ کھانا وغیرہ تیار کر کے شوہر کو اہل کنبہ کے مردوں کو کھلاتے اور مردوں کا کام صرف اتنا ہوتا کہ وہ دن بھر سیر و شکار یا گپ بازی میں رہا کرتے اور عورت کو ایک کتے کی طرح سمجھے۔

ہند و چین میں اس مظلوم طبقہ کی یہی حالت تھی۔ بے حد ذلیل ——— بلکہ قابل نفرت ———

کئے گئے اعلیٰ و ارفع خاندانوں میں ایک ہی عورت مختلف مردوں کی بیوی کہلاتی تھی۔ بڑے بڑے رشی عورت کو مکروہ شئے کہتے تھے۔ مگر اصل حقیقت یہ تھی بڑے بڑے رشیوں کی اولاد ناشد داسیوں کے بطن سے تھی۔ جب داسیاں صاحب اولاد ہو جائیں تو یہ رشیاں نہایت کراہت و نفرت سے اُن کو اپنے سے جدا کر دیتے۔

اب ذرا زمانۂ قدیم اور زمانۂ اصنام پرستی کی طرف آئیے دیکھیں یہاں عورت کی کیا حالت تھی۔

کسی نے ایک عالم سے استفسار کیا کہ کیا عورت کا نفس بھی ہے یا وہ اپنے وجود کا خیال بھی کر سکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا کہ "عورت کو نفس و روح سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

زمانہ اصنام میں لوگ بڑے بڑے دیوتاؤں کے پاس جا کر پوچھتے تھے۔ "اے ہمارے رہنماؤ نجات دہندو کیوں اس نارہ جنس (عورت) سے ہمیں بے نیاز نہیں کر دیتے۔ اس بلند آسمان آفتاب عالمتاب کے نیچے ہم پر عورت کی سی بلا کیوں مسلط کر دی۔ کیا تمہاری قوت روحانی ہمیں اس بلا سے نجات نہیں دلا سکتی"

یونان قدیم کا باشندہ حسرت و افسوس کے لہجہ میں کہتا ہے "تمہیں آگ کے جلنے۔ سانپ بچھو زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے کا علاج مل سکتا ہے۔ مگر عورت کے جادو اُس کے خوفناک تاثرات کا کہیں علاج میسر نہیں ہو سکتا۔

کسی نے ابو الحکما سقراط سے پوچھا کہ "اے حکیم ازلی ذرا کہہ تو سہی عورت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے"؟ سقراط نے کہا کہ "روئے زمین پر عورت سے زیادہ خوفناک چیز کوئی نہیں۔ وہ فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ وہ ایک خوبصورت پھل کے مانند ہے مگر جب اُس کو چکھ جاؤ گے تو ضرور اُس کے زہر سے مر جاؤ گے"۔ دنیا کے استاد العقلا نے اس صنف کو اتنی حقارت سے یاد کیا ہے۔ واقعی عورت کے نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا ہے "ظالم و سنگدل مرد جب دوبارہ دنیا میں پیدا ہونگے عورت کی حیثیت میں پیدا ہونگے"۔

تاریخ آلِ ساسان اس کی گواہ ہے کہ کسی نے وزیر بزرجمہر سے پوچھا کہ آلِ ساسان کیوں تباہ ہو رہے ہیں جب کہ تجھ سا دانا ذکی وزیر اُن میں موجود ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ انکی خواتین کی نافہمی انکی کوتاہ اندیشی کے باعث آلِ ساسان برباد ہو رہے ہیں۔ ٹھیک بھی یہی تھا مذہب زرتشت میں عورت کے لئے کوئی قابلِ تشفی باعث تسکین سبب ہی نہ تھا۔ آخر یہ غریب طبقہ جاہل تو تھا ہی اپنے اقتدار کو جا و بے جا استعمال کرنے لگا۔

(باقی دارد)

مولانا میر مہدی علی صاحب شہید

Mir Mahdi Ali Esqr. Shaheed
(Manager and Aid-de-Camp to Shahzadgan Wala Shan)

"عطائے نذر"
[illegible] "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

MILAD NUMBER
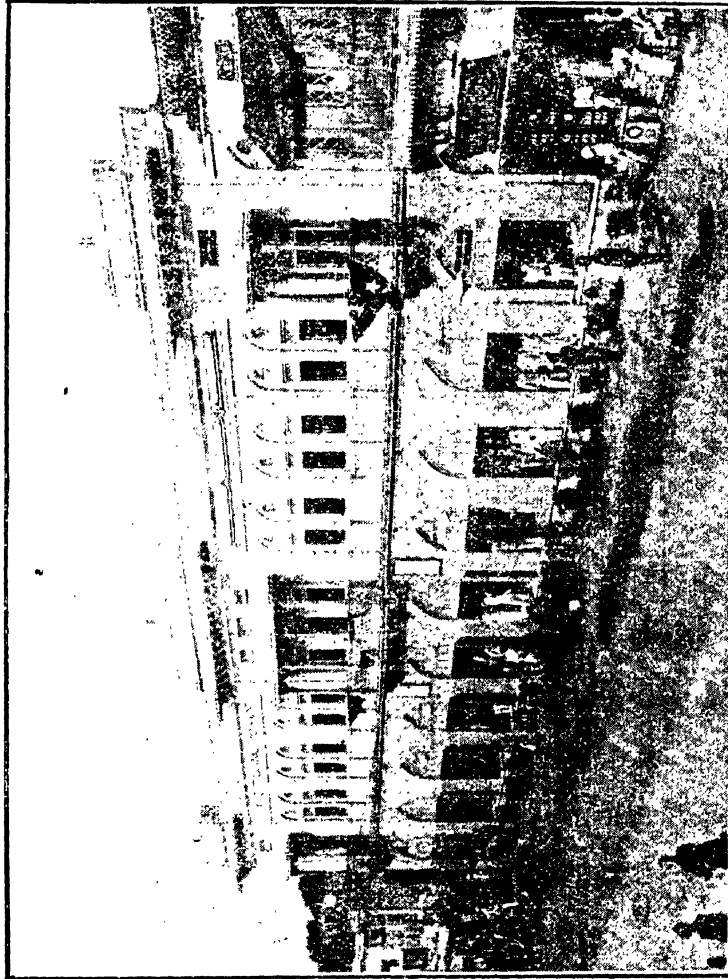
Khan Bahadur Ahmed Alladin's Educational Endowment Building

(which cost more than Rs. [illegible] and is left in the hands of a Board, to decide and help the poor Scholars from its income)

الحاج خان بہادر احمد علاؤالدین کا ایک زرین اور قابل تقلید کارنامہ

By courtesy: Indian States & Zamindaries — Photo by: Raja Deen Dayal & Sons

اسلام میں عورت کا درجہ

(۱)

(محترمہ ب۔ ثریا۔ مسز احمد عرفانی رونگل)

قبل اسلام دنیا میں عورت کی کیا حالت تھی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جہاں تک تاریخ پہنچ سکی اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا میں طبقہ نسواں کی حالت نہایت مظلومانہ اور بہت قابل افسوس تھی۔ مرد عورت کے حق میں خونخوار درندوں سے بڑھ کر خوفناک تھے۔ عورتوں پر ایسے ایسے وحشیانہ ظلم و ستم کرتے تھے کہ گویا عورت مرد کے حق میں بالکل کٹ پتلی تھی۔ مرد کی ذرا سی ناراضی غریب اور بے بس عورت کے لئے قیامت عظمیٰ سے کم نہ تھی۔ ان کی ادنیٰ سی لغزش اور سہو پر نہ صرف ان سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا بلکہ وہ زندہ دفن کر دی جاتی تھی۔ زمانہ جاہلیت کا طرز تمدن اور طرز معاشرت بھی جاہلانہ بلکہ وحشیانہ تھا۔ عورت چونکہ فطرتاً مرد سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس لئے اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ بجائے مہربانی سے پیش آنے کے جس طرح چاہتے اُن سے برتاؤ کرتے تھے۔ عورت مرد کے زبردست پنجہ میں بے بس اور مجبور تھی اور وہ مردوں کے نزدیک بالکل ذلیل و حقیر ہستی سمجھی جاتی تھی۔ ایک ایک مرد کی کئی عورتیں ہوتی تھیں۔ بعض ممالک کی اس سے برعکس حالت تھی۔ یعنے ایک عورت پورے خاندان کی بیوی تھی۔ لیکن یہ صورت بالکل شاذ اور مخصوص ملکوں کی حد تک محدود تھی۔ عورتوں میں محرم اور غیر محرم کا کوئی امتیاز نہ کیا جاتا۔ بجز اپنی حقیقی ماں کے ہر عورت مردوں کے لئے یکساں تھی۔ اُن کی اس حالت کا صحیح اندازہ ہمیں آیات قرآنی سے ملتا ہے اور اس زمانے کی طرز معاشرت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ قرآن پاک میں سورۂ نساء آیۃ ۲۳ دیکھی جاوے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم پر حرام کی گئی ہیں۔ تمہاری مائیں۔ خالائیں۔ نانی۔ پرنانی۔ دادی۔ پردادی۔ تمہاری بیٹیاں یعنے ہر وہ عورت کہ جس کا نسب مرد کی طرف لوٹے۔ خواہ اولاد ذکور کی طرف سے ہو یا اناث کی طرف سے وغیرہ"۔ (تفصیل کے لئے دیکھی جاوے آیۂ کریمہ)

آیۂ کریمہ سے پورا پورا پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کا طرزِ معاشرت، طرز تمدن، اخلاق، تہذیب کا کیا حال تھا اور آیۂ کریمہ کے شانِ نزول کا بھی یہی سبب تھا۔ اُس زمانے میں جملہ اقوام کے عادات و خصائل ایسے ہی حیوانی اور وحشیانہ تھے
توراۃ کی کتاب احبار کے اٹھارویں باب کی چھٹی آیت سے لے کر اٹھارویں آیت تک جو احکام درج ہیں وہ بالکل ان ہی احکام کے مماثل ہیں۔ ان سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے قبل زمانہ کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کیسی بدتر تھی۔
زمانۂ جاہلیت میں معصوم عورتیں انسانوں اور حیوانوں میں ایک قسم کی درمیانی مخلوق سمجھی جاتی تھیں اور اُنکی نسبت یہ کلیہ ہی قائم کر لیا تھا کہ عورتیں صرف ترقی نسل اور مردوں کی ہر قسم کی خدمت گزاری ہی کے لئے خلق ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں لڑکیوں کا پیدا ہونا سخت ترین نحوست اور بدنصیبی پر محمول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لڑکی کا پیدا ہونا بیچاری ماں کے لئے ایک عذاب عظیم سے کم نہ تھا۔ لڑکی پیدا ہوتے ہی ظالم اور وحشی مرد لڑکی کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بے بس اور مظلوم ماں کی ممتا جگر مسوس کر رہجاتی تھی۔ اس کے حیات اور اس کے مادرانہ جذبات کی پائمالی کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ یہ اسی کا قصور خیال کیا جاتا تھا اور وہ لعنتوں و ملامتوں کی آماجگاہ بنجاتی ۔ ان میں یہ رسم بالکل عام تھی۔ اللہ اللہ وہ بھی کتنا عجیب وحشیانہ اور خونخوار زمانہ تھا کہ نوزائیدہ معصوم لڑکیوں کی تدفین ایک معمولی رسم تھی۔

آنحضرت صلعم اور قیس شیخ بنی تمیم کے ایک مکالمہ کو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ ابتدائے اسلام میں بھی عربوں کا خیال لڑکیوں کے نسبت کیسا تھا۔ اور ان کی جہالت کا کیا عالم تھا اور آنحضرت صلعم کو لڑکیوں سے کیسی محبت تھی اور عورتوں کے متعلق آپ کا کیسا خیال تھا۔؟

رسولِ صلعم ایک دفعہ ایک چھوٹی لڑکی کو اپنی زانوئے مبارک پر بٹھائے تھے۔ قیس نے پوچھا! یہ کس جانور کا بچہ ہے جسے آپ اتنی محبت سے کھلا رہے ہیں؟ آنحضرت صلعم ارشاد فرمائے کہ میری بچی ہے۔ اِس پر اُس جاہل نے جواب دیا کہ "مجھے بہت سی ایسی لڑکیاں تھیں لیکن میں نے اُن سب کو زندہ دفن کر دیا۔ اور کسی کو نہیں کھلایا" قیس نے نہایت تفخر سے کہا۔
آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ "اے بدبخت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں کسی قسم کی محبت انسانی نہیں دی۔ اس لئے تو ایک نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہے۔

نہ صرف عربوں کے یہ وحشیانہ خصائل تھے۔ بلکہ ان سے پہلے جملہ اقوام اور مذاہب میں غریب عورتوں کا یہی حال تھا۔ یونانی عورتوں کو ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے جن کی غایت تخلیق صرف ترقی نسل اور خانہ داری کے سوا کچھ نہیں۔

اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا تو اُس عورت کو مار ڈالتے تھے۔ موسیو تراپ لانگ لکھتا ہے کہ اسپارٹا میں بدنصیب عورت کو جس سے کسی بہادر قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی اُمید نہیں ہوتی تو اس کو مار ڈالا جاتا تھا اور وہی مصنف لکھتا ہے کہ جب کسی عورت کو بچہ ہو جاتا تو اُسے ملک و قوم کے مفاد کے لئے کسی دوسرے شخص کی نسل لینے کے واسطے اُس کے خاوند سے عارضی طور پر لے لیتے تھے۔ یونانیوں نے اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ دور تمدن میں بھی عورتوں کی کبھی قدر و منزلت نہیں کی اور نہ اس بدنصیب طبقہ سے پیار و محبت کا برتاؤ کیا۔ ہاں طوائف اُن کی دلچسپیوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسی باعث سوائے طوائفوں کے دوسری ساری عورتوں میں تعلیم و تربیت اور علم و ادب مفقود تھا۔

زمانہ قدیم کے مصنفوں نے بھی بیچاری ناکردہ گناہ عورت کے لئے ایسے ایسے ناپاک اور ستم گسترانہ قانون وضع کئے تھے کہ اس کی نظیر مل ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اہلِ ہنود کا قانون کہ "طوفان" موت، جہنم، زہر اور زہریلے سانپ ان میں سے کوئی بھی اس قدر خراب نہیں جس قدر عورت"۔ تعجب ہے اور عقل حیران ہے کہ ان عورتوں نے ایسا کیا پاپ کیا تھا جو ہر زمانے اور ہر قوم نے ان پر انتہائی جابرانہ اور ظالمانہ برتاؤ روا رکھا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں کیا ترحمانہ جذبات اور اُنس انسان قطعاً مفقود تھا؟

کتابِ مقدس بھی عورتوں پر زیادتی میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس میں لکھا ہے ؛ عورت موت سے بھی زیادہ تلخ اور کڑوی ہے۔ عہدِ قدیم کے ایک واعظ نے اس طرح زہر افشانی کی ہے۔ خدا کا پیارا اور محبوب بندہ وہی ہے جو عورت سے اپنے آپ کو محفوظ و مصئون رکھے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے ہزار آدمیوں میں ایک خدا کا پیارا پایا ہے۔ مگر ساری کائنات کی عورتوں میں میں نے ایسی کوئی عورت دیکھی نہ سُنی جو خدا کی پیاری ہوتی۔

دنیا کی متعدد اور مختلف اقوام نے بھی عورتوں پر ستم ظریفی کی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ افسوس کہ دنیا کے کسی مذہب و قوم نے قسمت کی ماری عورتوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ کیا۔ چینیوں کا نظریہ ہے کہ اپنی بی بی کی بات تو سُنی چاہیئے۔ لیکن اس پر ہرگز کبھی یقین نہ لانا چاہیئے۔ روسیوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ اطالیوں کا یہ قول ہے کہ گھوڑا اڑا ہو یا کیسا ہی اچھا ہو ہر حال میں اس کو مہمیز کی ضرورت ہے۔ یہی حال عورت کا ہے۔ عورت خواہ اچھی ہو یا بُری اُسے مار کی حاجت ہے۔ اسپینی زبان کی کہاوت ہے کہ بُری عورت سے اجتناب چاہیئے اور اچھی عورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ ہنود۔ یونانی رومی اور دیگر اقوام کے تمام قوانین نے

عورت کو لونڈی یا طفل نابالغ گردانا ہے۔ منو کا قانون اس طرح کہتا ہے "عورت کمسنی میں باپ کی تابع ہے۔ جوانی میں شوہر کی یا شوہر کے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے عزیز و اقربا کی۔ کیونکہ عورت کسی حال میں اس لائق نہیں کہ وہ خود مختارانہ زندگی بسر کر سکے۔ یونانی اور رومی قانون بھی عورتوں کے لئے نہایت سخت ہے۔ روم میں ہر فرد اپنی بیوی پر جابرانہ حکومت کرتا تھا۔ عورت کی حیثیت ایک لونڈی سے کچھ زیادہ نہ تھی اور معاشرت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ شوہر ہی عورت کا ہر طرح مختار و مالک تھا۔ شوہر ہی اس کے افعال کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ جس طرح ایک بے جان چیز کو توڑ موڑ کر پھینک دینے سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔ یہی حال مظلوم عورت کا تھا۔ شوہر کو اپنی بیوی کے جسم و جان پر پورا پورا حق تصرف تھا۔ وہ جیسی ایذا اس کو دینا چاہتا دیتا۔ اس کی جان بھی لے ڈالنے کا اس کو پورا اختیار تھا۔ گویا عورت کی جنس اپنی بناتی ہوئی تھی۔ یونان میں بھی عورتوں کا قریب قریب یہی حال تھا۔ انہیں کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا اور نہ وراثت میں ان کا کوئی حصہ تھا۔ زمانہ قدیم میں عورت کی مظلومیت کی انتہا ہو گئی تھی کہ اس کی وفاداری پر بھی کسی مذہب و قوم نے مطلقاً اعتبار نہیں کیا ہے۔ عربوں کے نزدیک بھی عورت کی وفاداری مشکوک اور غیر اطمینان تھی۔ وہ عورت کو اگرچہ کہ ایک حسین و جمیل اور دلفریب مخلوق خیال کرتے تھے اور مردوں کی دلچسپی و دلبستگی کا خوبصورت سامان جس سے رنج و افکار بڑی مدتک کافور ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کی وفاداری پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ عہد نبی صلعم کے دو ہزار سال قبل ہندوستان کے بڑے بڑے مقننوں نے اس بے اعتباری کو صاف صاف بیان کر دیا ہے "اس عورت کو بے کم و کاست بے عصمت کہا جا سکتا ہے جو کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر تنہائی میں علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں ایک انڈا تلا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانے میں مشرقی لوگ عورتوں کی بڑی زبردست حفاظت کرتے تھے۔ وہ انہیں مکانوں کی بلند سے بلند چار دیواری میں مقید رکھتے تھے اور اُن پر خواجہ سراؤں کی سخت ترین نگرانی ہوتی تھی۔ اُن کے دماغوں میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ عورت کی فطرت میں ایسی ہی بے وفائی ودیعت ہوئی ہے۔ جیسی چڑیا کی فطرت میں اڑنا۔ چونکہ ان کو اپنی خالص نسل کو برقرار رکھنے کی دلی تمنا ہوتی تھی۔ اس لئے وہ عورت کی عفت و عصمت کی زبردست حفاظت کرتے تھے اور قسم قسم کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔

زمانہ قدیم کی ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بے بس اور کمزور طبقہ نسواں پر اس وقت کیسے کیسے ظلم و ستم ڈھائے گئے ہیں اور کس قدر جسم و تن کی [illegible] پر روا رکھی گئی تھی۔ عورت کیا تھی ایک کھلونا تھی۔

(باقی دارد)

اسلام میں عورت کا درجہ

(انتہا)

(محترمہ اقتدار منظور منیر ماہر القادری)

یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ مذہب اسلام نے عورتوں کو بڑے بڑے حقوق عنایت کئے ہیں حضرت پیغمبر اسلام کی بعثت سے قبل عرب ہی پر کیا منحصر ہے تمام دنیا پر جہالت اور ناخدا ترسی کی گھن گھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ انسان کا خون پانی کی طرح بہا دیا جاتا تھا۔ اور ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک کر طول و عرض دنیا کو خاکستر بنا دیتے تھے۔ جہاں دنیا والے دیگر اقسام کے ظلم و ستم کر رہے تھے وہاں صنفِ نازک بھی ناقابلِ بیان اور سخت مظالم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

مُردہ خاوندوں کے ساتھ بیوی کو جلایا جاتا تھا۔ دنیا میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی بلاقصور و ناکردہ گناہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا۔ یعنی اگر کسی کے گھر لڑکا پیدا ہوتا تو خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ لیکن برعکس اس کے اگر لڑکی تولد ہوتی تو تمام خاندان کو سوگوار بنا دیتی۔

یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ بے رحم ماں باپ کی گود سے بچی کو لے کر زمین کے تاریک گڑھے میں زندہ دفن کر دیتا۔ اگر اس ظلم کے بعد بھی ہم سخت جان بچ جاتے تو جس وقت تک والدین کے یہاں رہتے باپ بھائی کی ذلیل کنیز بن کر رہتے۔ گو دونوں ایک ہی والدین کی اولاد۔ مگر باوجود اس کے بیٹے گھر کے مالک اور لختِ جگر اور لڑکیوں کو لونڈیوں سے بدتر سمجھا جاتا۔ بیٹوں کو باپ کا کل ترکہ ملتا۔ لیکن بیٹیاں اس سے قطعی محروم رکھی جاتیں۔ علم کے دریا سے مرد سیراب ہوتے تھے مگر غریب عورتوں کو حلق تر کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ یہ تھا دنیا کا سلوک عورتوں کے ساتھ اس کا سبب صرف یہی تھا کہ اگر پڑھایا لکھایا گیا تو یقیناً ان کو اپنی حق تلفیوں کا احساس ہوگا۔ لہذا ہر طرف سے ہمارے لئے علم کے دروازے بند کر دئے گئے تھے۔

پھر ابھی ہم شادی کے صحیح معنی بھی نہ سمجھ سکے تھے کہ شادی بھی کر دی گئی۔ وہاں پہونچ کر تو عمر کی پہلی منزل سے

بھی کہیں زیادہ دشواریوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں پر ان غریبوں کو ساس۔ نند۔ شوہر سب کی ہی مزاج دانی کرنی اور ظلم سہنے پڑے۔ اگر ذرا سی کوئی بات خلاف ہو گئی تو فوراً یا تو شوہر صاحب نے دوسری شادی کرلی۔ اور اس غریب کو پیشتر سے بھی زیادہ تکالیف سے دوچار ہونا پڑا یا پھر قطع تعلق کر لیا۔ ایسی حالت میں نہ سسرال میں آرام نہ میکے میں۔ اگر شوہر کا انتقال ہو گیا تب تو باقی ماندہ زندگی عذاب ہی میں گزری یا شوہر کے ساتھ ہی بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلنے کیلئے مجبور کیا جاتا۔ اگر کسی کو جلایا بھی نہ گیا تو اُس کی بڑی ذلت اور نفس کشی سے زندگی گزارنی پڑتی تھی۔

دنیا کی یہ حالت اور اہلِ دنیا کے ظلم و ستم دیکھ کر یکایک غیرتِ الٰہی کو حرکت ہوئی اور اُس نے ایک ایسے مقدس ہادی کو دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جس نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو اُلٹ کر پھینکدیا اور دنیا کو مساوات کا درس دیا۔ غلام آقا شاہ گدا۔ مرد و عورت سب کو لا کر ایک صف میں کھڑا کیا۔ وہ ہادی کون؟ جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یوں سرکار کا ہر ذرہ کائنات ممنون ہے۔ لیکن مجھے یہاں صرف صنفِ نازک کے متعلق اجمالی تشریح کرنا مقصود ہے حضور نے ذلت و حقارت کے گہرے غار میں پڑی ہوئی عورتوں کو انسانیت کی بلند سطح پر لاکر کھڑا کر دیا۔ دنیا کو صنفِ نازک کی اہمیت محسوس کرائی اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ ہاتھ جو بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے خود اُن کی عزو پرداخت کو باعثِ سعادت اور وجہ برکت خیال کرنے لگے۔ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح قوانین و ضوابط اور متروکات میں حصے مقرر کئے گئے۔ حکم دیا گیا کہ ہر ایک مسلمان مرد و عورت پر علم کا سیکھنا فرض ہے۔ آپ نے ان تمام زنجیروں کو جو عورتوں کی آزادی کو جکڑی ہوئے تھیں توڑ کر پھینکدیا۔ یہ ہے حضور صلعم کا احسان ہم ناچیز عورتوں پر۔

حضرت عائشہ صدیقہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی ذات ستودہ صفات اسی حکم کا عملی نمونہ ہیں کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ آپ سے اہم مسائل اور نازک امور میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض معاملات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ نے مضطرب دلوں کو سکون بخشا ہے۔ تمام دنیا کی عورتوں کو اجتماعی طور پر حضرت پیغمبر اسلام کا ممنون ہونا چاہئیے کہ اُس ذاتِ مقدس نے ان کو غلامی سے نجات دلائی۔ اور جبر و ستم کے خونخوار پنجہ سے چھڑایا۔

سلام ہو خدا کے اُس مقدس پیغمبر پر جس نے دنیا میں امن و عافیت۔ مساوات و حریت۔ خدا ترسی و حق شناسی کے دریا بہا دئے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الامجاد وبارک وسلم۔

اسلام میں عورت کا درجہ

(جناب "مغربی" کے قلم سے)

عرب اپنے ملک کی آب وہوا اور اپنے مخصوص مزاج سے مجبور ہو کر عورت کی ذات میں اپنی سب سے بڑی مسرت و راحت محسوس کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اس سے محبت کی۔ اتنی محبت کہ عبادت کے درجے تک پہنچ گئی۔ لیکن دوسری طرف ان کی اجتماعی زندگی کے نظام اور غارتگری کے وحشیانہ رواج نے عورت کو اُن کے ذلت ومصیبت کا سامان بنا دیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اُس کی تحقیر کی۔ حتیٰ کہ اُسے زندہ دفن کرنے لگے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب میں پیدا ہوئے اور عربوں کو عورت کے معاملہ میں انہی دو حالتوں پر دیکھا۔ آپ نے یہ کیا کہ پہلی حالت باقی رکھی۔ محبت کرنے کا حکم دیا اور وحی الٰہی سے اُسے برکت دی۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے خود تم ہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے۔ تاکہ تمہیں اُن میں تسکین حاصل ہو اور تمہارے مابین محبت و شفقت پیدا کر دی!

دوسری حالت کی مذمت کی۔ عورت کی تحقیر سے منع کیا اور اس اعلان سے اس کا درجہ بے حد بلند کر دیا کہ "عورت اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ اپنے شوہر کے گھر کی مالکہ ہے اور اپنی رعیت کے لئے ذمہ دار ہے"!

مقصد نبوت | پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مقصد صرف توحید الٰہی نہیں بلکہ عورت کی عزت قائم کرنا بھی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ آپ نے عورت کو اس کے تخت عظمت پر بٹھا دیا!

حضرت عمر فاروق کہا کرتے تھے "بخدا ہم جاہلیت میں عورتوں کو بالکل بے حقیقت سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی بابت وحی نازل کی اور انہیں اُن کے حقوق بخشے"۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نفس شریف عورت کی عزت کے لئے

عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام

(آخری)

(محترمہ خورشید آرا بیگم خورشید دختر قاضی محمد قیام الدین صاحب مرادآبادی)

تھی بساطِ عالمِ خاکی حریمِ کفر و شرک — تھا وجودِ طبعِ انساں میں روانِ خونِ گناہ

تھا کثافت بیز عصیاں شیشۂ روحِ لطیف — تھا تجلی سے عاری مطلقاً قلبِ سیاہ

نزہتِ وحدت پرستی سے تھی۔ باغِ ضمیر — نغمۂ عرفاں سے خالی سینۂ باطل پناہ

کوششیں وقفِ بدی تھیں۔ قوتیں صرفِ جفا — ہمتیں مصروفِ خود غرضی عزائم خیر خواہ

دہ تیغِ تعفن کارہائے ظلم خیز — حسرتا۔ دختر کشی تھی باعثِ اعزاز و جاہ

زندگی کی وسعتیں صنفِ نسا پر تنگ تھیں — عوضِ آغوشِ مادر قبر تھی آرام گاہ

لعبتِ طفلاں فقط تھیں۔ ندرِ تفریح و نکت — کھیلتا خوش سے تھا ان کھلونے مردِ جبر خواہ

جائداد شوہر و والد سے تھیں محروم تر — زندگی انکی تھی اک صحرائے بے آب و گیاہ

معنی کمزور زن مثلِ اثاث البیت تھی — منظرِ راحت سے تھی ناآشنا انکی نگاہ

آہ تھی مثلِ بہائم مایۂ داد و ستد — ہوگیا تھا جوہرِ خودداریِ خاتوں تباہ

مار و زہر و موت و دوزخ و طوفان سے[1] — کچھ گھٹی آتی تھی زیادہ ذاتِ صنفِ بیگناہ

کوئی کہتا دخترِ شر۔ دشمنِ امن و سکون[2] — پیکرِ[3]۔ آلۂ ابلیس ہے بے اشتباہ

تلخیِ زہرِ الم تھی بہر کام بختِ زن — قسمتِ صنفِ قوی شیرینیِ عیش و رفاہ

مست صہبائے جفا تھے بے خبر انجام سے — انقلابِ نو سے رکھتا تھا نہ کوئی انتباہ

رنگ لائی آہ آخر فرقۂ مظلوم کی!

عرش تک پہنچیں صدائیں بیکس و مغموم کی!!

ہوگیا مہرِ ہدایت کوہِ فاراں سے طلوع — مٹ گئیں تاریکیاں باطل کی ہو کر منفعل

منتشر اجزائے جہل و بت پرستی ہوگئے — آگہیاں ہو گئیں عرفانِ حق میں مشتعل

سازِ وحدت چھڑ گیا کاشانۂ اصنام میں — ہوگئے روشن قلوبِ کافرانِ مستدل

ہوگئے حقانیت کے ہر طرف چشمے رواں — ہوگئے اعضائے کفر و شرک یکسر مضمحل

ہوگئی معمورۂ دنیا میں تیرہ زمیں — زندگانی فنا پرور بقا سے متصل

---

[1] ہندوؤں کا قانون کہتا ہے کہ تقدیر۔ طوفان۔ موت۔ جہنم۔ زہر۔ زہریلے سانپ۔ ان میں سے کوئی بھی۔ اتنا خراب نہیں جتنی کہ عورت؟

[2] یوحنا مسیحی دنیا کا مذہبی پیشوا کہتا ہے کہ عورت شر کی بیٹی اور امن و سلامتی کی دشمن ہے۔ کریگری لفظم کہتا ہے اور مذہب عیسوی کے دیگر پیشوا متفق ہیں کہ عورت شیطان کا آلہ ہے۔

[3] سقراط جیسے فاضل حکیم کا قول ہے کہ عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی کوئی چیز دنیا میں پیدا نہیں ہوئی۔

سرودِ خیر کش ہوا آیاتِ دل میں منہمک — بجھ گئے ظلم و ستم کے شعلہ ہائے مشتعل

فرقۂ نسواں کا حامی مرحبا پیدا ہوا — ہو گئی آمد سے جس کی بیکسی میری عسر سہل

یجعلون کا ہوا فرمان نافذ ہر طرف[۱] — حکمِ تہدیدی لا تقتلوا[۲] پر مشتمل

فائز ھن لباس[۳] ہو گئی صنفِ ضعیف — ہو گیا فرقِ مراتب ہمسری میں منتقل

حریت بخشی لھن[۴] سے مساوی حق دئیے — کر دیا زخمِ درونِ صنفِ نسواں مندمل

عاشروھن[۵] کا درس پاک مردوں کو دیا — اور استوصوا[۶] سے کی دارائے دردِ معضل

مژدۂ پاک من عال[۷] سے کیا مسلم کو شاد — اتقوا[۸] سے زنگِ قلبِ ظالماں کو منفصل

اور الدنیا متاع[۹] سے بڑھائی قدرِ زن — کہہ دیا بہتر خزانہ[۱۰] بہر مرد مشتغل

جائداد والد و شوہر اخی و ابن میں — مثلِ مرداں مل گئے ہم کو حقوقِ مستقل

مرحبا صل علیٰ ۔ روحی فداک یا رسول

کر دیا خورشید ذرہ کو بہ آئینِ اصول

---

۱ وَیجعلون للہ البنات سبحانہ ولہم ما یشتہون ۵ واذا بشر احدہم بالانثیٰ ظل وجہہ مسودا و ہو کظیم ۵ یتواریٰ من القوم من سوءِ ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ہون ام یدسہ فی التراب ط الا ساء ما یحکمون ۵ یعنے یہ کفر خدا کے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں۔ سبحان اللہ خدا کے لئے تو بیٹیاں اور اُن کے لئے من مانے بیٹے۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دیجائے تو رنج کے مارے اُس کا منھ کالا پڑ جائے اور وہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی شرم کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اُسے خوشخبری دی گئی چھپا چھپا پھرے اور دل میں سوچے کرتا یا اس ذلت پر بیٹی کو زندہ رکھے یا اُسے مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو تو خدا کے بارے میں ان لوگوں کی کیا بری رائے ہے۔

۲ وَلا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأً کبیرا ۵ یعنے اے لوگو تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اُن کو اور تم کو ہم روزی دیتے ہیں۔ اولاد کو جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

۳ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ۔ عورتیں تمہارے لئے زینت ہیں اور تم اُن کے لئے زینت ہو۔

۴ وَلھن مثل الذی علیھن بالمعروف مردوں کا حق جس طرح عورتوں پر ہے۔ اسیطرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے۔

۵ وَعاشروھن بالمعروف ان کے ساتھ خیر و خوبی سے گزران کرو۔

۶ استوصوا بالنساء خیرا الخ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

۷ من عال جاریتین حتیٰ تبلغا دخلت انا وھو الجنۃ کھاتین واشار باصبعیہ یعنی جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہانتک کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ (ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تو میں اور وہ اسی طرح ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہونگے۔

۸ اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامان اللہ۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ تم نے انھیں امانِ خداوندی میں لے رکھا ہے (الحدیث)

۹ الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ یعنے دنیا فائدے حاصل کرنے کی چیز ہے اور دنیا کا بہترین فائدہ نیک عورت ہے۔

۱۰ الا اخبرک بخیر ما یکنز المرأۃ الصالحۃ (الحدیث)

تنقید و تبصرہ

سفینہ کی نظر میں

(حضرت تارخ کے قلم سے)

ارمغانِ محبوب } پاکٹ سائز (۲۲) صفحات کتابت طباعت نفیس
ملنے کا پتہ: راجہ نرسنگ راج بہادر دیوڑھی راجہ بنسی راج باقی (مرحوم) حیدرآباد دکن۔

راجہ محبوب راج بہادر آنجہانی کی جوانمرگی پر اپنی دلی ہمدردیوں اور گہرے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے ملک کے شعرائے کرام نے جو تاریخی قطعات اور نظمیں کہی ہیں۔ اُن کو راجہ نرسنگ راج بہادر عالی نے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔ جس کا ایک نسخہ ہم کو بھی بغرضِ ریویو وصول ہوا ہے۔

جوان بھائی کی مرگ بے ہنگام پر راجہ نرسنگ راج بہادر عالی نے نثر اور نظم میں جو تاثراتِ غم پیش کئے ہیں، وہ بیحد دردناک اور الم انگیز ہیں۔ صحیح اور حقیقی وارداتِ قلب کی عالی صاحب نے قابلِ قدر اور موثر ترجمانی کی ہے۔ جس کا ہر لفظ لبریزِ سوز و معمورِ گداز ہے۔ اس کے سوا دوسرے شعراء کی نظمیں بھی قریب قریب اسی درد و تاثر کی حامل ہیں اور بعض تاریخیں تو حقیقت میں بے نیازِ ستائش و تحسین ہیں۔ غرض مجموعی طور پر "ارمغانِ محبوب" پاکیزہ خیالات اور نکھری ہوئی زبان کا ایک دیدہ زیب مرقع ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجۂ محبوب کس قدر محبوبِ خلایق تھے۔ ہم بھی عالی صاحب کے شریکِ غم ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں صبر کی توفیق دے۔ آمین ..

اگر عالی صاحب کے پیشِ نظر ؎ زندگی شبۂ ہستی است کہ مانند حباب ؛ ہر کہ ہست آئینۂ پیشِ نفس میگیرد رہے تو عزیز بھائی کی مفارقت کا یہ داغ بہت جلد دہل جائے گا۔ ہمارا اپنا مسلک تو یہ ہے اور ایک بڑی حد تک ہم اسی پر عمل پیرا ہو کر کہتے ہیں ع بہت سا ردیئے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں۔ اور یقین ہے کہ عالی صاحب بھی ہماری ہمنوائی کریں گے۔

شمیم } کتابی سائز ۲۰x۲۶، ۷۰۰ صفحات مکمل دو جلدوں میں لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت مجلد (للعہ)
مصنفہ جناب فیاض علی صاحب بی۔اے۔(علیگ)
ملنے کا پتہ:۔ صدیق بک ڈپو لکھنؤ۔

آجکل افسانہ نگاری کا شوق ہندوستان میں ایک وبا کی طرح پھوٹ پڑا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اخلاق و آداب کو مدنظر رکھنے کی بجائے عام طور پر ایسی تحریریں دیکھی جا رہی ہیں جو نہ صرف مخرب اخلاق ہیں بلکہ ان تحریروں کا اثر آیندہ نسل پر ضرور پڑے گا۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی ناول یا افسانہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں حسن و عشق کا دخل نہ ہو؟ اگر یہ واقعہ ہے تو افسانہ نگار یا ناول نویس کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ چیز عورت و مرد جوان اور بوڑھے غرض ہر ایک کی نظر سے گزرتی ہے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جوان طبیعتیں بھلی چیزوں پر بہت کم توجہ دیتی ہیں اور بری باتیں ان طبیعتوں پر بہت جلد اپنا اثر جما لیتی ہیں۔ حسن و عشق کی ایسی عریاں تحریروں کو محض چاشنی سمجھ کر (اگر یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس علاوہ کے عبیر کوئی پلاٹ مکمل ہی نہیں ہوتا) نظر انداز کر دیا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب کہ یہ حلاوت (جو اب تجاوز کرتے ہوئے عریانی تک پہنچ چکی ہے) کڑواہٹ سے بدل جائے گی۔ اور پھر جس کے کاٹنے کا کوئی منتر نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ ملک کی اخلاقی حالت جو اب پست ہے، پست ترین ہو جائے۔ ہمارے نوجوانوں (خصوصاً لڑکیوں کے لئے تعمیری کام کی ضرورت ہے۔ نہ کہ تخریبی۔ آج کل افسانہ نگاری یا ناول نویسی اور ان کا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے چال چلن پر جو کچھ اثر پڑے گا اور اُن کے نفسی جذبات کی جس حد تک تحریک ہوگی وہ ظاہر ہے۔ ناول زیر بحث میں جگہ جگہ ایسی مثال مل سکتی ہے۔ اس لئے اگر ہم نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو اس کے اور اسی قسم کی دوسری ناولوں کے پڑھنے سے باز رکھنے کی ہدایت کریں تو یقیناً ہمیں قابلِ معافی سمجھا جائے۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی "مشرقی خاتون" کا نام چار دانگِ عالم میں محض اس کی شرم و حیا کی وجہ مشہور ہے۔ اس کی عصمت و وفاداری کے ڈنکے تہذیب و تمدن کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچے ہوئے اقوام کے ہاں بج رہے ہیں۔ وہ وقت قریب ہے۔ جب کہ مغرب کی حیا باختہ مہذب خواتین پھر ایک دفعہ ہماری مشرقی جاہل عورتوں سے سبق سیکھیں گی۔ مغرب کی وہ خواتین جنکی بڑھی ہوئی آزادیاں، جن کی عصمت و عفت فروشی، جن کی شرم و حیا سے بیگانگی نے بڑے بڑے مدبروں کے

[illegible]

کان کھڑے کر دئیے ہیں ۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ جراثیم "حسن و عشق کی چاشنی" کی شکل میں پیدا ہو گئے ہیں ضرورت ہے کہ انکو ملیا میٹ کر دیا جائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ کسی نسوانی رسالے میں اسی ناول پر شاندار الفاظ میں تبصرہ دیکھ کر ہمیں صد درجہ حیرت ہوئی، اور ساتھ ہی افسوس بھی کہ ایک ایسا رسالہ جو خاص طبقۂ نسواں کی اصلاح کے لئے نکالا گیا ہو ۔ اس کا یہ طرزِ عمل ۔ حال ہی میں تہذیبِ نسواں (جون ۳۲ئہ) نظر سے گذرا ۔ جس کے بانی مولوی ممتاز علی صاحب ہیں ۔ تہذیب ایک قدیم رسالہ ہے اور عرصہ سے مسلم خواتین کی رہنمائی (؟) کر رہا ہے ۔ "مسلم خواتین ہند اور پردہ کے قیود" یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ اس پر آئے دن بحث ہوتی رہی ہے ۔ سوائے ان چند نوجوانوں کے جو مغربی دیوی کے پرستار ہیں، باقی زائد از دس کروڑ ہندی مسلمان پردہ کو سایۂ رحمت سمجھتے اور اپنی خواتین کو سختی سے اس کے پابند بنائے رکھے ہیں ۔ گویا اب ہندوستانی مسلم خواتین کا پردہ "دیوار کی بلّی" بنا ہوا ہے ۔ مگر ہمارا خون خشک ہوا جاتا ہے جب ہم بعض ایسی معتبر ہستیوں کو اس کے خلاف کچھ کہتے سنتے ہیں ۔ مولوی ممتاز علی صاحب کی یہ تحریر پڑھئے ۔ پردہ کی مخالفت میں نہ صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب پر چوٹ چلائی گئی ہے ۔ بلکہ خود شریعت اسلامیہ کی بھی تحقیر ہوتی ہے ۔ آپ لکھتے ہیں ۔

"مولانا کفایت اللہ زادمجدہم کب اجازت دیں گے کہ عورتیں گھر سے نکلیں"

—— اسی سلسلے میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"پردے پر بحث کرنے میں دلائل سے ہار کر اگر مولانا مجبور آ مان بھی گئے تو پھر خوفِ فتنہ کی ڈھال انہیں ہر حملے سے محفوظ رکھتی ہے"۔

یہئے ! مسلم خواتین کی رہنمائی کرنے والے ایک آرگن کے بانی کی یہ تحریر ہے ۔ یعنی ہم تو کبھی اس پردے کے طوق کو اپنی خواتین کی گردن سے اتار پھینکے ہوتے ۔ اور وہ جب کسی بال روم میں ناچ کر یا کسی محفلِ عیش میں شمعِ محفل بن کر آتیں تو ہم ان کی جگہ سنبھال لئے ہوتے ۔ مگر خدا مفتی صاحب کا بھلا کرے وہ کب ہمیں ایسا موقعہ ہاتھ آنے دیں گے ؟

گویا ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ع اوخویشتن گم است کرا رہبری کند ۔

ایسے بعض خیر صنف حضرات کی رہنمائی' اور تہذیب جدید کے دلدادہ نوجوانوں کی حمایت دیکھنا یہ ہے کہ کیا رنگ لائیگی؟ حالات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ غریب ہندی مسلم خواتین کا مقنع و چادر مغربی ہوا کے تھپیڑوں سے بچنا محال ہے۔ ہماری اپنی رائے میں ہندی مسلم خواتین کو ابھی کم از کم نصف صدی اسی قید و بند (جو دراصل ان کے حق میں رحمت کے سایہ سے کم نہیں ہے) میں رہنا چاہئے۔ اس کے بعد کسی "ایسے ہی" رہنما کی سرکردگی میں وہ چاہیں تو زندگی کے میدان میں اتر کر اپنے گھوڑے دوڑا سکتی ہیں۔

افسوس ہے کہ خیالات کے بہاؤ نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ہاں! شمیم کے مصلح اخلاق اور سبق آموز ہونے کی نسبت یہ ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ "مولانا شوکت علی نے خلافت میں اس پر سولہ کالم ایک بسیط تبصرہ فرمایا ہے"۔ اے کاش! اس کے ساتھ تاریخ کا حوالہ بھی دیدیا جاتا تو شاید ہم اس سولہ کالم والے بسیط تبصرہ سے استفادہ حاصل کرتے!! اب جب کہ یہ بسیط تبصرہ ہمارے آگے نہیں ہم کیا جانیں کہ مولانائے موصوف نے کس چیز کو سراہا ہے۔ کیا اس کی ضخامت اور موٹی موٹی دو جلدیں' تحریر کی شوخی' یا اس کی تصویریں؟ بہرحال "شمیم" اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور ہم قابل مصنف کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ہر اس جگہ جہاں مذہب کا ذکر آگیا۔ انتہائی کاوش سے کام لے کر احادیث اور آیاتِ قرآنی کی روشنی میں بہت سارے اعتراضات کا معقول جواب دیا ہے۔ فاضل مصنف نے 'اسلام کو' غیر مسلموں کے آگے جس سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ لایق صد آفریں' اور قابلِ تقلید ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام محض اپنی سادگی اور سچائی کی وجہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا اور یہی دو چیزیں قیامت تک کبھی اس پر آنچ نہ آنے دیں گی۔ ہم اس کی بھی تعریف کرتے ہیں کہ لایق مصنف نے بعض کیرکٹرز کو کچھ ایسے نبھایا ہے کہ آخر تک ان کا ساتھ رہے۔ مگر اکثر غیر ضروری تصریحات نے بہت طول کھینچا ہے جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں یہ ان کا شیوہ ہے کہ ایسے موقعوں پر یا اگر کسی کا کیرکٹر بتلانا مقصود ہو تو مختصر عبارت میں اس کا اظہار کچھ ایسے اسلوب سے کر جاتے ہیں کہ نظروں سے پورا آئین گزر جائے۔ ان کی نظروں میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو طول دیکر خواہ مخواہ ضخامت بڑھا دیں۔

نیاض صاحب نے فطری جذبات کا عکس اتارنے کی کوشش تو کی ہے مگر انہیں اکثر جگہ ناکامی ہوئی۔

اگر یہ سچ ہے کہ ضیائے علم (خواہ دینی ہو یا دنیوی) جب کسی سیاہ قلب کو منور کر دیتی ہے تو وہ آدمی نہیں بلکہ پارس اور ہمہ تن شائستہ و مہذب بن جاتا ہے تو پھر ہمیں حیرت ہے کہ شمیم کی گفتگو کو بعض جگہ کیوں کچھ ایسے مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے وہ بادی النظر میں پرلے درجہ کا یادہ گو اور جاہل محض قرار پائے۔ ایک ایسا شخص جو ایم۔ اے کا امتحان دیا ہو کیا اپنی زبان سے یہ کہہ سکتا ہے۔

"وہ بیچارا اپنی بیوی کا اکلوتا شوہر ہے۔ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کی بیوی جو بیچاری ششماہی ایک ہی عدد بچے سے دنیا کی آبادی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اس کار خیر سے معذور ہو جائیگی"۔

"اُن کے باپ ایک نہایت سیاہ چمار تھے' اور ان کی ماں خود ملال خور تھیں' اور سب پر ملال تھیں"۔ وغیرہ۔

ایک اور جگہ "مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" کے بھی سپوت مولویوں کی نسبت فرماتے ہیں :—

"علم فقہ[1] میں مولویوں کو عورتوں اور مردوں کی طہارت کے مختلف پیچیدہ مسئلے بھی ازبر یاد ہوتے ہیں اور ایسے چٹخارے لے لے کر وہ ہر ہر حالت اور ہر ہر حرکت کی بابت عالمانہ مسئلے بیان کرتے ہیں کہ شرابی کباب کے اور افیمی گنڈیریوں کے مزے کیا کھا کر بیان کرے گا۔ انکی کتابیں فحش ناولوں سے بھی زیادہ فحش اور ننگی ہوتی ہیں۔ مگر انہیں شرم نہیں آتی"۔

بھلا اب قیاس صاحب بتلائیں کہ ایک مہذب گھرانے کے تعلیم یافتہ شخص کی زبان سے کیا ایسے اور بے تکے الفاظ نکل سکتے ہیں۔ یہ جملے جو ہم نے نقل کئے ہیں وہ ابتدائی صفحات کی زینت کو بڑھا رہے ہیں۔ اور آگے اس سے بھی شستہ زبان اور قدرے فصیح الفاظ بیسوں جگہ استعمال کئے گئے ہیں۔ جس سے زبان کی حلاوت' انداز بیان کی لطافت' تحریر کی شوخی آمیز سنجیدگی (یعنی عریانی) اور خیالات کی دل آویز ندرت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ شاید ان ہی خوبیوں کی بنا پر ایک زنانہ رسالہ کی فاضل مدیرہ نے تبصرہ کے دوران میں خواتین سے استدعا کی ہے کہ "صدہا اخبارات اس کی تعریف کر چکے ہیں۔ اس لئے آپ اگر ناول پڑھنے کا

---

[1] ہم نے اُن الفاظ کو یہاں نقل کر لیا ہے جو اس قابل نہیں کہ یہاں جگہ پا سکیں مگر سوائے اس کے چارہ کار نہ رہا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ ادارہ

ذوق رکھتی ہیں تو اِسے **ضرور ملاحظہ فرمائیے** میں زیادہ تعریف کرنا فضول سمجھتی ہوں"۔

ہم الکاتب "صدیق بکڈپو لکھنؤ" اور فاضل مصنف نیازمن صاحب سے معافی کے خواستگار ہیں۔ ہم نے جو لکھا ہے محض اس لئے کہ ہمیں اپنا فرض کچھ کہے دے رہا تھا۔ اگر فرصت ہوئی تو آیندہ ہم اسی قبیل کے اور بہت ساری کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ جو "زنانہ لٹریچر" میں جگہ پا گئے ہیں۔

"پیشوا" رسول نمبر

ضخامت (۲۰۰) صفحات، کتابت طباعت پاکیزہ۔
قیمت کاغذ چکنا عمر، کھرا ۸ر۔ زر معاوضہ سالانہ بشمول رسول نمبر عصار، ر عمر علی الترتیب۔
ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ پیشوا۔ کوچہ چیلان، دہلی۔

ہمعصر رسالہ "پیشوا" کا رسول نمبر برائے تبصرہ ہمیں ملا۔ جو ہمارے محترم دوست مولانا حافظ عزیز حسن صاحب بقائی کے زیرِ ادارت اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کو لئے ہوئے شائع ہوا ہے۔ اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید "پیشوا" ہی وہ واحد رسالہ ہے جس نے اس تقریب سعید پر بصد شان و شوکت اپنا ایک خاص نمبر نکال کر سرور کائنات کے ساتھ اپنی دلی عقیدت و ارادت کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد ہی ہندوستان کے اور رسائل و اخبارات نے بھی رسول نمبر نکالے۔ مگر "پیشوا" کا درجہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ اس صف میں اولین ہے۔ متعدد قیمتی اور کمیاب تصاویر اس کی زینت کو ٹہلا رہے ہیں۔ بلحاظ مضامین اس بے نظیر مجموعہ کو اگر سیرتِ مبارک کی "انسائیکلوپیڈیا" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مضامین (نظم و نثر) مجموعی طور پر بانیٔ اسلام کی سادگی اور بانیٔ اسلام کی مبارک زندگی کے حالات نیز اسلامی تعلیمات اور اس کے محاسن کو مختلف پہلوؤں کی روشنی میں، پیش کر رہے ہیں، مگر خصوصیت سے بعض ایسے عنوانات قایم کئے گئے ہیں جو ہادیٔ برحق کی بزرگی و برتری کو منوائے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری کے مضامین اپنی افضلیت کے حامل اس وجہ سے بھی ہیں کہ آپ نے دنیا کی موجودہ کشمکش و بد امنی کو دور کرنے کا واحد علاج بجا طور پر یہ بتلایا ہے کہ ———

"دنیا میں امن تو صرف اسی صورت میں قایم ہو سکتا ہے کہ ——— سرمایہ دار مزدوروں کو غلام نہ سمجھیں اور عام انسانوں سے مساویانہ سلوک کیا جائے ——— سرکارِ دو عالم نے مساوات و حریت کی دنیا کو عام دعوت دی۔ اسی صدائے حقیقت اثر نے قیصریت کے ایوان کو ہلا دیا اور جبر و استبداد کے ہونٹوں کو کپکپا دیا۔ کاش! آزادی (یعنی امن و عافیت) کی تو الٰہی دنیا اس حریت نواز دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس آستانہ پر سر نیاز بھی جھکا دے جہاں بادشاہ و فقیر، غلام اور آقا، ایک ہی صف میں دوش بدوش نظر آتے ہیں ———"

ہماری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہمیں فہرست مضامین میں حسب ذیل ہندو حضرات کے نام نظر آئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام غیر مسلموں کی بھٹکی ہوئی روح کو طمانیت بخشتے ہوئے اپنی حقانیت اور وحدانیت کا معترف بنا رہا ہے۔ سارے ہندی مسلمانوں کو اُن حضرات کا شکر گذار ہونا چاہئے جنہوں نے پیغمبر اعظمؐ کی افضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے عقیدت مندی اور خلوص کا صدقِ دل سے اظہار کیا۔ کاش یہ اخلاص اور یہ ارادت معتقدانِ مذہب کے ساتھ ہندو اور مسلمان دونوں میں عام طور پر پیدا ہو جائے تو ہماری فلاح و بہبودی کی راہیں جو باہمی اختلاف کی وجہ مسدود ہوئی اور ہوتی جا رہی ہیں یکبارگی کھل جائیں۔

ہم فاضل مدیر کی محنت و کاوش کی ہر طرح داد دیتے ہوئے اس قومی آرگن کی فلاح و سرسبزی کے لئے دعا مانگنے سے پہلے ایک خاص چیز کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جو ایک عرصہ سے خلش دل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ اور یقین ہے کہ اس کو نکتہ چینی نہیں بلکہ انتہائے خلوص کے تحت قبول کیا جائے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اشتہارات کے سلسلے میں ہر ماہ یہ گرانقدر رسالہ کچھ ایسی کتابوں کے نام اور انکی فہرست مضامین بھی گنوا تا رہتا ہے جس کو وہ "کیف اور لٹریچر" کے نام سے موسوم کرتا ہے "پیشوا" ہمارے خیال میں ایک ہر دلعزیز پرچہ ہے اور اس کا مردوں کے ہاتھوں سے گذر کر عورتوں تک پہنچنا عجب نہیں۔ اس صورت کی موجودگی میں ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کتابوں کے نام معہ تفصیل ابواب وغیرہ (جس کا ایک ایک لفظ عریانی کو لیا ہوا ہے) بالالتزام شریک رسالہ رہا کریں جن سے نوجوان لڑکے اور خصوصًا لڑکیوں کے اخلاق پر کاری ضرب لگنے کا اندیشہ ہے۔ اگر ان کتابوں کو دفتر پیشوا نے شائع کیا ہے تو بہتر ہوگا جو وہ ایک علیحدہ "پمفلٹ" کی شکل میں اس کی تفصیل وغیرہ دیا کرے۔ اُمید کہ مولانا بقائی صاحب ضرور ادھر توجہ دیں گے تاکہ مخالفین کی انگشت نمائی سے پہلے یہ عیب دور ہو جائے اور پیشوا بلا لحاظ مرد و عورت حقیقی معنوں میں مذہبی پیشوا ثابت ہو۔

رسالہ جہانگیر (خاص نمبر ۱۹۳۲ء)
کراؤن سائز (۱۶۸) صفحات، کتابت و طباعت نفیس۔
قیمت ۱۲؍ سالانہ (سے ۴؍) بشمول خاص نمبر۔
ملنے کا پتہ:۔ دفتر جہانگیر، ۱۱ رسر گرروڈ، بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور۔

رسالہ زیر تنقید، محمد احمد خاں صاحب دُرّانی کی ادارت میں حال ہی میں اپنی پوری "لاہوری" شان و شوکت کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے۔ ابھی اس نونہال کی آنکھ بھی نہ کھلنے پائی تھی کہ وہاں کی صحافتی روایات کے مطابق "خاص نمبر" کی زد میں آگیا۔ عمومًا ان خاص نمبروں نے کچھ ایسی طوفان بے تمیزی مچائے رکھا ہے کہ اب یہ سمجھنا ذرا مشکل سے ممکن ہے کہ کونسا خاص نمبر ہے

اور کونسا "عام"۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس قبیل کے رسائل ان پرچوں کی ترقی کی راہوں میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ جن کے اجرا کا ایک خاص مقصد ہے۔ ایسے مضامین جن پر "کچھ تم سمجھے اور کچھ ہم سمجھے" والی مثال چسپاں ہے۔ ایسے تصاویر جو عریانی یا نیم عریانی لئے ہوئے ہوں، جن میں آرٹ کو دور کا بھی لگاؤ نہ ہو، جہاں جمع ہو جائیں انہیں یکجا کر دیا گیا کر اردو ادب پر احسان جتانے کے لئے "خاص نمبر" کے نکالنے سے کہیں بہتر ہے کہ "عام نمبر" ہی نکالے جائیں۔ یا اگر خاص نمبر نکالنا ہی ہے تو مناسب ہوگا کہ اس کو کسی ایک مخصوص تقریب یا ایک خاص موقع کیلئے رکھ چھوڑا جائے۔ تاکہ ناظرین کو بیک وقت ایک ہی عنوان کے تحت مختلف خیالات سے مستفید ہونے کا موقعہ مل سکے۔ اردو رسائل کے مستقبل کے طور پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ وقت دور نہیں جب ملک کے اس سرے سے اس سرے تک ایک عام ناقدری دیکھی جائے گی اور ہندوستانی صحافت کے سر پر یہ رسائل تباہی و بربادی کا سہرا ضرور رکھ کر رہیں گے۔ جہانگیر کے اس سے پہلے کبھی درشن نہیں ہوئے تھے۔ اب جو ہم دیکھ رہے ہیں تو یہ عروسانہ لباس میں ملبوس اور اپنے شاندار مستقبل کا حال نظر آ رہا ہے۔ تین سہ رنگی اور چھ یک رنگی تصاویر عروسی لباس کی جان بنے ہوئے ہیں۔ مضامین اکثر اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ جن سے فاضل مدیر کے حسن مذاق اور بہترین انتخاب کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری نگاہیں اس وقت فہرست مضامین پر ہیں۔ جن میں بعض ایسے نام بھی نظر آ رہے ہیں۔ جن کی موجودگی رسالہ کی وقعت و قدر کو بڑھا رہی ہے۔ کچھ نام ایسے بھی دہلی لاہور کی ساختہ "القاب" کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں جن کی "ادب نوازیوں" نے غریب اردو کی جان پر بنا دی ہے۔ جن کے قلم نے تاک تاک کر اس بیکس زبان کو کچھ ایسا نشانہ بنایا ہے کہ وہ پڑی دم توڑ رہی ہے۔ انہیں حضرات کی کرم فرمائیوں سے یقین ہے کہ زیادہ عرصہ نہ گزریگا جب اردو (نام ہوگا) ایک مہمل زبان کا، جسکی حروف تہجی کی ابتدا بجائے الف کے ی سے ہوگی!!
ہم کسی قریبی فرصت میں ان تمام حضرات کے نام اور ان کی "ادب نوازیوں" کے نمونے پیش کریں گے۔

عصمت (سالگرہ نمبر) دہلی سنہ ۱۹۳۲ء

حجم (۲۰۸) صفحات، کتابت طباعت نفیس۔
قیمت قسم اعلیٰ عہ، ادنیٰ عہ۔ زر معاوضہ سالانہ ۵؍ روپے علی الترتیب بشمول سالگرہ نمبر
ملنے کا پتہ :۔ دفتر عصمت دہلی۔

معزز معاصر عصمت ہندوستان کے زنانہ رسائل میں ایک امتیازی خصوصیت اور اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ اس کی اصلاحی روش اور طبقۂ نسواں کی سچی ہمدردی اپنے دور کے دوسرے رسائل کی صف میں اس کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا رہی ہے۔ جس کی بیّن مثال اس کے چھبیسویں سالگرہ نمبر کی شکل میں ہمارے آگے موجود ہے۔ ہم اس کی کامیاب ترقی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ نستعلیق

روایات سے دور مغرب زدہ ہندی خواتین کا لیل ونہار ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی مغربی پرستاریاں اور اندھی تقلیدیں انہیں کس رنگ میں رنگتی جاری ہیں؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا رجحان طبع کدھر ہے! ان کے دلچسپ ترین مشاغل کیا ہیں؟ ان کے عادات و اطوار اور طرزِ روش بگڑ کر کس حد پر جا پہنچے ہیں؟ ان کے ادبی ذوق کا کیا حال ہے؟ ان ساری چیزوں کی موجودگی میں عصمت کی ہر دلعزیزی ایک عجوبہ سے کم نہیں۔

زیرِ نظر نمبر "پچیسویں سال" کا پہلا پرچہ ہے، جس میں ملک کے بہترین مضمون نگار حضرات اور خواتین کے مضامین نظم و نثر جمع کیئے گئے ہیں۔ تصاویر مجموعی طور پر باون ہیں۔ جس میں تین رنگین تصویریں بھی شریک ہیں۔ غرض یہ سالگرہ نمبر ہر طرح اس قابل ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کے مطالعے میں رہے۔ ہم رازق صاحب کی محنت اور حسنِ سلیقہ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یقین ہے کہ خواتین کرام بھی اس گرانقدر رسالے کی ہر ممکنہ اعانت و امداد فرماتی رہیں گی۔

سفینۂ نجات } چھوٹی تقطیع (۸۰) صفحات کتابت و طباعت معمولی قیمت ۴ر
ملنے کا پتہ:۔ صغرا منزل، ہمایوں نگر۔ حیدرآباد دکن۔

"عصمت آب" محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا) کا نام دکن کی حد تک تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ آپ کے بعض قیمتی کارنامے "آپکی شہرت میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ اس کے سوا آپ کا شمار دکن کی قدیم لکھنے والی محترم خواتین کی صف میں ہے۔ رسالۂ زیر بحث میں آپ نے خود نوشتہ نوحہ جات، سلام وغیرہ کو یکجا کیا ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ اگر "خونِ جگر سے لکھا گیا ہے" کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید محترمہ موصوفہ کی یہ ابتدائی کوشش ہے۔ کلام میں روانی، برجستگی اور سلاست کا فقدان ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو یقیناً یہ چیز بہت جلد دور ہو جائیگی۔

مختصر مجموعہ نوحہ جات } چھوٹی تقطیع (۳۲) صفحات کتابت و طباعت معمولی قیمت ۲ر
مرتبہ جناب سیّد عباس حسین صاحب صمصام ملنے کا پتہ سفینہ بک ایجنسی "پادر گھاٹ حیدرآباد دکن"

یہ مختصر مجموعہ جناب صمصام کے مختلف نوحہ جات کا ہے۔ حادثۂ کربلا و مصائبِ دشتِ نینوا کی جگر خراش و دلدوز داستان ہی کیا کچھ کم ہے۔ جس کو سن کر جگر پارہ پارہ نہ ہو جائے اور پھر ان کو نظم کا جامہ پہنانا گویا قیامت پر قیامت ڈھانا ہے۔ اس مجموعہ کے ہٹ کر ہمیں آجکل کی شاعری کی نسبت کچھ عرض کرنا ہے۔ جواں مرگ ادیب عظمت اللہ خاں دہلوی نے حق تو یہ ہے کہ پتے کی بات کہہ دی ہے۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "بدقسمتی سے اردو ادبی دنیا میں نری لفاظی یعنی لفظی شاعری کی یا آن سمجھی جانے لگی

ہماری شاعری ایک چیتھڑوں کی گڑیا سی ہے جس کو جھوٹے مسالہ والی کترنیں سی سلا کر پہنا دی گئی ہیں۔ . . . .
اردو شعراء اس قسم کی گڑیاں کھیلتے ہیں۔ اصلیت کی ہوا سے بھاگتے ہیں اور زندگی کی لہراتی ندی سے جان چراتے ہیں (آجکل) شاعری کی قادر الکلامی کے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ توڑ، مروڑ کر الفاظ کی ایسی نرالی نامانوس اور بے ضرورت ترکیبیں نکالی جائیں کہ شاعری عام (کم فہم بلکہ بعض وقت عالی فہم) لوگوں سے کالے کوسوں دور جا پڑے اور اس میں اصلی زندگی کی چھینٹ بھی پڑے ایک مخصوص طبقہ سمجھے یا بے سمجھے اس قسم کے اشعار کے مزے لے۔ قادر الکلامی کی بڑی نشانی یہ ہے کہ گہرے سے گہرے، بلند سے بلند مضمون کو سیدھے سادھے الفاظ میں ادا کیا جائے ———"

اور شاید یہی وجہ ہو کہ اس دور کے شعراء کے کلام میں وہ وجدانی کیف نظر نہیں آتا جو کوئی ایک صدی ادھر تھا۔ اب تو خالص لفاظی یا اس سے بڑھ کر مبالغہ آمیزی ہی رہ گئی ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ فی زمانا اردو شاعری میں مبالغہ آمیزی کو کچھ اس قدر دخل حاصل ہو گیا ہے۔ کہ شاعری کے دوسرے معنی مبالغہ آمیزی کے لئے جانے لگے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ ایک مثل کی حد تک بھی جا پہنچی ہے۔ چنانچہ کسی ایسے موقعہ پر کہ جب کوئی شخص دروغ بیانی سے کام لے رہا ہو تو ہم نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ "اب تم اپنی شاعری کو ختم کر دو" یا "آپ زیادہ اپنی شاعری کو کام میں نہ لاؤ" ——— وغیرہ

کیا ہمارے شعراء ادھر توجہ دیں گے؟ ایک وہ زمانہ تھا جب کہ شاعر کے صرف چند سیدھے سادھے الفاظ ایک بھری محفل کو نیم بسمل کئے دیتے تھے۔ اور ایک یہ وقت ہے کہ صفحہ کے صفحہ زنگ دئے جا رہے ہیں۔ مگر سامعین کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس کا سبب وہی نری لفاظی یا پھر مبالغہ آمیزی کے سوا اور کچھ نہیں۔

کبھی ہماری شاعری میں، اس قدر وجدانی کیف مضمر تھا کہ اسراؔر مرحوم نے ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اپنی ساز پر چھیڑا، اور آدھر ایک سر فروش نے اپنی عزیز ترین جان کو قربان کر دیا۔ مقام صاحب کی اردو تحریر میں گو صفائی اور بعض جگہ برجستگی بھی پائی جاتی ہے۔ مگر ابھی بیان میں ندرت ناپید ہے۔ اگر مشقِ سخن جاری رہے تو امید بندھتی ہے کہ یہ اور دوسرے تمام عیوب بھی ہٹ جائیں گے۔

اسلامی جنتری } رائل سائز (۱۲۸) صفحات کتابت و طباعت اوسط قیمت کاغذ چکنا ۶ ر کھرا ۴ ر
ملنے کا پتہ :- کتب خانہ حیدری - چھتہ بازار حیدر آباد دکن -

یوں تو ہر سال سنہ ہجری کے ختم پر مختلف جنتریاں دکن اور بیرونِ دکن سے شائع ہوتی ہیں - مگر یہ محض شیخ ابوالقاسم صاحب حسام کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مذکورہ جنتری اپنی نوعیت میں خاص ہے - جس میں علاوہ تاریخ وغیرہ کے ہر اس چیز کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جو روزمرہ ہر کس و ناکس کے کام آئے - مقامی طور پر ریلوے کا ٹائم ٹیبل نیز شرح سود اور تبادلہ سکہ جات کلدار و حالی بھی اس میں شامل ہے - حضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ شاہزادگانِ والاشان - مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اور نواب سالار جنگ بہادر کی تصاویر اس کی زینت کو بڑھا رہے ہیں - ہر اعتبار سے یہ جنتری مفید ہے -

نقد "تاریخ" ساد

بقیہ مضمون صفحہ (۸)

احوالِ ما

مگر افسوس کہ عدم گنجائش اور سب سے زیادہ دیر ہو جانے کی وجہ اکثر مضامین ناتمام شائع ہوئے ہیں - براہ کرم ان کا مطالعہ کیجیئے اور مجھے اپنی رائے سے مطلع فرمائیے تاکہ کسی ایک مضمون کو اعلیٰ قرار دیا جا سکے -

اس سلسلے میں جو مضامین دیر سے وصول ہوئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ ہیں - میرا ارادہ ہے کہ اُن کو نیز ان ناتمام مضامین کو جو شریکِ اشاعت ہیں ایک کتابی شکل میں شائع کردوں جو "اسلام میں عورت کا درجہ" کے نام سے موسوم ہوگی - ———— مذکورہ عنوان کے مضامین کے سوائے "عورت کی زندگی کے تین دور" اور "مسلم خواتین کا ماضی' حال اور مستقبل" والے مضامین بھی اس کتاب میں شریک رہیں گے - گویا دوسری دفعہ ان بہنوں کے لئے ایک اور موقعہ دیا جا رہا ہے - جنھیں یہ شکایت تھی کہ "ایسے ادق مضامین لکھنے کے لئے تو کافی وقت درکار ہے اور آپ نے بہت قلیل وقت رکھا" کتاب مذکورہ کی تیاری آیندہ مہینے سے شروع ہوگی - اس اثنا میں مجھے یقین ہے کہ وہ بہنیں بھی اس کی کامیابی میں حصہ لیں گی - اگر ضرورت ہو تو اس کی ضخامت دو سو صفحات سے بھی بڑھا دی جائیگی - اور قیمت کم سے کم رہے گی - تفصیل صفحہ اول پر دیکھیئے - "محرم نمبر" میں بعض غلط تصاویر اور مضامین شریک ہوگئے ہیں - جس کی جانب حضرمیہن "ج" نقوی صاحبہ نے توجہ دلایا ہے - میں بہن موصوفہ کی اس خاص ہمدردی کی رہین منت ہوں -

میری علالت کا سلسلہ اس غلطی کا باعث ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ محترم بہن اور دوسرے حضرات اس کو نظر انداز فرمائیں گے

میرے لئے یہ خبر باعثِ صدر رنج و ملال ہوئی کہ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قریشی (ناظمِ بندوبست سرکارِ عالی) کی علالت کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ خدائے عزوجل سے صمیم قلب کے ساتھ دعا ہے کہ انہیں بہت جلد صحتِ عاجلہ اور شفائے کلی حاصل ہو۔ آمین۔

میں عزیز بہن زبیدہ اور معظمہ و محترمہ مسز قریشی کی شریکِ درد بن کر اپنی لاتعداد دعاؤں اور بہترین تمناؤں کو بھیج رہی ہوں۔

اس دفعہ "عثمانیہ یونیورسٹی" کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ حصولِ علم میں پردہ کی قید کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی بلکہ ایک پردہ نشین پردہ میں ہی رہ کر وہ سب کچھ کر سکتی ہے اور نہایت شاندار طریقہ پر جو آج ملک کی دوسری خواتین ان جکڑبندیوں سے آزاد رہ کر بھی نہ کر سکیں" کیا اب بھی پردہ کے مخالفین اس حقیقت کو نہ مانیں گے؟ اور کیا اس کے بعد بھی پردہ ان کی آنکھ میں خار بن کر کھٹکتا ہی رہے گا؟

سفینہ کی قلمی معاون اور میری محترم بہن محمدی بیگم صاحبہ کی خدمت میں ساری پردہ نشین خواتین کی جانب سے میں "مبارکباد" کا ادنیٰ ترین تحفہ پیش کرتی ہوں۔ جن کی شاندار کامیابی یقیناً ہماری اپنی کامیابی ہے۔

اسی سلسلے میں مجھے اپنی عزیز بہن محترمہ بنت عالیجناب **ناظم صاحب تعلیمات** (سرکارِ عالی) کی خدمت میں ان کے عزیز بھائی مسٹر عبدالصمد خاں صاحب کی ایچ 'یس' یل 'سی کے امتحان میں امتیازی خصوصیت کے ساتھ کامیابی پر مبارکباد پیش کرنا ہے۔ اور خدا سے دعا ہے کہ صاحب موصوف کی یہ کامرانی آئندہ کے لئے بہت سا کامیابیوں کا پیش خیمہ ہو۔ آمین۔

میں عالیجناب ناظم صاحب کی خدمت گرامی میں بھی منجانب "ادارہ" خلوص و مسرت کا "تحفۂ سپاس" پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہی ہوں"۔

معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خان صاحب (ایم۔ بی۔ سی۔ ایچ۔ بی۔ اڈنبرا) کے بیشمار الطاف اور بے انتہا کرم نے میری آنکھوں کے آگے اب اس حقیقت کو روشن کر دیا ہے کہ ؎

ہمت ذاتی بہ جُود ست از سخا محتاج تر
از کریاں خواستن احساں بہ سائل کردن ست

مکرم بہن ؔ ج ؔ نقوی صاحبہ کی " سفینہ نوازیاں " اب اس حد کو پہنچ چکی ہیں کہ ہمیشہ بے ساختگی کے عالم میں یہ شعر وردِ زبان رہتا ہے ؎

من از مروّتِ طبعِ کریم فہمیدم — کہ آب گشتنِ بحر ایں قدر ز شرمِ سخاست

اس دفعہ میری مخلص نواز بہنوں میں ایک اور محترم بہن کا اضافہ ہوا ہے۔ میں محترمہ مسز مولوی فیض الدین صاحب (صدر مہتمم تعلیمات صوبہ کیل) کی ہمدردیوں کی شکر گزار اور لطف و کرم کی رہینِ منت ہوں یقین ہے کہ بہن عفو کی ہمدردی حقیر سفینہ کو بامِ رفعت پر پہنچا کر رہے گی۔

اکثر بہنوں کو شکایت ہے کہ ان کے خط کا جواب بروقت نہیں ملتا۔ ایسی بہنوں کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ٹکٹ ارسال فرمایا کریں۔ میں نے بطورِ خاص انتظام کر دیا ہے کہ ایسے خطوط کا فوراً جواب بھیج دیا جایا کرے۔ (ملاحظہ کرو)

معزز معاصرین نظام گزٹ (ہفتہ وار) رہبرِ دکن (روزنامہ) اور انڈین اسٹیٹس اینڈ زمیندار یز (ماہوار) (Indian States & Zamindaries.) کا سفینہ شکر گزار ہے۔ جنہوں نے اس ادبی رسالہ کو اپنی صف میں جگہ دیتے ہوئے اس کا پُر خلوص خیر مقدم کیا ہے۔ اور ہر ممکنہ اعانت سے " ادارہ " کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔

میں اپنے کرم فرما مولوی سید وقار احمد صاحب (ایم۔ اے۔ ایل ایل بی) اور مولوی محمد حبیب اللہ صاحب رشدی (ایم۔ اے) مدیرین نظام گزٹ (ہفتہ وار) کا شرمندۂ احسان ہوں کہ جن کی بعض بر موقع ہمدردیاں اور اعانتیں حقیر " سفینہ " کی شاملِ حال رہیں۔ میری احسانمندی اور شکر گذاری کا یہ بے مایہ تحفہ یقین ہے کہ عنایاتِ پیہم کا حریف ہو گا ———

(ناچیز) اختر قریشی
(مینجنگ اینڈ اسسٹنٹ ایڈیٹر)

ڈی شین
کا
وائی ٹو فوڈ

(مرد، عورت، اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے)

وائی، ٹو، فوڈ، گوشت کی نسبت آٹھ گنا زیادہ مقوی ہے

کمزور لوگوں کے وزن میں اس کے تین ہفتہ کے استعمال سے (۷) پونڈ کا اضافہ ہوا ہے اور نو دن کا استعمال ۳ پونڈ وزن بڑھاتا ہے۔ انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے رگ پٹھوں کی ساخت کی خاطر "ٹس سالٹ" کو مناسب غذاؤں کے ذریعہ مہیا نہیں کرسکتا تاکہ اس کے جسمانی ضروریات پوری ہوں اور دنیا میں انسانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنی مرغن اور ثقیل غذا اور کو بخوبی ہضم نہیں کرسکتا۔ پس ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنی ضروری غذا کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کھاتے ہیں اس کو بخوبی ہضم نہ کرسکنے کی وجہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی ہوگیا کہ جسم انسانی کو مقوی ذرائع سے جو قدرت کے بالکل قریب قریب ہوں یہ غیر نباتی نمک مہیا کئے جائیں۔ یہی "وائی ٹو فوڈ" کا عمل ہے۔ چنانچہ بچوں کیلئے ضعیف اور ناتوان کیواسطے وائی ٹو فوڈ ایک بہترین غذا ہے۔ اوپر کے دودھ پر پرورش پانے والے بچوں کے لئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیماروں کے لئے ایک بہترین غذا ہے۔ اس کا استعمال دق اور اس کے مماثل دیگر امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرض کی حالت میں اس کا استعمال مریض کے جسم میں سل زمانہ کی عاملیت کو بڑھاتا ہے۔ جس کی بدولت مریض جلد صحت پاتا ہے۔

قیمت:۔ فی ڈبہ خورد ۸/ بذریعہ وی پی ۱۲/ ڈبہ کلاں عہ ۵/ بذریعہ وی پی عہ ۱۴/ ہر مشہور دوافروش کے پاس سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

جے اینڈ جے، ڈی شین

ریذیڈنسی روڈ متصل اسلیہ تھیٹر حیدرآباد دکن

صاحبزادہ میکش آغائی کا اظہار حقیقت
(۲)
ہر چند، روغن گلبہار کے متعلق تو صفحے سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ان گنت محبان وطن نے اپنے تجرباتی
فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور
عبارت آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو ید قدرت نے سحر قدرت سحر آفریں اعجاز ودیعت
فرمایا ہے جہاں اس کی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اسکی تاثیر بھی عدیم النظیر مشاہدہ شاہد ہے کہ
اسکے استعمال نے بال گرنے موقوف کر دئے درد سر زائل کر دیا تکلیف دہ تکان دور کر دی اسکی عطر افشاں خوشبو
مشام جان کو معطر کرتی دماغ کیلئے فرحت و سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ
اس کے موجد ملکی ہاتھ ہیں۔ یہ ایجاد بلا مبالغہ موجد کے لئے باعث صد افتخار و ناز ہے تو ملک کیلئے سرمایہ ناز
روغن گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں ازدیاد
جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہے جس قدر ذکور اہل ملک اور محبان وطن کا فرض ہے
کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے
کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کر دیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہونگے۔
ان اصحاب مخلص کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئیل کے زہریلے اثرات سے
محفوظ رکھا جنکی طوفان بے تمیزی حشرات الارض کیطرح دن دونی رات چوگنی زیادتی پر ہے۔
المشتہر
منیجر، گلبہار کمپنی ـــــ افضل گنج حیدر آباد دکن

ماہنامہ سفینۂ نسواں
مدیرہ:۔ صادقہ قریشی
Safina-i-Niswan.

۱- سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ تاریخ تک شائع کیا جائے گا۔

۲- اگر ۲۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳- سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہو کر پابندئ وقت کے ساتھ شائع ہوگا۔

۴- زرِ معاوضہ عوام سے سالانہ للعہ ششماہی عاہر اور فی پرچہ ۶ آنہ مقرر ہے نمونہ کے لئے ۶ آنہ کے ٹکٹ بھجوائیے۔

۵- خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دے کر کارکنانِ دفتر کو مرہونِ منت فرمائیے۔

۶- جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷- ترسیل زرمعاوضہ و جملہ استفسارات بنام "منیجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے
ناقابلِ اشاعت مضامین خرچۂ ڈاک وصول ہونے پر واپس کئے جائیں گے۔

۸- چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجالانے کے لئے جاری ہوا ہے۔
لہذا ادارۂ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شائع کرنے سے احتراز رہے گا۔

۹- اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائے گی۔

۱۰- ایسے تراجم کے لئے جو متذکرۂ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرمعاوضہ ادا کرے گا۔

۱۱- ادارۂ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہے گا۔

"منیجر"

دولت آصفیہ اور بیرونجات میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ تصفیہ طلب امور کے لئے "منیجنگ ایڈیٹر" کو مخاطب فرمائیے۔

ماہنامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

مکہ معظمہ

"Safina-i-Niswan" MILAD NUMBER. July 1932.

سلسلۂ اشاعت "سفینۂ نسواں"

"اسلام میں عورت کا درجہ"

"عورت کی زندگی کے تین دور" "مسلم خواتین کا ماضی، حال اور مستقبل"

یہ ہندوستان میں انشاءاللہ اپنی طرز کی بالکل پہلی تصنیف ہوگی جس کی خصوصیت یہ ہوگی کہ مذکورہ تینوں عنوانات کے تحت ملک کی بہترین مضمون نگار خواتین کے خیالات یکجا کئے جائیں گے ان مضامین کے علاوہ جو ماہنامہ "سفینۂ نسواں" کے میلاد نمبر میں شائع ہوئے ہیں۔ اس میں اور بہت سی محترم خواتین کے مضامین بھی شریک رہیں گے

اگر آپ { یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے ساری دنیا کی عورتوں کا درجہ کس طرح بلند کردیا اگر آپ ہندی مسلم خاتون کا ماضی و حال اور ان دونوں کی روشنی میں اس کا مستقبل دیکھنا چاہتی ہیں

اگر آپ ہندی عورت کی زندگی کے تینوں دور کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی اپنا نام درج رجسٹر کرا لیجئے تاکہ طبع ثانی تک آپ کو انتظار نہ کرنا پڑے کتاب کی ضخامت قریباً دو سو صفحے ہوگی اور بعض قیمتی تصاویر اس کی خوبیوں میں چار چاند لگادیں گی کتابت و طباعت بہت پاکیزہ ہوگی قیمت صرف [illegible] محصول ڈاک آٹھ آنے علاوہ [illegible] مینیجر [illegible]

یہ دیکھتے ہوئے کہ ملک کی خواتین میں علمی، ادبی ذوق ترقی پذیر ہے۔ "ادارہ" نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے زیر اہتمام ایک ایسی "ایجنسی" قائم کرے۔ جو آپ کو گھر بیٹھے ہندوستان اور بیرون ہند کی ساری قدیم و جدید مطبوعات نیز رسائل وغیرہ مہیا کرتی رہے۔ خصوصاً ہندوستان کے تمام کتاب گھروں کی مطبوعات (اردو و انگریزی) اور رسائل کے خاص نمبر وغیرہ آپ "سفینہ بک ایجنسی" سے طلب فرما سکتے ہیں۔ اس سے آپ نہ صرف غیر معمولی اخراجات سے ہی بچ جائیں گے۔ بلکہ ایجنسی کا آدمی مطلوبہ کتابیں اس کم اصل داموں پر آپ کو اپنے گھر تک پہنچا دیا کرے گا۔ فرمائشات کی تعمیل بعجلت عمل میں آئے گی۔ آئندہ نمبر میں ان کتابوں کی مکمل فہرست دیجائے گی۔ جو اب تک ایجنسی میں پہنچ چکی ہیں۔ مصنفین و مؤلفین کے لئے بھی ایک نادر موقع ہے۔

تفصیلی حالات کے لئے منیجر سفینہ بک ایجنسی کو مخاطب فرمائیے

سفینہ بک ایجنسی

چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد نسائی آرگن

(ماہنامہ) سفینۂ نسواں کا میلاد نمبر

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی

احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد ۱ — نمبر ۵ و ۶

بابتہ ماہ جولائی و اگسٹ ۱۹۳۲ء — مطابق ربیع اوّل و ثانی ۱۳۵۱ھ

فہرست مضامین

سلسلہ مضامین خاص

فہرست تصاویر

(۱) مکہ معظمہ (۲) مدینہ منورہ (۳) الحاج نواب بہادر محمد علاؤ الدین (۴) مولانا سید مہدی علی صاحب شہید (۵) عمارت ادارت تعلیمی۔

ماہنامہ "سفینہ نسواں"
حیدرآباد دکن

مدینہ منورہ

"Safina-i-Niswan" MILAD NUMBER. July 1932.

کلام الملک ملک الکلام

قطعہ

مصلحت تھی یہی حضرت کے یہاں آنے میں
تیرگی تا نہ رہے دہر کے کاشانے میں
جب ہوا مہرِ عرب جلوہ نما اے عثماں
سرنگوں بت ہوئے سجدہ ہوئے بتخانے میں

تری شانِ تجمل کا، وقارِ عرش ہے مظہر
ترا نقشِ جلالت، ثبت ہے کعبہ کی عظمت پر

ضیا افگن ہے تیرا حسن، بتخانہ کی دنیا میں
ترے انوار کی تابش ہے فانوسِ کلیسا میں

کہیں موجود ہے رنگ و بہارِ گلستاں بن کر
کہیں ظاہر ہے تو آتشکدہ کی گرمیاں بن کر

ترے حسنِ تحیر زا کی کوئی انتہا بھی ہے
کہ تو شامل ہے سب میں اور پھر سب سے جدا بھی ہے

ترا سازِ محبت ہے ترنم عندلیبوں کا
چٹک غنچہ کی کیا ہے؟ اک تری توحید کا نغمہ

ترے حسنِ جہاں افروز کے ہیں مختلف منظر
شگوفے۔ پھول۔ ذرّے۔ کہکشاں۔ قوسِ قزح۔ اختر

حدود ذات سے تیرے نہیں ہے کوئی شئے باہر
نشاط و کیف، نوع و جنس، رنگ و بو، عرض جوہر

تری شانِ ربوبیت ہے ہر معلول کی علت
زمانہ۔ ظرف۔ مقدار و تجدد۔ گردش و حرکت

نکلتے ہیں تری تحمید و تہلیل کے نغمے
کڑک بجلی کی بادل کی گرج شورِ تلاطم سے

ترے ہی نور سے روشن ہیں پتھرائی ہوئی آنکھیں
رواں ہوتی ہیں تیرے نام سے چھوٹی ہوئی نبضیں

بیاباں۔ کوہ۔ باغ و دشت و صحرا موج اور ساحل
تری تجرید کے تفرید کے توحید کے قائل

سمجھتے ہیں خدا تجھ کو ثنا کرتے ہیں سب تیری
برہمن۔ شیخ۔ اسقف۔ مُغ۔ پری جن حُور اور قدسی

سمجھ سکتے نہیں ہرگز حقیقت تیرے جلووں کی
بصیرت فہم۔ ادراک و تخیل ہوشِ انسانی

ہر اک اِن میں ہے تابع تیرے قاہر حکمِ محکم کا
ارادہ۔ آرزو خواہش۔ تمنا۔ ولولہ۔ جذبہ

غریبوں کی تڑپ میں اور یتیموں کی نگاہوں میں
تری رحمت کے جھونکے بند ہیں بیوہ کی آہوں میں

تری قدرت سے ہوتے ہیں چٹانوں سے رواں دھارے
تری رحمت سے مولا پھول بن جاتے ہیں انگارے

بہا لاتی ہے گزرے دور کو موجِ کرم تیری
قسم کھا کر میں کہتا ہوں زلیخا کی جوانی کی

سماجت سے تری چوکھٹ پہ کرتی ہیں جبیں سائی
پہاڑوں کی بلندی اور دریاؤں کی گہرائی

تری قدرت کی طاقت کا یہ اِک ادنیٰ کرشمہ ہے
زمیں کے سخت پردے نرم دانہ چیر دیتا ہے

ترے حُسنِ جلالت خیز کی گرمی اگر چاہے
ابھی سارا زمانہ برف کی صورت پگھل جائے

جو تو چاہے مرے مولا تو کانٹے خون ٹپکائیں
رگیں پھولوں کی پتھر سے زیادہ سخت ہو جائیں

ترے جلوے طلسم رنج و کلفت توڑ دیتے ہیں
ترے جود و کرم ٹوٹی امیدیں جوڑ دیتے ہیں

کلام حقیقت التیام حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

بنہ بر پائے احمد سر کہ یابی صد وقار اینجا
زر اینجا۔ گوہر اینجا۔ حشمت اینجا افتخار اینجا

بطیبہ چوں در آئیم باہزاراں شوق می خوانم
من اینجا۔ زندگی اینجا۔ اجل اینجا مزار اینجا

ز داغ عشق سر و سینہ گلزار جنان ارم
گل اینجا۔ لالہ اینجا۔ سنبل اینجا۔ نو بہار اینجا

زہے مستی کہ باشد در خیال ساقی کوثر
خم اینجا۔ جام و مے اینجا۔ سرور اینجا خمار اینجا

نباشد جائے من جز آستانِ مصطفیٰ عثماں
سر اینجا سجدہ اینجا۔ بندگی اینجا۔ قرار اینجا

نعت

از اُستاذ السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

ہم ایسا آپ کا پاتے تو آتے اپنی آنکھوں سے
گہر اشکوں کے روضے پر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے

زیارت کی تمنا میں خیالِ رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اُٹھاتے اپنی آنکھوں سے

نظر آتا کوئی تنکا اگر یثرب کی گلیوں میں
اٹھاتے اپنی پلکوں سے لگاتے اپنی آنکھوں سے

جلا کر شمع ساں دل کو مزہ لیتے محبت کا
کھڑے روضے پہ ہم آنسو بہاتے اپنی آنکھوں سے

در و دیوار کے انوار نظروں میں سما جاتے
وہ نقشہ اپنے دل پر کھینچ لاتے اپنی آنکھوں سے

خدا کرتا کبھی حضرت سے آنکھیں چار ہو جاتیں
ہم اپنا دردِ دل سب کہہ سناتے اپنی آنکھوں سے

یہ سنتے ہیں کہ آنسو موتیوں میں تولے جائیں گے
مزہ ہوتا جو ہم دریا بہاتے اپنی آنکھوں سے

تصور گر اچٹتا بھی تو رو کر پھر جما لیتے
ہم اپنے پیارے روٹھے کو مناتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے ہوش جاتے دیکھ تو لیتے نگہ اُن کی
ہمیں وہ کاش دیوانہ بناتے اپنی آنکھوں سے

نگاہِ لطف ہی کافی تھی بیمارِ محبت کو
نہ سنتے حال لیکن دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

جلیل اشکِ ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے

نعت

از محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ قمرؔ

جاگ او گنبدِ خضرا کے بسانے والے — سکۂ اسلام کا دنیا میں بٹھانے والے
ظلمتِ کفر و ضلالت کے مٹانے والے — رایتِ حق کے زمانے میں اڑانے والے
خوف و امید ہمیں حق سے دلانے والے!!

تھا ملائک کو جو سجدہ کا وہ حکمِ محکم — نور سے تیرے منور تھی جبینِ آدم
بخششیں کون و مکاں بستۂ ایجادِ کرم — حشمت و جاہِ دو عالم ہیں ترے زیرِ قدم
جاگ او ذرہ کو خورشید بنانے والے!!

بڑھ کے پہنچائی گئی سب سے مصیبت تجھ کو — اور کفار نے دی سخت اذیت تجھ کو
حق نے لیکن دئے وہ پایۂ عزیمت تجھ کو — دے سکی قوت و سطوت نہ ہزیمت تجھ کو
مرحبا وہ فقط اللہ سے ڈرانے والے!!

جو شجر خون سے سینچا تھا ترے یاروں نے — اس کو برباد کیا اپنے ہی غمخواروں نے
چار جانب سے ہمیں گھیرا ہے کفاروں نے — شانِ اسلام مٹا دی ہے سیہ کاروں نے
المدد! خلق کو ظلمت سے بچانے والے!!

دیکھ اغیار کے ہاتھوں سے پسے جاتے ہیں — نام لیوا ترے دنیا سے مٹے جاتے ہیں
حوصلے پست ہیں جی اپنے چھٹے جاتے ہیں — موجِ طوفانِ حوادث میں بہے جاتے ہیں
المدد! کشتیٔ امت کے ترانے والے!!

قوم کا حال قمرؔ آ کے بتائے کیونکر — جو گزرتی ہے غلاموں پہ سنائے کیونکر
تشنگیٔ شوقِ حضوری کی بجھائے کیونکر — درِ اقدس ترا آنکھوں سے لگائے کیونکر
او ہر اک درد و مصیبت کے مٹانے والے!!

اعانت

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بیسیوں دشواریوں اور مضامین کے وصول ہونے کی آخری تاریخ جولائی
اور صدہا مشکلات کے بعد آج میلاد نمبر مقرر کی گئی۔ اب آپ یہ سنکر یقیناً مجھے قابل
پیش کر رہی ہوں۔ مشکلات اور معافی قرار دیں گی کہ مجھے میلاد نمبر کیلئے
دشواریوں کا مفصل اظہار طوالت کا ۱۵ جولائی کے بعد سے مضامین ملنے
باعث ہوگا۔ اس لئے میں مختصراً شروع ہوئے۔ جس کا سلسلہ ۱۰ اگست
عرض کرونگی۔ تاکہ جن بہنوں کو یہ تک بھی جاری رہا اور یقین ہے کہ اب
شکایت ہے کہ رسالہ بروقت شائع نہیں جب کہ آپ کے ہاتھ میں "میلاد نمبر" موجود ہے
ہوتا۔ وہ دور ہو جائے۔ اس خرابی کے میرے پاس مضامین برابر آتے رہیں گے۔
دفیعہ کے لئے میں اپنی حد تک ہر امکانی کوشش بھلا بتلایئے۔ ایسی صورت میں میں کیا کر سکتی ہوں؟
صرف کر رہی ہوں۔ مگر مجبور ہوں ایک نہ ایک رکاوٹ ایسی بجائے اس کے کہ آپکی ملامتوں کو سنوں اور شکر گزار رہوں۔ جب
پیدا ہو جاتی ہے کہ پناہ بخدا۔ — میں نے دیکھا کہ "میلاد نمبر" کے لئے مضامین کا ملنا محض اس لئے دشوار ہے
زیر نظر نمبر کا میں نے ابتدا ہی سے اعلان کیا تھا کہ "آج کل ہم مذہب سے بیگانہ ہیں"۔ تو یکا یک میری روح کانپ
اور خصوصاً گزشتہ "محرم نمبر" میں اسکی تفصیل بھی درج کر دی گئی تھی اٹھی کہ الٰہی ہمارا یہ بیگانہ پن کیا رنگ لائے گا۔ اور ہم میں کب مذہبی احساس

حقیر "سفینہ" کے لئے یہ امر باعثِ صد افتخار ہے کہ
وہ بہت ہی قلیل مدت میں دکن کی بعض ممتاز و علم پرور ہستیوں کی
توجہ خاص کو اپنی طرف مبذول کرایا ہے۔ چنانچہ حال میں سرکار
ذی وقار نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ نے ازراہِ عنایت اس کی سرپرستی
فرما کر ہمت افزائی فرمایا ہے۔ یقین ہے کہ یہ حقیر ماہنامہ
آئندہ بھی الطاف و کرم سے مستفیض ہوتا رہے گا۔

"ادارہ"

پیدا ہوگا۔ بجائے "میلاد نمبر" کے اگر کسی "مغربی ریفارمر" کی حیات کو مرتب کرنے کا اگر میں اعلان کرتی تو توقع سے زیادہ میرے پاس مضامین پہنچ جاتے۔ جن کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک ایسی ضخیم کتاب بنتی جو آج تک خود مغرب میں اس موضوع پر کوئی ایسی تصنیف موجود نہ ہوگی۔ غرض اسی انتشار اور افسوس کے عالم میں میں نے "میلاد نمبر" کا خیال ترک کر دیا تھا، اور "معمولی نمبر" کے لئے مضامین کو ترتیب دیکر کتابت کے لئے بھیج دیا۔ اور اس کی اطلاع میں نے اپنی اکثر کرم فرما بہنوں کو بھی دیدی کہ وہ بھی میرے ساتھ ہماری بے حسی اور بیگانگی پر آنسو بہائیں۔ اب سنیئے! ٹھیک اسی دن جب کہ مذکورہ (معمولی) نمبر کی کتابت ختم ہوئی۔ میلاد نمبر کے سلسلے میں، بلدہ اور اضلاع سے اکثر مضامین ملے اور ادھر بیسوں بہنوں کا اصرار رہا کہ "چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو مگر میلاد نمبر ضرور نکلے" ایک بہن نے یہاں تک لکھا ہے کہ:———

"........ اس خصوصیت کا سہرا صرف عزیز "سفینہ" ہی کے سر رہا کہ اُس نے تمام ہندوستان کے نسوانی رسائل کی موجودگی میں، سب سے پہلے بصد شان "محرم نمبر" نکال کر "شہید اعظم" اور دیگر رفقاء کی بے بسی پر اپنے آنسوؤں کی حقیر چادر چڑھایا........ میں یہ ہرگز گوارا نہ کرونگی کہ آپ "میلاد نمبر" کا خیال چھوڑ دیں، دیر ہو تو پروا نہیں۔ مگر ضرور "عید الاعیاد" نمبر نکالئے، تاکہ اس دوسری خصوصیت کا فخر بھی صرف "سفینہ" کو حاصل رہے۔ آپ اگر "میلاد نمبر" نکال دیں گی تو دور حاضرہ کے سارے نسوانی جرائد میں پیارا "سفینہ" محض اس کے مذہبی لگاؤ کی وجہ ایک امتیازی شان حاصل کریگا......"

بہرحال اس اصرار اور خود میری دلی خواہش نے مجھے مجبور کیا کہ تیار شدہ کاپیوں کو رکھ چھوڑوں اور "میلاد نمبر" نکالوں جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ تو میں نہیں کہتی کہ یہ ہر طرح کامیاب رہا۔ جس پرچے کی تیاری کے لئے مجھے صرف پندرہ دن ملے ہوں بھلا وہ کیا کامیاب ہوسکتا ہے؟ ہاں! اپنی عزیز بہنوں کے حکم کی تعمیل تو ایک حد تک ہوگئی ——— خدا میری کوشش مشکور کرے۔ آمین۔

"محرم نمبر" میں جس مقابلہ کا ذکر تھا، کچھ اس کی بھی سن لیجئے! مقابلہ کی تاریخ ۵ جولائی اور مضامین ملتے رہے ۱۰ اگسٹ تک، اور وہ بھی اس اصرار کے ساتھ کہ انہیں ضرور "میلاد نمبر" میں شریک کیجئے۔ آخر میں نے اپنی ان بہنوں سے مشورہ لیا جن کے نام اس سے پہلے لکھے گئے تھے، سب کی یہی رائے رہی کہ "جس قدر مضامین وصول ہوئے ہیں انہیں شائع کر دیجئے۔ اور میں نے بھی یہی کیا ہے۔ (باقی مضمون پر صفحہ ۱۰۲ ملاحظہ ہو)

پیغمبرِ عالم

(از محترمہ بشیر بیگم صاحبہ (مسز محمد عبد السّلام ایم، اے ال ال بی) علیگ)

رسول خدا کی مقدس آپ زندگی پر سینکڑوں قابل مصنفین نے اپنی بیش بہا اور غیر فانی تصانیف یکجا چھوڑی ہیں۔ جن کے مطالعے کے بعد مجھ جیسی ناخواندہ کا مضمون ہیر ایسی عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی پر یقیناً ایک قسم کی جسارت ہے۔ لیکن خلوص اور وفورِ شوق نے مجھے ذیل کی چند سطور ہدیۂ ناظرین کرنے پر مجبور کیا۔ ممکن ہے کہ میرا مضمون معزز بہنوں کے لئے سبق آموز ہو اور وہ رسالت مآب کی نیک زندگی سے ایک قیمتی سبق حاصل کریں۔ جس کو وہ تقریباً بھولتی جا رہی ہیں!

آج میں ایک ایسی برگزیدہ ہستی کا ذکر کر رہی ہوں جس کے اظہار سے قلم میں لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلعم دوشنبہ ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں حضرت بی بی آمنہ کے بطنِ مبارک سے تولد ہوئے تھے اور ۲ فروری سنہ ۶۱۰ء کو منصبِ نبوت سے مشرف ہوئے۔ چالیس سال تک آپ ایک ہمدرد انسان۔ محبِ وطن اور راست گو تھے۔

زمانۂ نبوت تک گمراہی اور جہالت کی ہوائیں عرب کے باشندوں میں سرایت کر چکی تھیں۔ ان کا کوئی فعل ایسا نہ تھا جس کو گناہ سے نہ تعبیر کیا جاتا ہو۔ اونٹوں اور بھیڑوں کی گلہ بانی گرسنگی اور افلاس۔ رنج و مشقت۔ جاہل پن۔ وحشت۔ فسق و فجور۔ ان سب باتوں میں گرفتار تھے۔ شراب پیتے تھے۔ حرام کھاتے تھے۔ اپنے خون سے سینچی ہوئی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ سفاکی اور رہزنی ان کا پیشہ تھا۔ ذرا سی بات پر تلوار سونت لینا ان کا کام تھا۔ غرض وہ درندوں سے بھی بدتر تھے اور حقیقت میں وہ گناہوں سے مرکب تھے۔ عین اس حالت میں جب کہ ان کی گمراہی کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے مقدس نبی کو اس سرزمین میں پیدا کیا اور توحید جیسی سچی اور مقدس کتاب دے کر بھیجا۔

اپنے نبوّت کے بعد توحید کی کھلی آیتوں کے ساتھ خدا اور اپنی رسالت کو پیش کیا۔ اُن کو خدا کی طرف اور دین مبین کی طرف دعوت دی ایسے جاہل اور وحشیوں میں جن کا شیوہ بت پرستی تھا۔ دینِ اسلام کی تلقین ایک آسان کام نہ تھا۔ لیکن آپ اپنے کام میں کامیاب رہے۔ آپ کی کامیابی میں تین باتیں معاون رہیں۔ پہلی دین حق کی سچائی، دوسرے خدا کی اعانت تیسرے آپ کی راست گوئی تھی۔

میں اپنے بہنوں کو بتلاؤں گی کہ دین اسلام پھیلانے میں راست گوئی نے کتنا کام کیا۔ یہ بات تو مانی ہوئی ہے کہ آنحضرت صلعم بچپن سے ہی عرب میں راست گو مشہور تھے۔ آپ کی امانت و دیانت کے قصے عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ چنانچہ آپ کا لقب مبارک "امین" ہو گیا تھا۔ ہر کوئی آپ سے محبت کرتا تھا اور آپ اس کے دل میں گھر کر لیتے تھے۔ چونکہ آپ ایک ہمدرد انسان تھے۔ لہذا ہر کس و ناکس کے ساتھ آپکی ہمدردی ہونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی۔

خطۂ عرب کا ہر فرد آپ پر بھروسہ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی معاملہ میں آپ کی گواہی سارے عرب کی گواہی پر فوقیت رکھتی تھی۔ نبوت کے بعد آپ نے سارے عرب کو اسلام کی دعوت دی۔ ابتداً آپ نے ایک تقریر کی جس میں آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا "اے باشندگانِ عرب کیا تم سے کوئی میری باتوں کو جھوٹ تو نہیں سمجھتا؟" سبھوں نے یکبار چلّا کر کہا "ہرگز نہیں" پھر آپ نے فرمایا۔ "جو کچھ کہ میں کہوں گا۔ کیا تم اس پر یقین کرو گے؟" سبھوں نے کہا "بیشک" تب آپ نے دینِ اسلام کی تلقین شروع کی اور پھر آپنے خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کے متعلق کہنا شروع کیا۔ سارے کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ آپ کی حق گوئی پر سخت برافروختہ ہوئے۔ انہوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور آپ کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینا شروع کیں۔ لیکن وہ دل میں ضرور قائل تھے کہ ایک راست گو کبھی راست گوئی سے ہٹ نہیں سکتا۔ انہیں یقین کامل تھا کہ حضرت محمد صلعم کے زبان سے ایک لفظ بھی کذب کا نہیں نکل سکتا۔ پھر رفتہ رفتہ آپ کی تعلیم کی ضیا پاش کرنوں نے اُن کے سیاہ اور گناہ سے بھرے ہوئے دلوں میں اُجالا کر دیا۔ آپکا ایک بڑا وصف حق گوئی تھا۔ جو آپ کی کامیابی میں معاون رہا۔

.. .. [illegible] ہوں گی۔ کیونکہ حضرت کے کارنامے آپ کی ثابت قدمی اولوالعظمی

آپ کے خصائل اور پھر آپ کو دین اسلام پھیلاتے ہوئے جن جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ان کی تشریح کی جائے تو بلا مبالغہ کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔ و نیز کوئی نئی باتیں نہیں ہیں۔ جس کو تقریباً سبھی جانتے ہیں۔ اب میں صرف آپ کے خصائل حمیدہ لکھنے پر اکتفا کرتی ہوں جو یقیناً بیش بہا جواہر سے بھی بڑھ کر ہیں۔

حضرت رسول خدا صلعم کا مقام رفعت بہت بلند ہے۔ اس ذات عظیم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز رہے۔ آپ نے کہہ دیا سب آدمی ہم رتبہ ہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں۔ آپ نے قبول نہیں کیا کہ انسان کی دو قسمیں ہوں عظیم اور غیر عظیم آپ کی نظر میں خوش حال اور بد حال فقیر اور بادشاہ سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔ حضرت رسول اکرم صلعم نے انسانی ساخت کی عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی۔ اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند فرمایا۔ حالانکہ یہ آپ کے اختیار میں تھا۔

یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ آپ کے قدموں پر لوٹی۔ مگر آپ نے اس سے منھ پھیر لیا۔ اور اس سے ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا تھا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں یا بادشاہت کے ساتھ نبوت زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر آپ نے عبدیت پسند کی۔ غربت اختیار کی۔ آپ کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اس میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں۔ فقیری میں دنیا سے جائیں۔ فقیروں کے زمرے میں اٹھائے جائیں۔

جو لوگ بادشاہت اور اس کی عظمت کے پجاری ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت رسول اکرم صلعم نہ تو بادشاہ تھے اور نہ بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لامحالہ آپ کو بادشاہ قرار دیا جائے تو آپ کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ یعنی جزیرۃ العرب!

جو لوگ مال و جاہ دنیوی عظمت کے آگے سرنگوں ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت مال و دولت سے تہیدست تھے۔ آپ کی دولتوں کا خزانہ فقر و فاقہ تھا!

حضرت فانی عظمتیں رکھنے والے نہیں تھے آپکی تاریخ لکھنے والوں کو آپ کی عظمت۔ ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہیئے ۔ اگرچہ دنیا ان مظاہر پر مرمٹی ہے ۔ حضرتؐ کی عظمت صرف ایک ہی کلمہ میں مل سکتی ہے ۔ آپ کی عظمت صرف دس بارہ حرفوں میں ہے ۔ وہ کیا ہے ۔ کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت۔ ان میں سے کوئی عظمت بھی اس عظمت کو نہیں پہونچ سکتی ۔ بلکہ یہ تمام عظمتیں مل کر بھی اس عظمت کو نہیں پہونچ سکتی ۔ جو کلمۂ لا الہ الا اللہ میں ہے۔ اس عظمت کے آگے تمام عظمتیں اور شوکتیں ہیچ ہیں ۔

حضرت محمد صلعم اس دنیا میں آئے ۔ اور اس کلمہ کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اس کی قدر نہ کر سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا ۔ لیکن وہ ایک ہی کلمہ دنیا سے ٹکرایا ۔ اس میں زلزلہ پیدا کر دیا ۔ اُس وقت کے انسانی آداب اس کے متحمل نہ ہو سکے ۔ لہذا آداب و عادات کے پرستار اس سے لڑنے کھڑے ہو گئے ۔ اوہام اور خرافات نے اُسے قبول نہ کیا ۔ لہذا اوہام و خرافات کے پجاری اُس سے دست و گریباں ہوئے ۔ ظلم و استبداد کی طبیعت نے اس سے کراہت کی ۔ لہذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اس پر دوڑ پڑے ۔ صرف یہی ایک کلمہ تھا جس پر حضرت محمد صلعم نے جنگ کی تھی ۔ اس کی قوت سے بادشاہوں کے، دولت مندوں کے، عوام و خواص کے، اور سب تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی ۔ حضرت محمد صلعم دنیا سے چلے گئے ۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور ـــــ اپنی ناممکن التغیر قوت قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا ۔ وہ اب بھی باقی ہے ۔ اب بھی گامزن ہے اب بھی متعدد مقابلہ ہے ۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں ۔ مگر کیسی جنگ ؟ ایسی جنگ جس میں آج تک شکست نہیں ہوئی ۔ جسم و آلات کی جنگ نہیں ۔ حقیقت و معنی کی جنگ ۔ خون کی آرزو مند جنگ نہیں ۔ زندگی کی کارفرا جنگ ۔

اب بحث یہ ہے کہ کلمۂ توحید یا تو حق ہوگا یا باطل ۔ اگر وہ باطل ہے ۔ حالانکہ نہیں ہے ۔

تو وہ عالم وجود سے اس طرح باطل ہو جائے گا۔ جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریئے محو ہو گئے علمِ حق اور عقلِ صادق کی روشنی میں اس طرح غائب ہو جائے گا۔ جس طرح طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ظلمتِ شب کافور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے۔ (حالانکہ وہ حق ہے) تو علم و عقل حق کے انوار اس کے لئے اس دنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کر لے۔ تمام دلوں میں اتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، اُمرا، فقرا، سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں! حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کر سکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں، حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانے سے ہو سکتا ہے۔ نہ پیشوایانِ دین کے خود ساختہ دعوؤں اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں اور مقدس جمود و تقلید کی راسخ الاعتقادیاں۔ یہ تمام چیزیں کہر کے تودے سے زیادہ نہیں ہیں جو علمِ حق کے نور کے دمکتے ہی فنا ہو جائے گا۔ علمِ حق کا جب نعرہ بلند ہوتے ہی سکونِ موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس وقت عقل و صادق کا سلطانِ عظیم۔ نورانی تاج سر پر رکھے حریت کے پرچم اڑاتا۔ جلالِ ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا اور جہل و ظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ جب صرف علمِ حق ہی کی سلطنت ہوگی۔ جاہلوں کی جہالت۔ متعصبوں کا تعصب۔ وہم پرستوں کے اوہام مدعیانِ باطل کے دعوے نیست و نابود ہو جائیں گے اور یہ کلمہ گونجتا رہے گا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

فقیر شاہنشاہ

(۱)

مولانا عبدالرزاق صاحب بسمل

جب کہ دنیا میں ہوا ذاتِ مقدس کا ظہور ۔۔۔ ہو گئی زیر و زبر شاہوں کی شان آرائی
تھے غلاموں کے بھی دل ایسے غنی اور قانع ۔۔۔ گنجِ کسریٰ پہ بھی نیت نہ کبھی للچائی
وقفِ کونین کی دولت تھی وہ حاصل تھا وقار ۔۔۔ پانوں پر لوٹنے شاہی تھی عرب کی آئی
باوجود ایسے حشم اور خدم کے پھر بھی ۔۔۔ زندگی آپ نے کس درجہ تھی سادہ پائی
حال یہ تھا کہ تمام عمر کبھی دونوں وقت ۔۔۔ نہ غذا ہو کے شکم سیر کبھی تھی کھائی
حجرۂ فقر میں ایسے بھی کٹے دو دو دن ۔۔۔ نہ خور و نوش کے تیاری کی نوبت آئی
یوں بھی ہوتا تھا کہ مہمان کے آجانے سے ۔۔۔ مطبخِ سرد میں دی آگ کبھی دکھلائی
"عائشہ" کہتی ہیں وہ دن تو مجھے یاد نہیں ۔۔۔ کہ غذا صبح و مسا پوری میسر آئی

ایک "ہم" ہیں کہ نہیں حرص سے خالی کبھی دل
ایک "وہ" ذات تھی جو فقر میں لذت پائی

(–)

اسلام کی دنیوی برکتیں

(۱تمہا)

محترمہ "ن" بیگم صاحبہ نفیس

آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں ہر طرف شرک و کفر کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی یونان کا چراغ حکمت گل ہو چکا تھا۔ افلاطون و ارسطو کی درسگاہیں جہاں الہامات کے سبق دئے جاتے تھے وہاں جہالت کا کامل دخل تھا۔ دنیا خدا شناسی سے بالکل معدوم تھی۔ تہذیب و شائستگی کا نام و نشان نہ تھا۔ مرد عموماً لہو لعب میں مشغول تھے۔ عورتوں کی کوئی ہستی نہ تھی۔ کثرت نسل کو برا سمجھتے تھے۔ اور عام طور پہ یہ بات یونانیوں کے دلنشین تھی کہ ایک سے زیادہ اولاد کا ہونا بہتر نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک سے زیادہ لڑکے ہوتے تو قرعہ ڈال کر جس کا نام نکلتا اُسے کوہ اَلپس کی چوٹی پر لے جاکر دھکیل دیتے تھے یونانی غیر ملکیوں کو وحشی کہتے تھے۔ لونڈیوں اور بے تعداد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا۔ عورتیں نیلام ہوتی تھیں اور یہ تو عام رواج تھا کہ کمزور لڑکے قتل کر دئے جاتے تھے۔ ایک انسان دوسرے انسان پر وہ جور و ستم ڈہاتا تھا کہ الامان۔ درندوں کی سی حالت تھی۔ جس طرح کہ ایک طاقتور جانور دوسرے کمزور جانور کو نہایت بے رحمی سے چیر پھاڑ کر پیٹ بھر لیتا ہے۔ وہی حالت اُس وقت انسان کی تھی۔ جس ملک پر نظر ڈالئے وہاں بہیمیت اور بربریت کا دور دورہ تھا۔ دنیا کی تاریخیں خود اس کی شاہد ہیں۔ روم کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہزاروں انسان ہیں کہ خود اپنے ہمجنس کے ہاتھ گرفتار ہے ہیں۔ کہیں اُن پر بیدردی سے زد و کوب کیا جارہا ہے کہیں اُن کا گوشت تراش لیا جاتا ہے کہیں اُن کو تماشا گاہ میں شیروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ایک انسان کو ایک شیر پھاڑ ڈالتا ہے دوسرے انسان کھیل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

عرب کا کیا پوچھنا ہے۔ یہاں تو بہیمیت کی انتہا ہو چکی تھی۔ اگر ساری دنیا ان قبیح اوصاف میں کامل تھی تو عرب اس میں اکمل تھا۔ ہر طرح کی بد اخلاقیاں مثلاً قمار بازی۔ خونریزی۔ قزاقی۔ رہزنی۔ شراب خواری زناکاری اور دختر کشی ارکانِ مذہب سے تھے۔ جنگ و جدال اُن کا شیوہ تھا۔ جہالت کی تاریک گھٹا ملک پر چھائی ہوئی تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر ہزاروں بندگانِ خدا کے خون سے دریا بہا دیا جاتا تھا۔ خاندانی شان و شوکت و قومی شرافت ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔ اس مطلب کے لئے خاص میلے ہوا کرتے تھے جہاں بڑے بڑے خاندانوں کی طرف سے قصیدے پڑھے جاتے جس میں اپنی برتری کا نہایت تزک و احتشام سے تذکرہ کیا جاتا تھا۔ یہ حالت صرف عرب ہی کی نہ تھی بلکہ تمام دنیا پر بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جو ممالک کسی زمانے میں تہذیب و تمدن کا منبع اور مرکز تھے وہ برائیوں اور بد اخلاقیوں کا گھر بنے ہوئے تھے۔

ایران میں عام طور پر آتش پرستی کا رواج تھا۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی۔ دو خدا اہرمن اور یزدان معبود مانے جاتے تھے۔ قمار بازی۔ شراب خوری اور زناکاری عام تھی۔ رومی ہمیشہ بحرِ روم کے چاروں طرف کی قوموں سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ بت پرستی رائج تھی۔ یہ عیاشی بدکرداری عیش و عشرت کے دلدادہ اور فسق و فجور کے شیدا تھے۔ بتوں پر قربانی کی جاتی تھی۔ انسان بھینٹ چڑھایا جاتا عورتیں اور مرد غلام بنائے جاتے۔ عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ شوہر کی بے شمار بیویاں ہوتی تھیں۔

مصر میں جہل مرکب کا دور تھا۔ جب غیر ذی روح کو اہلِ ملک کے لئے مفید و نفع رساں سمجھتے اُس کیلئے قربانی کرتے اور بھینٹ چڑھاتے تھے۔ دریائے نیل کو ہر سال ایک نوجوان اور حسین لڑکی نذر دیا کرتے۔ علم حکمت کے پڑھنے والوں کو سزائے موت دے جاتی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ رہبانیت اختیار کرکے وہ پردہ عورتوں کی عصمت دری کرنا بزرگی اور دانشمندی کی علامت تھی۔

ہندوستان میں آریوں کے ظلم و تشدد کے زمانے میں قدیم باشندے گونڈ۔ بھیل وغیرہ حلقہ گوشی اختیار کر چکے تھے جن کو "شودر" کا خطاب عطا ہوا تھا ان کے (۳۳) کروڑ دیوتا تھے۔

جن کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ بتوں پر حیوان تو حیوان انسان کی قربانی کی جاتی تھی۔ قمار بازی میں عورتیں تک ہاری جیتی جاتی تھیں۔ جب بہیمیت کا دور دورہ شروع ہوا تو اُس نے مذہب کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ بُدھ مذہب خارج ہو رہا تھا۔ مورتی پُوجا کو ذریعۂ نجات تصور کیا جاتا تھا۔ سندھ کے بعض راجا اپنی حقیقی بہنوں سے شادی کر لیتے تھے۔ غرض تہذیب و تمدن و اخلاقِ علم اور شرم و حیا اپنی بربادی پر خون کے آنسو بہا رہی تھی۔

کسی کو کیا خبر تھی کہ سرزمینِ عرب کے وہ ذرّے جو حیوانیت کے پاؤں تلے روندے جا رہے تھے وہ ایک دن فلکِ عظمت کے روشن تارے بن کر چمکیں گے اور گمراہوں کی رہنمائی کا باعث ہوں گے۔

اگرچہ کہ سارے کا سارا عرب اور اُس کے کروڑوں باشندے دنیا کی نظروں میں بالکل حقیقت ہیچ تھے لیکن جس وقت خاورِ اسلام کی صبح صادق کوہِ فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوئی اور اُس کا خوبصورت چہرہ اُفقِ یثرب سے طلوع ہوا۔ یعنے جب واحدِ مطلق نے ہمارے رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تو ایک نہایت مختصر سی میعاد میں ضوتاباں کرنوں سے عرب کا ذرہ ذرہ منور ہو گیا۔

آنحضرت صلعم نے صرف قبائلِ عرب ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو یکسوئی اور اتحاد کی تعلیم دی۔ دس بارہ سال کے اندر تمام قبائلِ عرب کے سر علمِ نبوت کے آگے جھکے ہوئے تھے۔ اسلام نے اِس وحشی قوم کو قلیل عرصہ میں ایک پارسا قوم بنا دیا۔ دشمن بھائی بھائی تھے۔ چوری تھی نہ قزاقی بلکہ ایک دوسرے پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار تھا۔ تعلیمِ اسلام نے اس قوم کو قمار بازی۔ زناکاری اولادکشی اور کثیر الازدواجی سے نجات دی۔

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے والے اصحاب اس بات سے ناواقف نہ ہوں گے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو اہلِ عرب کی منافرت و مخاصمت کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ اُس کا بڑا سبب نسبی فخر تھا۔ ایک معمولی شتربان بھی اپنی شرافت نسبی کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کی حکومت کو ذلیل و خوار سمجھتا تھا۔ اس زمانے میں صرف عرب ہی کی یہ حالت نہ تھی۔ بلکہ شرق سے غرب تک تمام ممالک

اس ہلاک مرض میں مبتلا تھے اور ہر طرف قومی اور نسلی شرافت پر فخر و ناز کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ یہی چیزیں تھیں جنہوں نے انہیں کبھی ابھرنے نہ دیا۔ لیکن جب اسلام نے ان کو رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کا سبق پڑھا کر باہم شیر و شکر کر دیا تو انہوں نے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی رسی کو مضبوط پکڑا۔ پس تائیدِ الٰہی شاملِ حال ہوئی۔ جس کی برکت سے وہ سارے عالم پر چھا گئے اور ہر جگہ اُن کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا۔ عرب کی وادیوں میں جس دین نے توحید کے ڈنکے بلند کئے تھے وہ وہی تھا جس نے ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب، شاہ و گدا غلام و آقا سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی تعلیم دی اور بتا دیا کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسلام نے قومی غرور اور نسبی فخر کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ "اے لوگو انسان ہونے میں تم سب یکساں ہو۔ تم کو اپنی حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔ ہم نے تم کو ایک ہی نر و مادہ یعنی آدم و حوا (علیہ السّلام) سے پیدا کیا۔ اس لئے تم سب نسبِ حقیقی میں یکساں ہو اور کسی کو کسی پر فخر و تفاخر کا حق حاصل نہیں"۔ ؎

بنی آدم اعضائے یکدگر اند ۔۔۔ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

۔یہی وہ دنیا کا تنہا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کی حمایت میں آواز بلند کی اور فرقۂ اُن تمام مظالم کا خاتمہ کر دیا جو ابتدائے تمدن سے ان پر ہو رہے تھے۔ دنیا کے اکثر مذاہب نے عورت کو صرف اس نگاہ سے دیکھا کہ وہ مرد کی غلام ہے اور اس کو انسانی تہذیب و معاشرت سے کسی قسم کا تعلق نہیں لیکن اسلام کے نزدیک مرد و عورت سب برابر ہیں۔ اس بنا پر مرد و عورت کی تفریق جو ہر مذہب میں چلی آتی تھی اسلام نے یہ کہہ کر مٹا دیا۔

لَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط یعنی عورتوں کے مردوں پر جو حقوق ہیں اسی قسم کے حقوق اُن کے مردوں پر ہیں۔ عرب میں اسلام سے قبل لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے اس شرمناک رسم کو اسلام نے یہ کہہ کر مٹا دیا۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ یعنی جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال ہوگا وہ

کس جرم میں قتل (دفن) کی گئی۔ عرب کی جاہلیت میں یہ عام دستور تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے بھائی زبردستی اس کی بیوہ سے عقد کر لیتے یا اس کو نکاح سے باز رکھتے اور جب اس سے کچھ حاصل کر لیتے تو نکاح کی اجازت دیتے۔ اسلام نے اس کا بھی دفعتہً خاتمہ کر دیا چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ

(یعنی) تم کو یہ جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کو وراثت میں لے لو اور نہ یہ کہ اُن کو روکے رہو تا کہ جو کچھ اُن کو مل چکا ہے اُس میں سے کچھ لے لو۔

روم میں عورتوں کو جائداد میں کچھ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ جو کچھ پیدا کرتیں شوہر کی ملکیت ہوتی۔ اسلام نے اس جابرانہ رسم کا بھی ان الفاظ میں خاتمہ کر دیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (یعنی) مرد جو کمائے ان کا ہے۔ اور عورت جو کمائے اُن کا ہے۔ الغرض اسلام نے توحیدِ الٰہی اور وحدتِ قومی کو اپنی عمارت کی بنیاد قرار دیا۔ اور عین اس تاریکی کے زمانہ تموج میں صدائے اسلام عرب کے گوشہ گوشہ سے گونجنے لگی۔ داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے سیدھے سادے دین کی تعلیم دی۔ جو دیگر مذاہب کی رہبانیت اور پیچیدگیوں سے بالکل پاک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چشم زدن میں عقائد اور خیالات اور اصولِ تمدنی میں ایسا حیرت انگیز تغیر پیدا کیا کہ سارے کا سارا عرب اپنی مذہبی فوجی اور ہر قسم کی دائمی رقابتوں کو بھول کر اسلام کے نورانی تاروں یعنی توحیدِ الٰہی اور وحدتِ قومی میں منسلک کر دیا۔ ذات پات کی قید اور قبائل کے منافرانہ جذبات کو فنا کے گھاٹ اتارتے ہوئے اُن کو شیر و شکر کر دیا۔ اور اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ فرما کر سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے کسی شئے کو فخر و امتیاز نہیں بخشا۔ بہرحال اسلام نے مکمل تمدن کی بنیاد رکھی جس کو آج تک متمدن سے متمدن دنیا نہایت احترام سے "اسلامی تمدن" جیسے پرمعنی اور ستائش خیز فقرے سے تعبیر کرتی ہے۔

فریادِ اُمّت

والیٔ اُمت کی بارگاہِ اقدس میں

(از محترمہ نگینہ صاحبہ جاہی (سوہن آباد)

ستائی جا رہی ہے آپ کی امت ذرا دیکھو
رسولِ کبریا خیر الامم یا مصطفیٰ دیکھو

کہاں وہ دن کہ ہر سو پرچم اسلام اڑتا تھا
پڑے ہیں ہائے کیسے آج ہم بے آسرا دیکھو

بجز ہم آپ کے حالِ زبوں کس کو سنائیں گے
پریشاں حال ہے امت محمد مصطفیٰ دیکھو

گلستانِ جہاں میں ہم کبھی گل ہائے خنداں تھے
پر اب مرجھا گئے او باغبانِ دوسرا دیکھو

بپا ہے شورشِ ظلم و ستم ہر قلبِ مسلم میں
ہوئی جاتی ہے سب کی خرمنِ ہستی فنا دیکھو

اسیرِ پنجۂ حرص و ہوا سارے مسلماں ہیں
نہیں ہے اتحادِ باہمی خیر الوریٰ دیکھو

صدائے الاماں ہر سینۂ سوزاں سے اٹھتی ہے
بسانِ شمع ہر دل رو رہا ہے مصطفیٰ دیکھو

نشانِ امتِ احمد مٹانا کچھ نہیں آساں
مٹیں گے خود مٹانے کی ہوس میں پُر دغا دیکھو

ملا سکتے نہ تھے نظریں جو خدامِ محمد سے
وہ آج آنکھیں دکھاتے ہیں فخرِ انساں خدارا دیکھو

کمالِ اوج وجہ قعرِ پستی ہے یقیں جانو
ہلالِ نو بنا کامل مگر پھر کیا ہوا دیکھو

نگینہ کو عطا چشمِ بصیرت ہو مرے آقا
گناہوں سے پریشاں حال ہے یا مصطفیٰ دیکھو

———:(٥)———

پیارے مدنی آقا!

——(اہنا)——

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (عثمانیہ)

دنیا کو اُجاگر کرنے والے دیوتا! اِس اندھیری دنیا کو وہ وقت یاد رہے گا۔ جب کہ تیری موہنی صورت نے آسمان کو روشن کردیا اور چندر کی روشنی کو شرما دیا تھا۔ پیارے آقا! دنیا بھاگوان تھی کہ تیری آمد نے اس کی فضا میں چاندنی سے بڑھ کر نور پیدا کر دیا۔

پرماتما نے اس سنسار میں چاند سورج۔ ستارے۔ گل۔ بوٹے پیدا کئے۔ مگر تیری موہنی صورت بنا کر اپنی قدرت کو چمکا دیا۔

پیارے! تیری صورت دیکھنے والے تو خوش نصیب تھے مگر تیرا تصور بھی پریم کی بانسری کا سا کام دیتا ہے۔

پریم کے دیوتا! مکہ کی پہاڑیوں پر تو نے وہ راگ الاپا کہ سارا سنسار جو سوتا پڑا تھا جاگ اٹھا اور آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔

اُو وحدت کے پجاری! دنیا ایشور کو بھول چکی تھی۔ مورتی پوجا عرب دیس کی جان تھی۔ مگر تیری ایک اُنگلی کے اشارے نے سب کے آنکھوں کو آسمانوں کی طرف اٹھا دیا تاکہ اس ذاتِ یکتا کو ڈھونڈیں جس نے زمینوں۔ آسمانوں کو پیدا کیا۔

اُدھر ایں شانتی کو ڈھونڈھنے والے مہاراج! شانتی تیرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ تو نے دنیا کے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو اللہ اکبر کے نعروں میں شانتی کا سبق پڑھایا۔

اور شانتی کا دور دورہ ہوگیا۔

یثرب میں چمکنے والے چاند! تیری روشنی نے نہ صرف یثرب کی زمین میں چاندنی پھیلائی بلکہ پردیس بھی چمک اٹھے۔ وہ چاندنی ایسی مستقل ٹھیری کہ اب تک اندھیرا نہ ہونے پایا۔ تیرا وجود آسمان کے چاند سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ تیرے ہی لئے یثرب کی گوپیوں نے یہ پریم کا راگ گایا تھا کہ "طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا"

اے سبز گنبد میں آرام کرنے والے آقا! اب تیرے داس اور داسیاں تیرے پرچار کو بھولنے کو ہیں۔ توجہ کر۔ اُن کی ناؤ منجدھار میں ہے سنبھال۔ تیری ذرا سی توجہ ان کے ڈوبنے والے بیڑے کو ضرور پار کر دے گی۔

محمدؐ نام کے سردار! تو ہی اسلام کی فوج کا سردار ہے۔ کامیابی اور سرخروئی تیرے ہی ذریعہ میسر آنے والی ہے۔

سچی عبادت

(از مولانا سید تمکین کاظمی صاحب)

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں
قسم اللہ کی وہ تو کھلے بندوں تجارت ہے

جو زاہد کرتے ہیں سجدے ہزاروں خوف دوزخ سے
میں سچ کہتا ہوں وہ تو نارِ دوزخ ہی کی قیمت ہے

خدا کے شکر میں بندہ جھکاتا ہے جو سر اپنا
عبادت اس کو کہتے ہیں اسی کا نام طاعت ہے

کملی والے داتا!

(راہنما)

(تحریر شریمتی کملا دیوی صاحبہ از بمبئی)

من موہن سُندر روپ شری بھگوان! میں آپ کی داسی کملا آپ کی سیوا میں نویدن کرتی ہوں کہ میرے من کی چنتا کو اپنے پریم سے تسکین دیجئے۔

میں آپ کے پریم کی ابھلاشی اور آپ کے درشن کی متوالی ہوں۔ مہا سندر! میری آشا کو پورا کیجئے۔

میں آپ کے پوتر کاموں سے واقف اور آپ کی سچی داسی ہوں۔ میں نے آپ کی پریم سیوا کا حال کتابوں میں پڑھا ہے۔ میں بھول نہیں سکتی کہ آپ وہی ایشور روپ اوتار ہیں جنہوں نے جہرا کی گھاٹی میں۔ امن اور شانتی کے ساتھ تپسیا کی اور ایشور کا سندیس آنے کے بعد سنسار کی اصلاح کی۔

اے عرب کے مہا پرش! آپ وہ ہیں جن کی سکشا سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا اور یہ آپ ہی کر پا تھی کہ عرب دیس کے ظالم ڈاکو اور راکشس اعلیٰ درجے کے مہنت سوامی اور دھرماتما بن گئے اور دیانت کو سمجھنے لگے۔ بیشک آپ نے دہرم کے سیوکوں میں وہ بات پیدا کر دی کہ ایک ہی سمے کے اندر وہ "جنرل کمانڈر" اور "چیف جسٹس" بھی تھے اور آتما کی سدھار کا کام بھی کرتے تھے۔

اے مہا سندر رشی! میں اس لئے آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپ نے عورت کی مٹی ہوئی قدرت کو سجایا۔ اور اُس کے حقوق تسلیم کئے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اے سندر اوتار آج ہماری آبرو خطرے میں ہوتی اور ہم سنسار میں ذلت کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ آپ ہی نے ہماری لاج رکھ لی اور ہمارے کلیش کو دور کر دیا۔

اے کملی والے داتا! میرے من کو شانتی ہوتی ہے۔ جب میں اس بات پر غور کرتی ہوں کہ آپ نے اس دکھ بھری دنیا میں شانتی اور امن کا پرچار کیا اور امیر و غریب کو ایک سبھا میں جمع کیا۔

میں اس پریم بھگتی کو دیکھ کر خوش ہوتی ہوں کہ جب آپ کے ماننے والے پرماتما کو یاد کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں کوئی دشمنا نہیں ہوتی۔ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

اے پریم رتنی! میں تمہارے درشن کے لئے بیتاب ہوں میری آتما بے چین ہے۔ میرے کلیش کو دور کرو اور ربیع الاول شریف کی بارہویں رات میں اپنے رس بھرے نین مجھے دکھاؤ۔ بولو شری محمدؐ کی جے۔

(تذکرۂ جمیل)

رباعی

(۱)

(جناب محمد عبدالسلام صاحب ذکی دعثمانیہ)

جو نعت میں کامیاب ہو جاتا ہے
وہ ذرّے سے آفتاب ہو جاتا ہے
دربار رسالت سے صلہ پا کے ذکیؔ
مداح فلک خباب ہو جاتا ہے

رباعی

اعجاز یہ ادنیٰ سی کرامات ہوئی
اُمّی سے فصیحوں کو بڑی مات ہوئی
سر دُھنتے ہیں دشمن بھی تری باتوں پر
دل موہنے والی تری ہر بات ہوئی

رباعی

اخلاق کی توصیف میں قرآں آیا
تعظیم کو اللہ کا فرماں آیا
ہے طاعتِ کردگار اس کی طاعت
کس شان سے یہ اُمّی ذی شاں آیا

رباعی

اے سرورِ کائنات اے فخرِ بشر
اے صاحبِ سلسبیل و حوضِ کوثر
آیا ہے بُرا وقت تری اُمت پر
لے جلد خبر شافعِ روزِ محشر

سرورِ کونین

(۱)

(مولانا سید علی اختر صاحب اختر)

وہ دیکھ فضائے ہستی میں، انوار کا اک طوفاں اُٹھا — وہ حسن کی بارش ہونے لگی، وہ ابرِ ضیا افشاں اُٹھا

ساقی نے سجائے جام و سبو، بادل اُمڈے کلیاں چٹکیں — اک شورِ صلائے عام سرِ صہبا کدۂ عرفاں اُٹھا

شب ختم ہوئی تارے ڈوبے، گردوں کے دریچے کھلنے لگے — پیغامِ طرب دینے کے لئے، پیکِ سحرِ خنداں اُٹھا

تصویرِ حیاتِ فانی سے، باطل کی سیاہی دھونے کو — سامانِ طرازِ روح لئے، نقاشِ مہ تاباں اُٹھا

آئیں! وہ تلاشِ حسنِ ازل کا سوز ہے جن کے سینوں میں — اس بزم میں جو مضطر آیا، وہ تشنہ جگر شاداں اُٹھا

بیدار ہے روحِ آسائش، اب بزمِ جہاں نورانی ہے — وہ دورِ شب آرا ختم ہوا، وہ صبر شکن ساماں اُٹھا

ہر فتنہ گر محرومِ یقیں کا، خرمنِ ہستی جلنے لگا — اک برق سی چمکی پیشِ نظر، اک شعلۂ سوزِ داماں اُٹھا

بکھرے ہیں ستاروں میں ہیرے، ہے محوِ تحیر چرخِ بریں — پردہ تھا جو تیرے جلووں پر، اے انجمنِ امکاں اُٹھا

ملتی ہے دلوں کی بےچینی، پیغام طرب کے آتے ہیں!

چلتی ہے نسیمِ روح فزا، اب غنچے کھلتے جاتے ہیں!

اے دہر! مبارک ہو تجھ کو، فردوسِ طرب کی جلوہ گری — پھولوں کا تبسم، حسنِ فضا، نغموں کا تلاطم، رقصِ پری

چلتی ہے نسیمِ امن و اماں، آسودہ ہے ریگستانِ عرب — دم توڑ رہی ہے خود بینی، خاموش ہے نبضِ فتنہ گری

اقبالِ ظفر مند نے اُلٹ دی، ٹرہ کے بساطِ ناکامی — احساسِ جہاں سالی میں ہوا تبدیل، غمِ بیرانہ سری

تکمیلِ حقیقت نے بخشا، مغلوب کو شعورِ بیداری — تمہیدِ صداقت نے پایا، خطرات میں درسِ بےخطری

تذلیلِ غلامی نے پائی، توفیقِ کمالِ آزادی — گم کردہ رہی روشن کی قندیلِ مقامِ راہبری

تنظیمِ کرم پر ختم ہوئی، افکارِ جفا کی خوں ریزی
تعلیمِ خرد میں صرف ہوئی، اربابِ جنوں کی جاں بازی

اے کون و مکاں کے رازِ شرف! اے بادشہِ دین و دنیا
روشن ہے تری فیاضیِ حالی سے، انجمنِ روحِ بشری

کافی ہے اسے نسبت تجھ سے کچھ اور نہ ہو گر دنیا میں
اے کاش! زمانہ کر سکتا، احساس، حجابِ کم نظری

رخشاں ہے تجلی سے تیری، تاریک زمیں کی پیشانی!
عنوان ہے تیری ہستی کا، تکمیل حیاتِ انسانی!

غزلِ نعتیہ

(از)

(محترمہ خاتون ناز صاحبہ)

مجھ پہ بھی لطف و کرم اے شہِ دوراں ہو جائے
یا محمدؐ مری بخشش کا بھی ساماں ہو جائے

میں رہوں دشت میں کہسار میں گلشن میں
ہر جگہ یاد تری درد کا درماں ہو جائے

خواب میں صورتِ احمدؐ جو مجھے آئے نظر
جاگ اٹھے بخت مرا عیش کا ساماں ہو جائے

یاد تیری دلِ مضطر سے نہ جائے اصلا
جسم سے روح نہ جب تک کہ گریزاں ہو جائے

نعت میں نازؔ غزل ایسی مرصع کہنا
سن کے محفل ترے اشعار کو حیراں ہو جائے

بتکدۂ ویراں

(از محترمہ ج تقوی صاحبہ)

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

قاصد ـــــ "حضور سنیاسی نرو تم آپ کے مندر میں آنے سے انکار کرتا ہے، وہ تو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا، لب سڑک مصروفِ عبادت ہے ـــــ اس کو لوگوں نے گھیر لیا ہے جس طرح شمع کو پروانے ـــــ یا شہد کے چھتہ کو مکھیاں ـــــ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے بھی مندر کو خیر باد کہہ دیا"!!

بادشاہ نرو تم کے پاس گیا ـــــ اس سے سوال کرنے لگا ـــــ "کیوں تو نے ایسے مندر کو چھوڑ کر جس کا کلس آسمان سے باتیں کر رہا ہے، ایک درخت کے سایہ میں بیٹھکر عبادت میں مصروف ہے؟ یہاں سڑک پر، جہاں سے خلقِ خدا گزرتی ہے! عبادت کے لئے تو گوشۂ عافیت درکار اور تنہائی و عزلت کی ضرورت ہے۔ تیرا منشار تو اس کے برعکس ہے"!

"اس مندر میں خدا نہیں ہے"! اس نے ایک مغرور و سرکش طریقہ سے جواب دیا!

"کیا کہا؟ اس مندر میں خدا نہیں ہے"! بادشاہ غیظ و غضب سے کانپنے لگا ـــــ "اے سنیاسی! کمبخت ـــــ تو تو ایک منافق کی سی باتیں کر رہا ہے ـــــ کیا تو نے اس مرصع مجسمہ کو نہیں دیکھا جو وہاں اس طلائی تخت پر نصب کر دیا گیا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ وہ تخت خالی؟ وہ مجسمہ بے جان ہے؟ کیا اس میں خدا نہیں ہے؟"

"نہیں —— یہ تو میں نے نہیں کہا کہ وہ خالی ہے، بلکہ وہ تیرا مجسمہ ہے۔ وہ تو بعینہ تیری صورت ہے! اس سے تو یہ عیاں ہی نہیں ہوتا کہ اس میں وہ بے نیاز ہستی مضمر ہے! وہ تبکدہ تو صرف تجھ جیسے سرکش خود پسند نفوس سے آباد معلوم ہوتا ہے!!"

بادشاہ غصہ سے لرزہ براندام ہو رہا تھا —— اُف! غضب خدا کا —— دو لاکھ کی گرانقدر رقم میں نے صرف کی صرف اس عمارت کی خاطر —— اس کو اللہ اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے معنون کیا —— تو کیا وہ سب بیکار رہا؟ ضائع گیا؟ کیا یہی اس کا صلہ ہے؟"

سنیاسی —— لاپروائی کے انداز سے —— جب اس شہر میں آگ لگی تھی —— ہزاروں گھر بے خانماں ہو گئے تھے۔ ہزاروں جانیں جاں طلب تھیں، متعدد فاقہ کش ہستیاں تیری چوکھٹ جبیں سائی کی غرض سے آئیں —— لیکن آہ! —— کیا بتاؤں؟ —— کس بیدردی و کس بیرحمی سے انہیں دھتکار دیا گیا —— نہ انہیں کہیں ٹھکانہ ملا —— نہ اُن کے بھوک پیاس کا کوئی پرسان حال ہوا —— اور پھر —— تو نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے مندر بنائے! —— اینٹ، چونے، مٹی اور پتھر پر تیری رحمتوں کی بارشیں ہوں —— اور خدا کی بنائی ہوئی جانیں یوں تلف کر دی جائیں —— ان پر بجلیاں کوند کوند کر گرائی جائیں!! تیری رعایا فاقوں مرے، اور مندروں میں بے جان تصویریں مرصع ہوں! خوب!! اللہ کے بندوں کے لئے تیری سرکار سے رحم و کرم مفقود ہو جائے —— اور پھر —— اِن خدا —— خدا تیرے مندر میں رونق افروز ہو —— ارے خدا تو وہاں ہے جہاں وہ خانہ بدوش آباد ہیں، وہ وہاں ہے جہاں زیر آسمان ملتی ریت پر تیری دھتکاری ہوئی مخلوق اپنی جہاں فانی ڈالی ہے —— جا! اے بادشاہ تیرے تبکدہ کو خدا نے چھوڑ دیا —— ہاں میرا پروردگار "اُن ٹوٹے ہوئے دلوں میں" اپنا گھر بنا لیا ہے! اس کو عمارتوں کی پرواہ نہیں —— اس کا مسکن تو ایک "شکستہ دل" ہے! تیرا بت کدہ تو ایک کف کی طرح بے بنیاد ہے! یہ شخی اور دولت کا ایک بلبلہ ہے جو ابھرنے نہیں پاتا کہ ختم!!"

بادشاہ کی حالت غصہ و غضب سے اور متغیر ہو گئی —— ایک رنگ آنے لگا ایک جانے لگا ——

اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے! اس کا سینہ پھٹنے لگا —! "اوہ — تو سنیاسی نہیں ہے، تو یقینی ایک منافق انسان ہے، تیرے کاٹے کا منتر نہیں! تیرا ظاہر و باطن ناقابل عبور ہے! چل یہاں سے دور ہو — میرے سامنے سے نکل جا — میرا ملک چھوڑ دے، تیرے جیسی ناپاک ہستیاں میری سلطنت کی تباہی کا باعث ہیں، تیرا وجود سخت خوفناک ہے!!

سنیاسی نے کہا۔ "بہت خوب — تجھے تیرا ملک مبارک! تو مجھے اپنی مملکت سے نکال کر اسی پر نازاں ہے۔ آہ — کیسے کہوں — میری زبان جل جائے — تو تو وہ ہے جس نے اپنے خدا کو جلاوطن کر دیا!! مگر —

دیر نہیں۔ حرم نہیں۔ در نہیں۔ آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟

(ڈنگور)

نعت

— انتخاب —

(مولانا سید تمکین کاظمی صاحب)

نہ حوروں کی تمنا ہے نہ شوقِ قصرِ جنت ہے
مدینے میں رہوں تمکین فقط یہ دل میں حسرت ہے

مسلماں ہی نہیں وہ جس کو الفت ہو نہ حضرت سے
وہ کیا محشر میں دکھلائیگا منہ کیا اس کی صورت ہے

بہشت اک وادیٔ وحشت ہے نظروں میں مرے زاہد
مدینے کا ہوں میں شیدا مدینہ میری جنت ہے

خیالِ روئے انور میں رہو سرشار اے تمکیں
عبادت اس کو کہتے ہیں اسی کا نام طاعت ہے

عرب بعثت رحمۃ العالمین سے پہلے

(از محترمہ الفت النساء بیگم صاحبہ صدیقی)

عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ اس کے مغربی حصہ میں بحیرہ روم اور بحیرۂ قلزم کا شور تلاطم سنائی دیتا ہے جنوب میں ایک بحیرہ زخار لہریں مار رہا ہے جو اسی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مشرقی آغوش میں خلیج فارس کھیل رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایران وفارس اور مازندرانیوں کے علاقے موجود ہیں۔ شمالی حصے میں بحیرہ اسود کا شور تموج ہے۔ سلسلہ قاف اور ترکی و روسی علاقے بھی اسی سمت واقع ہیں۔ اگلے زمانے میں خاکنائے سوئز جس کو افریقہ سے پیوست کیا ہوا تھا۔ لیکن جہازوں کی آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے کے خیال سے فی زمانہ انگریزوں نے اس کو خاکنائے سے آبنائے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ہیں اس ارض مقدس کے حدود اربعہ جس کو عہد قدیم میں مشرقی دنیا کا وسط تصور کیا جاتا تھا۔ ذیل میں ہم اس علاقے کی جغرافی نکتہ نظر سے جو اہمیت ہے اس کو واضح کریں گے۔

عرب کی طبعی حالت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں معدودے چند علاقوں کے سوائے اکثر زمین سنگلاخ ہے۔ ساحلی علاقوں میں کسی قدر زرخیزی پائی جاتی ہے۔ وسط میں نجف اشرف، طائف و یثرب طیبہ کا کچھ حصہ یمن اور فرات و دجلہ کے قرب و جوار کے علاقوں کے علاوہ باقی جتنے علاقے موجود ہیں وہ سب پتھریلی زمینوں سطح مرتفع اور پہاڑیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اس خطہ کا ایک بڑا حصہ ریگستان سے گھرا ہوا ہے جو صحرائے اعظم عرب کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقے میں کہیں کہیں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔ بجز اس کے ڈھونڈنے سے بھی کسی جگہ شاداب زمین نظر نہیں آتی۔ اسی وسطی حصہ عرب کا خاکہ مولانا حالی نے اپنی مشہور آفاق مسدس میں یوں کھینچا ہے۔

زمیں سنگلاخ ہوا آتش افشاں ــــ ہو لو کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سُراب اور بیاباں ــــ کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی ــــ عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

کسی ملک کے تاریخی واقعات پر نظر ڈالنے سے قبل وہاں کے جغرافی حالات پر بھی ایک نظر ڈالی جانی چاہئیے۔ کیونکہ انہیں اثرات کے تحت اس خطۂ ارض میں تاریخی واقعات وقوع پذیر اور مرتب ہوتے ہیں۔ مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کا اکثر و بیشتر حصہ ریگستانی اور سنگلاخ ہے اس قسم کے علاقوں میں جو بنی نوع انسان بود و باش اختیار کئے ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے بقائے حیات کے لئے قدرتی طور پر بہت کم خورد و نوش کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنی قوت بسری کے لئے انہیں انتھک جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ رہزنی کرنا اطراف واکناف کے امن پسند باشندوں سے شمشیر زنی کر کے ان کے اندوختہ آزوقہ سے استفادہ حاصل کرنا اور رہزنی کا نہ حرکت کو اپنی ترقی کا واحد زینہ تصور کرنا جور و جفا کو جوہر مردانگی قرار دینا اس علاقے کے ساکنین کے حقیقی خصوصیات ہوتے ہیں۔ انہیں تاثرات کے تحت عرب کے بسنے والوں کے اقتصادی معاشرتی سیاسی اور مذہبی حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اس خطہ میں زیادہ تر حصہ ریگستانی ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے مویشیوں کے چارے اور اپنی خوراک کی تلاش میں نقل مقام کیا کرتے تھے فن زراعت سے یہ بالکل بے بہرہ تھے۔ محنت و جفاکشی انکی صفت اولی تھی۔ اُن کی فطرت زیادہ تر جنگ و جدال کے جانب مائل رہتی تھی۔ غیروں پر حملہ کر کے ان سے مالِ غنیمت حاصل کرنا تو اورثہ ہے۔ جب اس قسم کی کوئی مہم درپیش نہ ہوتی تو بس آپس میں کشت و خون ہوا کرتا تھا۔ کسی کو تہ تیغ کرنا ان کے پاس ایک معمولی بات تھی۔ لیکن ان میں سے بعضوں میں کچھ صلاحیت بھی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ مختلف پیداوار خام سے بہترین پائیدار مصنوعات بناتے تھے۔ ان کی دستکاری کو دیکھکر متمدن اقوام بھی دنگ رہ جاتے اور اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تھے۔ اونٹ کے پشم سے بہترین اونی کپڑے اور شال دوشالے تیار کرتے تھے۔ جنہیں ممالک غیر کے باشندے گراں قیمت دیکر حاصل کرتے تھے۔ کھجوروں اور تخموں سے بھی اپنی منافع ظاہر کرتے تھے۔ ان چیزوں سے بنائے ہوئے اشیاء کو

آج کل کے شیشوں سے بنے ہوئے مصنوعات کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بعضوں نے عربوں کو وحشی بتلایا ہے لیکن معتبر تاریخی کتب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عرب نہایت ذکی اور ہوشیار قوم سے ہیں۔ بعثت سے قبل کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو گا کہ اس زمانے میں وہ مشہور آفاق گوہر تھے۔ جن کو صحرائے اعظم کی ریت نے اپنے آغوش میں پنہاں رکھا ان کے خرمنِ ہستی کو بنی نوع ان کے مفاد میں صرف کرنے سے انھیں باز رکھا۔ اس تیرہ و تار خطہ نے انہیں صفحۂ ہستی پر کارہائے نمایاں انجام دینے کے لئے مواقع مہیا نہیں کئے۔ ورنہ یہاں بھی بہت سے تیمور و ہنڈن بل آتے سیکڑوں کراموِل اور نپولین کے سے حکمران تمام عالم پر اپنے اقتدار کا سکہ بٹھاتے کئی ایک روسو اپنے سیاسی فلسفہ سے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیتے۔

نواحِ عرب کے اقوام کے اعترافات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اہلِ عرب نہ صرف جنگجوئی و بہادری میں یکتائے زمانہ ہیں بلکہ اگر قدرتی موانعات انہیں مجبور نہ کئے ہوتے تو ضرور دیگر معاشرت ہائے عالم میں یہ اعلیٰ نمونہ ثابت ہوتے۔ بنی ہاشم جو اس زمانے میں سب سے زیادہ باوقعت قبیلہ تصور کیا جاتا تھا۔ اور جس کے مقتدا کو کلیدِ کعبۃ اللہ کے حامل ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس قبیلہ کے بعض اراکین کے متعلق قدیم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نہایت زیرک و دور اندیش سنجیدہ و عزم و بالجزم والی ہستیاں تھیں۔ خود قبلِ اسلام کی تاریخوں میں ابوجہل و ابولہب کے متعلق جو مواد ملتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے کے بہترین سیاس اور عالی خیال ڈپلومیاٹ کی بھی ان کی باریک بینی و دقیقہ شناسی کی گرد تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ مکر و فریب میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ زمانہ حال کے بڑے بڑے چالباز ان سے برسوں سبق لینے پر بھی بمشکل ان کے ہم پایہ بن سکتے۔

تمام وسطی عرب پر نظر غائر ڈال کر وہاں کے اقتصادی حالات کا خاکہ کھینچنے کے لئے ایک ضخیم دفتر کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے مقصد کے لئے صرف مکہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں کے اقتصادی حالات سپردِ قلم کرتے ہیں تاکہ طلوعِ مہرِ تاباں اسلام سے قبل یہاں کی تاریکی کا نقشہ ناظرین کے ذہن نشین ہو جائے۔

مکہ معظمہ نہایت سنگلاخ خطۂ عرب میں واقع ہے۔ اس لحاظ سے یہاں غلہ اور دیگر اجناس کی پیداوار

بہت کم ہوتی ہے ۔یہاں کے لوگ صنعت وحرفت اور تجارت کے ذریعے اپنی معاش پیدا کرتے ہیں چونکہ عرشی تی کرۂ ارض کا وسط قرار دیا گیا ہے ۔ اسی لحاظ سے یہ سارے مشرق کا تجارتی مرکز مانا جاتا ہے ۔کیونکہ بری راستے سے جو تجارت جاری تھی ۔سب کو لامحالہ اسی علاقہ سے گزرنا پڑتا تھا ۔علاقہ شام عراق میں بڑی بڑی منڈیاں تھیں ۔اہلِ مکہ میں سے بعض تو عراق کی منڈیوں میں بھی شامی منڈیوں میں اپنے مصنوعات فروخت کرکے اور وہاں سے ضروری پیداوار اناج اور خورونوش کے سامان اپنے وطن میں لاتے تھے دشوار گزار راہیں ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے سامان کو ان منڈیوں سے لانے اور لیجانے میں بہت وقت واقع ہوتی تھی اس زمانے میں ذرائع نقل وحمل زمانہ حال کی طرح تیز رفتار نہیں تھے ۔گھوڑے اونٹ وخچر ذرائع حمل ونقل تھے ۔علاقہ عرب میں اونٹوں سے زیادہ کام لیا جاتا تھا ۔غرض معاش کی حد تک جو نقص تھا ان اعلیٰ دماغوں نے اس کا انسداد تجارت وصنعت کے ذریعے کیا تھا ۔مہر درخشانِ رسالت اپنے تیز شعاع سے اس خطہ میں ضیار پاشی کرنے سے قبل بھی یہی طریقہ عام طور پر رائج تھا ۔اس کی بہت سی مثالیں مدونہ مکتوب اور دیگر تحریرات سے ملتی ہیں خود اسلامی کتب میں اس کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس زمانے کے مشہور آفاق ملک التجار صدیقؓ اکبر عثمانؓ غنی اور خدیجۃؓ الکبریٰ جن کا نامِ نامی نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں مشہور تھا بلکہ انتہائے مشرق چین وہند اور انتہائے مغرب اندلس اور انگلستان جیسے دور دراز مقاموں میں بھی ان کے نام کا نقارہ بج رہا تھا ۔

عربوں کے سیاسی ادارات ۔ اگرچہ کہ عرب جنگجو قوم سے تھے اور اکثر ان میں خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھی ۔پھر بھی ان میں سیاسی ادارات موجود تھے ۔جن کو اپنے علاقوں کے تحفظ کے لئے انھوں نے قائم کیا تھا ۔عرب آپس میں گو جانی دشمن ہوتے تھے ۔لیکن ایک عام حریف کے مقابلہ میں یہ تمام جتھے اپنی انفرادی رقابت کو نظرانداز کرکے متفق ہوجاتے تھے ۔یہی وجہ تھی اس علاقہ کے مشرق کے جلیل القدر حکمران کسریٰ اور مغرب کے ذی حشم قیصر اعظم کو ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی ۔تو اعد عرب سے یہ بخوبی واقف تھے اور غنیم کی بڑی سے بڑی فوج کو یہ ناک چنے چبوا دیتے تھے ۔

قدیم تاریخی کتب میں ان کے رسم ورواج سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ باوجود یہ قواعد منضبطہ

ضبطِ تحریر میں نہیں لائے گئے تھے۔ پھر بھی ہر ایک فرد بدرجۂ اتم ان کی پابندی کیا کرتا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ میں دشمن تو دشمن اگر کسی شکاری کا شکار شتر ہرنی وغیرہ گھس آتے تو اس کو بھی شکار نہیں کیا جاتا تھا۔ جن مہینوں میں جنگ جدال موقوف رہنے کے قوانین جاری تھے اُن دنوں میں اگر کسی کو ایسا دشمن مل جاتا جس کے خون کا وہ پیاسا تھا اس کے خلاف انگلی تک نہیں اُٹھائی جاتی تھی۔

ان تمام امور کے علاوہ ہر قبیلہ کا سردار اس قبیلہ کی حد تک حاکم مطلق ہوتا تھا۔ اس کا حکم فرید شوکت شہنشاہ کے فرمان کا درجہ رکھتا تھا اور اس کے ہر امر پر اراکینِ قبیلہ سرِ تسلیم خم کرتے تھے اور اس کی اطاعت میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین میں کوئی دوسرا قبیلہ معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے حدود اراضی میں آزاد حکومت کرتا تھا۔

ان قوانین کے علاوہ عرب میں چند مشترک قوانین بھی پائے جاتے ہیں جو زمانہ حال کے بین الاقوامی قوانین سے بالکل مشابہ تھے جب کبھی بیرونی غنیم سے مقابلہ کا وقت آتا تو یہ ایک دوسرے کی آتشِ رقابت اور انفرادی دشمنی کو یک لخت دل سے نکال دیتے اور اس خطرے سے اپنے ملک کو لے جانے کی ہر ممکنہ کوشش کرتے تھے۔ اس قسم کے قوانین کے زمرہ میں موجودہ زمانے کی کوئیلیشن پالیسی بھی آسکتی ہے۔

عدنان اور اس کے قبل کے زمانہ کے حالات کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ قصئی جو عدنانِ ثانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے مکہ معظمہ میں مشترکہ حکومت کی بنا سنہ ۴۴۰ء میں رکھ کر مندرجۂ ذیل عہدے قائم کیے تھے۔

رفادہ [1] - سقایہ [2] - حجابہ [3] - قیادہ [4] -

اسی کے زمانے سے قومی نشان (جس کو 'سواد' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کا رواج شروع ہوا اور اسی کے زمانے میں ایک قومی مجلس قائم کی گئی جس کو ندوہ یا دار الندوہ کہتے تھے۔

اس مجلس میں تمام قبایل کے سردار جمع ہوتے تھے اور امورِ مملکت سیاست پر بحث و تنقید ہوتی تھی۔ اسی کے ذریعے قبائلی فسادات کا انسداد کیا جاتا تھا اور اسی کے ذریعہ امورِ عامہ اور رفاہِ عام کے مسائل پر غور و فکر کیا جاتی تھی۔

ان تمام حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ عرب بد تہذیبی کے بحر ذخار کی گہرائیوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس حد تک تو وہ دیگر اقوام کے دوش بدوش شاہ راہ ترقی پر گامزن تھے باوجود ان خوبیوں کے عرب پر بھی عظمت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس اندھیرے کو صدائے نیر درخشاں کی تو یر بھی اور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اس تاریکی کا اندازہ اس وقت کی اخلاقی اور مذہبی حالات سے ہو سکتا ہے۔

عرب کے اخلاقی اور مذہبی حالات پر نظر ڈالنے سے قبل گرد و نواح کے متمدن اقوام کے اخلاق و مذہب کا تبصرہ کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ عربوں کے دل و دماغ پر انہیں اطراف واکناف کے بسنے والوں کا پرتو پڑتا تھا اور ان کے عادات و اطوار میں جو تم نظر آتا ہے وہ سب انہیں کی صحبت کے کرشمے تھے۔

ملک عرب کی سیاسی تقسیم کے لحاظ سے جنوبی حصہ سلطنت حبش کے زیر حکومت تھا مشرق میں فارس اور ایران کا سکہ تھا۔ شمالی اقطاع پر کی اشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا اور اندرون ملک بزعم خود آزاد تھا۔ چونکہ یہ خطہ ہر قوم و ملت کا آماجگاہ تھا۔ اس لئے یہاں پر مختلف مذاہب کو جگہ ملی تھی ان میں سے بعض مشہور یہودی، عیسائی صابی تھے۔ جو اپنے دین کی اشاعت میں بہت سرگرم نظر آتے تھے اور یہ ایسے مذاہب ہیں جن کے نام سن کر ناواقف شخص دہو کا کھا سکتا ہے کہ ان لوگوں میں ان مذاہب کی عمدگیوں کے نمونے بھی پائے جاتے ہونگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے خود کو مذہب سے درست کرنے کے بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ اگر موسیٰ و عیسیٰ و شعیب و صالح علیہ السّلام پیغمبروں کو ان کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ انہیں کے مذہب کی پیروی کرنے والے ہیں اور یہ انہیں کے اصولوں پر چلنے والے ہیں۔

عام عیسائی تو صرف مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب کے عیسائی حضرت مریم کو نعوذ باللہ خدا کی بیوی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عام یہودی حضرت عزیز کو توریت از بر رکھنے کی وجہ سے ابن اللہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب کے یہودی اپنی قوم کے تمام زن و مرد کو خدا کے

بیٹے ۔ بیٹی ۔ پیارے ۔ پیاری کہا کرتے تھے ۔ علیٰ ہذا صابی مذہب میں بھی اس قسم کے صدہا بیہودگیاں پائی جاتے تھے ۔ جن کو یہاں درج کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ۔

ان کے علاوہ بہت سے ملحد و دہریئے بھی اپنے عقائد کی زہریلی گیاس عوام میں چھوڑتے تھے ۔ جس کی وجہ سے ان کے خیالات میں تزلزل ان کے حرکات سے ڈل ل یقینی کا اظہار ہوتا تھا ۔ ان کی طرح اکثر عربوں کے نزدیک خدا کی ہستی کا اقرار اور جزاء و سزا کا تصور نیک و بد افعال پر نیک و بد نتائج مرتب ہونا قابلِ تسخیر خیال تھا وہ حیات و موت کو اتفاق اور وقت سے موسوم کر کے دنیا کے ہر انقلاب کو دورِ زمانہ سے منسوب کرتے تھے ۔

وسطِ عرب میں باستثنا بعض قبائل کے اکثر و بیشتر افراد کے لکھنے پڑھنے سے بے خبر ۔ علوم سے بے بہرہ فنون سے عاری ۔ مصالحت و معانی سے ناآشنا تھے ۔ اس پر طرّہ یہ کہ برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے ان کے دل و دماغ میں بھی نقش کندہ کیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن ہو نہیں سکتے ۔ ان کے اس اجمالی خیال کی تشریح درج ذیل ہے

خود مختاری نے ان پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا ان میں خود سری اپنے انتہائی درجہ پر پہنچ چکی تھی ۔ اس میں شک نہیں کہ شجاعت و جرارت میں یہ لاثانی تصور کئے جاتے تھے ۔ لیکن انہوں نے اس شجاعت و جرأت کا نشانہ خود اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا ۔ بیکاری اور کاہلی کے یہ مجسمہ تھے شراب اور جوئے کی کیا پوچھئے گا بقول مولانا حالی ۔ ؎

جوا اُن کے دن رات کی دل لگی تھی   شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

ممالک غیر سے بالکل الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے اُن کی زبان اور نسل بیشک کھری تھی ۔ لیکن فصاحت کا استعمال زیادہ تر خود ستائی یا دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے ۔ فحش کارناموں کو تشہیر کرنے کے لئے زبان کی ساری طاقت خرچ کرتے تھے ۔ معایت کی برائی ان کے ذہن میں قایم ہو گئی تھی ۔ بخیالِ شرافت بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے مولانا حالی نے اس ناجائز طریقہ کو خوب واضح کیا ہے ۔ ؎

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی — جنے سانپ کوئی جیسے جننے والی

ان کی اس جہالت نے بت پرستی و توہم پرستی رائج کر دیا تھا۔ ان کی اسلامی قوتیں بالکل سلب ہو گئی تھیں۔ عالم کی ہر ایک چیز شجر، حجر، چاند، سورج، پہاڑ، دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگے تھے۔ اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھی ملیا میٹ کر چکے تھے۔ اس زمانے کی مذہبی حالت کا مولانا حالی نے خوب خاکہ کھینچا ہے۔

کہیں آگ بجھتی تھی واں بے محابا — کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا — بتوں کا عمل سو بسو جابجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی — طلسموں میں کاہن کے تھا بستہ کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدا کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا — جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور — اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

اس دور تاریک میں جب کہ لات منات اللہ و منات اور اساف کے بڑے بڑے بتوں کی پوجا ہو رہی تھی بیٹیوں اور بہنوں کی طرح پیدا کرنے والا۔ مارنے والا۔ بارش برسانے والا۔ اولاد دینے والا۔

پرورش کرنے والا۔ غرض ہر شعبۂ زندگی کا ایک ایک خدا تھا۔ جس کی پرستش بالکل انوکھے طریقہ پر ہوا کرتی تھی۔
اس عہد میں جب کہ بنی نوع انسان وحوش و بہائم کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس وقت بھی بنی ہاشم کے قبیلہ کا رتبہ عرب کے تمام قبائل میں بڑھا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کے کسی نہ کسی کی پیشانی سے دکھاتا رہا۔ آخر یہی نور حضرت ہاشمؓ عبد منافؓ اس کے بعد عبدالمطلبؓ بالآخر ذبیح ثانی حضرت عبداللہؓ کے جبینِ مبارک میں اپنے ضوءِ لاثانی کی تنک تابی سے اہلِ عرب کو مسخر کر رکھا تھا۔ اسی نور کو حاصل کرنے کے لئے حضرت عبداللہؓ سے ایک مشہور کاہنہ نے شادی کا پیام دیا تھا لیکن انہوں نے اس کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور آپ کی شادی حضرت آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف سے ہوئی جن کے پہلوئے مبارک سے مولائے فلک اثاث رحمۃ للعالمین ہویدا ہوئے۔ اسی نور کی برکت سے ان بزرگوں کو کشف و کرامات حاصل تھے۔ حبقوقؑ نبی کی کتاب میں مسطور ہے اور توریت میں اس کے ترجمے کے الفاظ یہ ہیں "خدا سینا سے نکلا ساعیر سے چمکا اور فاران سے ظاہر ہوا" اس مختصر جملہ میں سینا سے مراد کوہ سینا ہے۔ جہاں موسیٰ کے رب ارنی کے اصرار پر رب العالمین نے تجلی دکھائی تھی۔
کوہ ساعیر پر اسی نور کی جھلک کو ملاحظہ فرما کر حضرت عیسیٰؑ نے اپنی امت کو نوید دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب یہ نور عام میں ظاہر ہو جائے تو بلا چون و چرا اسی کے جھنڈے تلے چلے جائیں۔ کلام مجید فرقانِ حمید میں سورۂ صف کے پہلے رکوع سے و نیز انجیل یوحنا کے پہلے باب میں یہ جملہ کہ میرے بعد ایک نبی آوے گا جس کا نام فارقلیطا ہوگا، فارقلیط کے صحیح معنے احمد کے ہیں۔ اس سے حضرت مسیح کے نوید کا ثبوت ملتا ہے۔ ان تمام مراحل کو طے فرمانے کے بعد بھی نور مکرم (جب تمام ربع مسکون میں جہالت و بددینی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا) فاراں کی چوٹیوں سے نمودار ہوا۔ اور ظلمت کا اندھیرا کافور ہو گیا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کی رباعی اس خصوص میں کس قدر جامع ہے۔ ؎

مصلحت تھی یہی حضرت کے یہاں آنے میں — تیرگی تا نہ رہے دہر کے کاشانے میں
جب ہوا مہرِ عرب جلوہ نما اے عثماں — سرنگوں بت ہوئے سجدہ کو بتخانے میں

———مؤرخین کے بیان کے لحاظ سے شروع عربی مہینوں کے لحاظ سے غرہ ماہ ربیع المنور اور بعض کے قول کے مطابق سات اور گیارہ ربیع المنور تھی جب کہ آفتابِ رحمت سرزمینِ عرب سے طلوع ہو کر تمام دنیا کو روشن کیا اور غرقاب ہونے والی کشتیوں کو راہِ راست پر لا کر کفر و ظلمت کے خطرناک بھنور سے بچنے کا موقع عطا فرمایا۔

شمع رسالت کے پروانوں کی تعداد

(مترجمہ عزیزہ ک۔ف بیگم صاحبہ)

تازہ مردم شماری کے مطابق دنیا بھر کے مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

شمالی افریقہ۔	۲۹۴۶۸۰۰۰۰
مغربی افریقہ۔	۲۰۱۱۱۰۰۰
وسط اور جنوبی افریقہ۔	۹۲۸۰۰۰۰۰
مشرقی افریقہ	۹۲۵۷۰۰۰
مشرقی یورپ	۷۱۰۲۰۰۰
سوویٹ روس	۱۲۳۳۵۰۰۰
مشرق قریبہ ایشیائے کوچک	۳۱۷۲۰۰۰۰
ہندوستان	۸۹۱۱۸۵۰۴
ملایا۔	۲۰۳۴۰۹۲ ـ چین ـ ۲۹۸۰۰۰۰۰۰
انڈیا و جاپان و جاوا وغیرہ	۹۵۹۸۵۰۰۰
دیگر ممالک ـ	۶۶۸۰۳۷
میزان کل۔	۶۹۶۰۷۰۶۳۳

(ترجمہ از نیراسیٹ)

آقائے مدینہ مرے مولائے مدینہ!

(از)

(حضرت مولانا تجلی مرحوم)

ہے لب پہ تجلی کے سدا ہائے مدینہ
والائے مدینہ ہے وہ شیدائے مدینہ

پھر مجھ کو نہ ہوگی کبھی پروائے مدینہ
مل جائیں اگر مالک و مولائے مدینہ

روضے پہ بلا لو مجھے روضے پہ بلا لو
آقائے مدینہ میرے مولائے مدینہ

اللہ رے یثرب کا تصور کہ یہ آنکھیں
جب بند ہوئیں کھل گئے در ہائے مدینہ

بطحا میں میری موت ہو طیبہ میں میری قبر
اس طرح الٰہی مجھے مل جائے مدینہ

تقدیر ہے اس کی جو مدینہ ہی کا ہو جائے
آئے نہ پلٹ کر جو کبھی جائے مدینہ

مہکی ہوئی خوشبو سے ہے ہر محفل میلاد
پھیلی ہوئی ہے نکہت گلہائے مدینہ

تاریکی مرقد کا مجھے خوف نہیں ہے
چمکیگا میرا داغِ تمنائے مدینہ

سینے سے مرے دل سے کلیجے سے نہ جانا
اے حسرت دیدار تمنائے مدینہ

رضواں تری فردوس کو کیا لے کے میں جاؤں
گلزار جناں ہے مجھے صحرائے مدینہ

دامن میں ذرا ڈھانپ لو کملی میں چھپا لو
محشر میں مجھے بھی مرے مولائے مدینہ

وہ چاند مدینے کا مدینے سے جو نکلا
حوریں بھی ہوئیں محو تماشائے مدینہ

پرنور ہیں ہر وقت تصور میں تجلی
آنکھوں میں ہماری ہے تجلائے مدینہ

(غیر مطبوعہ)

M. HAJ KHAN BAHADUR AHMAD ALLADIN

The Managing Board of this hon'ble magazine presents their heartfelt regards, for the generous works done by him in the Deccan and Abroad. But still hope and earnestly ask a "helping hand" for the poor muslim girls, here, in the shape of an Industrial Institute for them.

[illegible] [illegible]

مختصر سوانح حیات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(از محترمہ مسز صغرا ہمایوں مرزا)

تاریخ میلاد مبارک حضرت رسول مقبول صلعم ہی کیا مبارک تاریخ ہے۔ وہ نبی برحق جس کی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا جس کے وجود نے دنیا کو موجود کیا حضرت ہی نے انوار توحید سے دنیا میں وحدت کی روشنی پھیلائی۔ تاریکیٔ شرک کو دور کیا۔ وحدت کی روشنی سے ہمارے قلوب منور کیئے۔ اور توحید کی تعلیم سے ہمارے قلوب سرور کیئے توحید کی روشنی پھیلانے کے لیئے دنیا بھر کے مصائب برداشت کیئے اس لیئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس تاریخ اور دن کی جس قدر ممکن ہو خوشیاں منائے جشن میلاد نبی شان وشوکت سے کرے۔ اس روز عید کو سب عیدوں پر مقدم سمجھے جشنوں میں حضرت کی پاک زندگی کے حالات اس طریقہ پر بیان کیئے جائیں کہ غیر مسلم بھی متاثر و مستفید ہوں۔ میں بھی سعادت دارین حاصل کرنے کے لیئے تھوڑے سے حالات ضبط قلم کرتی ہوں۔ رسول اکرم صلعم نے مبعوث ہونے کے بعد جب پیغام حق سنانا شروع کیا تو خود حضرت کے عزیزوں نے جو صدیوں سے بت پرستی کے عادی اور شرک میں مبتلا تھے۔ طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں کیونکہ عمائد قریش حضرت کے جانی دشمن بر افروختہ ہو گئے تھے۔ حضرت کو خانۂ کعبہ سے جس کی تولیت حضرت کو تھی نکال باہر کیا۔ اس کے بعد حضرت کے چچا ابو طالب سے کہا۔ "ہم سب اب زیادہ صبر و تحمل سے کام نہیں لے سکتے۔ یا تو اپنے بھتیجے سے کہہ کر اس کی زبان رکوادو یا تم لڑنے مرنے کے لیئے تیار ہو جاؤ تاکہ ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے"۔ اس پر حضرت ابو طالب نے اپنے پیارے بھتیجے کو جنھیں مثل اپنے فرزند حضرت علیؓ کے عزیز رکھتے تھے طلب کیا اور ان کو قبیلۂ قریش کی دھمکیوں اور ارادے سے مطلع فرمایا اور فرمایا "اے میرے پیارے بھتیجے تو مجھ کو اور اپنے تئیں خطرہ سے بچالے اور ایسا بار

مجھ پر نہ ڈال جس کی متحمل میری ضعیف ہڈیاں نہ ہو سکیں۔ اللہ اللہ کیا امتحان استقامت کا وقت تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم نے جواب صاف ان لفظوں میں دیا۔ "اے چچا اگر سورج کو میری داہنی طرف اور چاند کو بائیں جانب رکھ دے اور مجھ کو میرے کام سے روکنا چاہے تو میں ہرگز رُکنے کا نہیں۔ حتیٰ کہ خدائے برحق میرے صدق کو ان پر ظاہر نہ کر دے یا میں اس کوشش میں فنا ہو جاؤں"۔ اس باشوکت جواب سے خدا کی عظمت و جلال کو قائم رکھنے کے مقابل نہ صرف چچا کی رہی سہی حمایت کو ہی چھوڑنا گوارا کیا بلکہ ان تمام چیزوں کو خدا کے نام پر قربان کرنا پسند فرمایا جو چاند اور سورج کے طفیل دنیا میں پیدا ہو رہی ہیں۔ کیونکہ سائنس سے یہ ثابت ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی تخلیق و بقا میں چاند اور سورج کو دخل نہ ہو۔ گو حضرت ابوطالب یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اپنے بھتیجے کی حمایت میں کل خاندان کی تکلیف و ذلت اور سب سے دشمنی مول لینی ہے مگر ایسے ثابت قدم بہادر بھتیجے کی حمایت نہ کرنی حمیت و شجاعتِ ہاشمی کے خلاف ہے۔ اس لئے اپنے قبیلہ بنی ہاشم سے طالبِ استمداد حضرت ابوطالب ہوئے۔ بنی ہاشم او ر مطلب نے آنحضرت کی حمایت پر کمرِ ہمت باندھی۔ بنی ہاشم کے اس ارادے نے دیگر قبائلِ مکہ کو آمادہ فساد کر دیا۔ چنانچہ کل اہلِ مکہ متفق ہوئے اور آپس میں معاہدہ کر لیا کہ بنی ہاشم سے میل جول ترک۔ شادی غمی میں شرکت موقوف۔ بنی ہاشم کو بجز محصور ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ ذرائع رسد رسانی قریش نے بند کر دئے۔ ان لوگوں نے ایک پہاڑ کے درّے میں سکونت اختیار کی۔ تین سال مسلسل اس مقام پر محصور و مقید رہے۔ کچھ زمانہ پیچھے محرم کا مہینہ ایسا آتا تھا کہ کسی پر حملہ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں بنی ہاشم باہر نکل کر کھانے پینے کی چیزیں خرید کر رکھ لیتے تھے اور حضرت رسولؐ کو جب کبھی موقع ملتا باہر تشریف فرما ہو کر تبلیغ حق کا کام شروع کر دیتے۔ ایکدفعہ رسولِ اکرم نے کوہ صفا پر تشریف فرما ہو کر اپنی قوم کے لوگوں کو بآواز بلند نام بنام پکارا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے سوال کیا "اے آلِ غالب اگر میں تم کو اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک غنیم کی فوج اُتری ہوئی ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے کیا تم اس خبر کو باور کر و گے"۔ سب نے جواب دیا کہ ہم ضرور یقین کریں گے۔ کیونکہ تم جھوٹ نہیں بولتے ہو اور آج تک تمھارا کوئی فعل غلط نہیں ثابت ہوا۔

حضرت نے فرمایا تم کو اگر میرے کہنے کا یقین ہے تو میں تم کو اُس عذاب شدید سے جو پیش آنے والا ہے بچانا چاہتا ہوں۔ اگر خدائے واحد پر ایمان لاؤ گے تو نجات پاؤ گے ورنہ تباہ و برباد ہوجاؤ گے۔ یہ سُن کر ابولہب نے غصہ سے حضرت کو بد دعا دی اور ایک پتھر زور سے پھینک مارا۔ جس کی وجہ سے پیشانی مُبارک سخت زخمی ہوئی اور خون بہنے لگا۔ ابولہب کے ساتھ اور لوگوں نے بھی پتھر برسانا شروع کر دیا۔ جس سے حضرت کا تمام جسم مبارک زخمی اور خون آلود ہو گیا۔ حضرت کوہ بوقبیس کو روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو اس واقعہ کی خبر دی اور دونوں مل کر کوہ بوقبیس پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کے تمام جسم مبارک سے خون جاری ہے اور غشی کی حالت طاری ہے۔ اسی حالت میں حضرتؐ کو گھر لائے اس وقت ملائکہ نے عرض کی کہ ان سب کو جنہوں نے آپ کو ایذا دی ہے بد دعا دیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "میں نبی رحمت ہوں اور یہ قوم جاہل ہے۔ میں ان کو بد دعا نہیں دوں گا۔ بلکہ اُن کے لئے دعا کروں گا کہ خدا اُن کو راہ راست پر لائے"۔ سُبحان اللہ کیا صبر و تحمل کیا دور اندیشی کیا بندگان خدا کی بھلائی خدا کی ذات سے رحمت کی توقع حضرت میں تھی۔ اور ایسی حالت میں بھی اظہار مایوسی نہیں فرمایا۔ حضرت نے جب یہ دیکھا کہ قریش کسی طرح بھی راہ راست پر نہیں آتے تو یہ تدبیر سوچی کہ بغرض حج و تجارت جو لوگ باہر سے آتے ہیں ان میں وعظ فرمانے لگے۔ اور دین حق کی تعلیم و تلقین فرماتے۔ اس وقت اہل مکہ نے چاروں طرف سے جو لوگ آتے ان کی ناکہ بندی کی اور پہرے مقرر کئے اور لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ معاذ اللہ محمد جادوگر ہے اُن کی بات ہرگز نہ مانیں۔ لیکن اس کا نتیجہ برعکس نکلا کہ جب یہ لوگ گھر واپس جاتے تو یہ کہتے کہ ایک فصیح و بلیغ مکہ میں پیدا ہوا ہے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اہل عرب کو اپنا آبائی دین ترک کرنے کہتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابوطالب و حضرت حمزہؓ آنحضرتؐ کی حفاظت تاحدامکان کرتے۔ مگر کفار قریش جب کبھی موقع پاتے حضرت کو تکلیف دیتے۔ جہاں کہیں حضرت جاتے اُن کا تعاقب کرتے پتھر پھینکتے آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے۔ راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ جس سے آپ کے پائے مبارک میں کانٹے چبھ جاتے۔ ابولہب حضرت کا چچا تھا۔ مگر اُس نے حضرت کی جان لینے کی کئی دفعہ کوشش کی۔

ایک دفعہ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے اور حضرت ابو طالبؓ کہیں بکریاں چرانے گئے تھے۔ ابو لہب اس موقع کو غنیمت سمجھکر حضرت کی تلاش میں باہر نکلا۔ دیکھا کہ آپ مسجد الحرام میں نماز میں مشغول ہیں۔ ابو لہب اور اس کے ساتھیوں نے پہلے پتھر مار کر حضرت کا جسم مبارک زخموں سے چور چور کر دیا۔ اور ایک پھندا گلے میں ڈالکر اس زور سے کھینچا قریب تھا کہ روح مفارقت کرے۔ حضرت بالکل بیہوش ہو گئے۔ ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت کا کام تمام ہو چکا۔ حضرت کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلا گئے۔ حضرت حمزہؓ شکار سے جب واپس آئے تو اپنی بیوی صفیہ سے کھانا مانگا۔ حضرت صفیہ نے رو کر کہا کہ تم نے اپنے بھتیجے کی اچھی حفاظت کی۔ تمہارے بھتیجے کو ابو لہب نے مسجد الحرام میں زخمی کر ڈالا اور وہ قریب المرگ ہیں۔ حمزہؓ یہ سنتے ہی فوراً مسجد کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت تک حضرتؐ کو کچھ ہوش آ گیا تھا۔ تمام جسم سے خون جاری تھا۔ حمزہؓ مزاج پرسی کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو غریب مظلوم بیکس وتنہا ہزاروں دشمنوں میں گھرا ہو۔ حمزہؓ ابو لہب کے گھر گئے اور لعنت ملامت کی اور جو کمان ہاتھ میں تھی کھینچکر ماری جس سے اسکا سر زخمی ہو گیا۔ سورۃ تبت یدا ابی لہب میں اسی ابو لہب اور اس کی زوجہ کی طرف اشارہ ہے اور اس کے انجام بد کی پیشین گوئی ہے۔

باوجود ان ایذا رسانیوں کے وہ مطہر اکمل تبلیغ اسلام فرماتے گئے اور اسلام روز افزوں ترقی کرتا تھا۔ جس کو کفار قریش دیکھ کر آتش غضب میں جلتے تھے اور اون کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اب ان کا آبائی مذہب مٹ جائیگا اور عزت و اقتدار کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔ اس لئے اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ مسلمان سخت آفت میں گرفتار تھے۔ غریب مسلمانوں پر آئے دن نت نئے مظالم ہوتے اور طرح طرح کی مصیبتیں ڈہائی جاتیں۔ حضرت بلالؓ ایک شخص عنبر نامی کے غلام تھے۔ ان کا آقا ان کو ہر روز جب کہ شدت کی گرمی ہوتی پتھریلی زمین پر لے جاتا اور ان کی کمر برہنہ کر کے تپتی ہوئی زمین پر لٹاتا اور سینہ پر ایک وزنی پتھر رکھدیتا اور کہتا کہ اسلام سے دست بردار ہو جا۔ ورنہ اسی طرح تیرا کام تمام کر دونگا۔ مگر کیا استقلال کہ شدت تکلیف و گرمی سے دم گھٹنے لگتا اس وقت ان کی زبان سے احد احد کے سوا کوئی اور لفظ نہیں نکلتا۔ کئی روز تک ان کو

اسی قسم کی تکلیف پہنچائی گئی۔ جب حضرت بلالؓ کی حالت قریب المرگ ہو گئی تو اُن کے آقا کو روپیہ دے کر آزاد کرایا گیا۔ جب رسولِ خدا کفار کی ایذا رسانیوں سے بہت ملول ہوتے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ ان کی ہمت بڑھاتیں۔ اور تسلی و تشفی کی گفتگو فرماتیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے مدت العمر کبھی کوئی بات ایسی نہ کہی جس سے آنحضرتؐ کو رنج ہو۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ عربستان میں سخت قحط پڑا جس کی وجہ سے خلقِ خدا بھوکوں مرنے لگی۔ آنحضرتؐ سے بندگانِ خدا کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی اور بہت مشوش و پریشان رہنے لگے۔ حضرت کو پریشان و متفکر دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا "اے خدیجہ اس وقت دنیا میں سخت قحط پڑا ہے اور میرے پاس پیسے نہیں کہ بھوکوں کو غذا پہنچاؤں اور تم سے روپئے مانگتے شرم آتی ہے"۔ حضرت خدیجہؓ نے نہایت کشادہ دلی سے فرمایا میرا مال سب۔ آپ کا ہے۔ اس میں پس و پیش کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر تمام زر و نقد حضرت کے حوالے کر دیا۔ حضرت نے وہ سب مال غربا کو تقسیم کر دیا۔ خدیجہؓ جو مالدار تھیں مفلس ہو گئیں۔ حضرت کا ایثار و استقامت بے نظیر تھا۔ آخرالامر آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اسلام کا جھنڈا آج تک دنیا میں بلند ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔

میں نے جو مختصر طور پر حضرتؐ کے اسوۂ حسنہ بیان کئے اور حضرت خدیجہؓ کا ذکر کر دیا اس کی غرض یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور مرد اپنے رہبر و آقا کے قدم بقدم پیروی کریں۔ مستورات مثل حضرت خدیجہؓ کے ہر بات اور ہر کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتیں۔ جو اپنے شوہر کے لئے باعث تشفی ہو۔ آخر میں میں اپنے لئے بھی دعا کرتی ہوں۔

خدا کرے کہ میں دیکھوں کبھی دیارِ حبیب	نگاہِ شوق کو رہتا ہے انتظارِ حبیب
نہیں ہے دل میں بجز اس کے آرزو باقی	سرِ نیاز ہو اپنا سرِ مزارِ حبیب
الٰہی کہتے ہیں دنیا میں سب کو چشمۂ فیض	دکھا ہمیں بھی وہ دربارِ فیض بارِ حبیب
اجل خدا کے لئے اس قدر تو مہلت دے	کہ تشنہ کام کو مل جائے چشم سازِ حبیب
تمہاری گلشنِ جنت کو کیا کریں رضواں	نگاہِ شوق کا منظر ہے خارزارِ حبیب
الٰہی آتشِ عشقِ نبی بھڑک اُٹھے	کہ جل کے خاک میں مل جائے خاکسارِ حبیب
ہوائے شوق میں اُڑ جاؤنگی مدینہ کو	جنوں فضا ہے مرے حق میں نو بہارِ حبیب

صغرا

نوائے بسمل

(انہماک)

(مولانا سید زین المحسن صاحب رضوی بسمل)

پھیلا کچھ اِس طرح یقین کا نور ظلمتِ کفر ہو گئی کافور

اے زہے بخت سرزمینِ حجاز رشک کرتا ہے جس پہ کوہِ طور

وہ زمیں آسماں نہ کیوں ہو جائے حق کے محبوب کا جہاں ہو ظہور

آسماں کو زمیں پہ رشک آیا رونق افروز ہو گئے جو حضور

صدقہ میلاد کا مجھے بسمل

میرا پروردگار دیگا ضرور

عرب کی ایک صبح

—— (افسانہ) ——

(جناب خواجہ سراج الدین حسن صاحب فاروقی)

آئیے ہم آپ کو اس قطعۂ زمین کی سیر کرائیں جو دنیا کے ہر حصہ پر افضلیت رکھتا ہے۔ جس نے کہ دنیا کی افضل ترین ہستی کو مصیبت کے وقت پناہ دی۔ اور جس میں وہ پاک ہستی تادمِ زیست متوطن رہی اور بعد وفات بھی اپنے جسدِ مقدس سے اُسی کو سرفراز فرمایا۔

صبح کا وقت ہے۔ نسیم سحر کے جھونکے خراماں خراماں چلتے ہیں۔ خورشید فلک اپنی مخمور آنکھیں لئے ہوئے نمودار ہو رہا ہے کہ اپنی ضیا سے عالم کو روشن کرے۔ کچھ عرب اپنے جھونپڑیوں سے باہر بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں۔ کچھ چہل قدمی کر رہے کچھ ابھی تک یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اصحابِ کرام ہم صحبت ہیں آپ تلقین فرما رہے ہیں کہ یکایک ایک سائل آتا ہے اور دست سوال دراز کرتا ہے۔ رسولِ برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ "کچھ ہو تو اسے خدا کے نام پر دیدو"۔ حضرت عمرؓ نے ایک درہم اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ لیکن سائل کو تشفی نہ ہوئی اور مانگتا گیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "میرے ہی لئے اسے کچھ دیدو"۔ حضرت عمرؓ نے چار درہم نکال کر سائل کو دیئے۔ آنحضرتؐ کو تعجب ہوا۔ دریافت فرمایا کہ "اے عمرؓ تم نے خدا کے نام پر ایک درہم گذرانا اور میرے نام پر چار درہم دئے یہ کیوں"؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

خدا کو کس نے دیکھا؟ اور شہادت کس نے دی اس کی
نظر آیا رخِ انور پڑھا کلمہ شہادت کا

ماضی کی یاد

(آخر)

(جناب رانہ قاسمی قمار حسن آبادی)

یہاں کا بچہ بچہ غیرتِ سام و نریماں تھا
ہمارا دامنِ صحرائے ہمت زابلستاں تھا

ہمارے دستِ حکمت میں کبھی عشرت کا ساماں تھا
مزین نقشِ پائے عیش سے بھی گلستاں تھا

اسی پر تھے فدا پروانہائے اتفاق اکدن
یہی دل روشنی افزائے شمعِ بزمِ امکاں تھا

ہمیں تو صورتِ مرغِ نظر تھے محوِ پروازی
غبارِ راہ اپنا غیرتِ پائے گریزاں تھا

نظر ہی باعثِ سرسبزئ کشتِ تمنا تھی
ہمارا ہاتھ سر پر مثلِ ابر گوہر افشاں تھا

فقیری میں بھی پوشیدہ عجب شانِ امارت تھی
ہمارا بوریائے بے ریا "تختِ سلیماں" تھا

ترقی کی ہمارے دل میں وہ تھی شعلہ زن آتش
نہ کچھ جس سے خیالِ پوششِ فصلِ زمستاں تھا

ہماری ضو سے خیرہ چشمِ مہتاب منور تھی
ہماری ہی چمک سے دیدۂ خورشید حیراں تھا

نشاں پابوسئ دولت کے ہیں بالائے پابانی
ہمارا ذرۂ خاکِ اجل گنجِ فراواں تھا

رہ تحصیل ہم تھے سوارِ اشترِ ہمت
دہانِ سرِ تکوینِ معیشت خود حدی خواں تھا

کبھی سکہ ہمارا تھا عمیم الامتاں بیشک
غرض ہر قوم کے سر پر ہمارا ہی تو احساں تھا

نقوشِ پائے فصلِ رفتہ اب تک ہیں گلستاں میں
جو اپنا ہر قدم صحنِ خوشی میں صرفِ جولاں تھا

عجب پرشان تھی وحشت حصولِ فخر کی گردش
کہ ہر اک آبلہ تاجِ سرِ خارِ مغیلاں تھا

Safina-i-Niswan.

خدا کی محبت

LOVE OF GOD

(*i. e.* ISHK-I-ALLAH)

(مترجمہ فردوسی اسلام مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری)

(*Translated in Urdu by Moulana Mahir.*)

انگریزی نظموں کے منظوم تراجم کی طرف میں نے کبھی توجہ نہیں کی۔ البتہ بعض مغربی شعراء کے گراں قدر خیالات کی ترجمانی نثر میں کبھی کبھی کی ہے۔ مگر جب اسلامی ادب اور مشرقی لٹریچر کے آفتاب نے میری بصیرت کو نوازا۔ آسمان مغرب کے جھلملاتے تاروں اور بزمِ یورپ کے ٹمٹماتے چراغوں کی میری نظر میں مطلق وقعت نہیں رہی لیکن قدرت انسان کو کبھی اس کے رجحان و مذاق کے خلاف بھی مجبور کر دیتی ہے۔ قدرت کے اس جبر نے عزیز محترم مسٹر اختر قریشی ایڈیٹر "سفینۂ نسواں" کے اصرار کی شکل اختیار کی اور میں انگریزی نظم کا ترجمہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مجبوری کہیے یا کمزوری سے تعبیر کیجیے۔ ترجمہ میں لفظی اور معنوی تصرف بہت کچھ کیا گیا ہے۔
(ماہر)

WHAT is this stream, this wondrous stream
That poureth ever forth,
Is it a fact, or merely dream,
This flood of Love Divine?

یہ کس جادو اثر حیرت فزا اُلفت کا چشمہ ہے
جو دن رات اپنی پوری طاقت سے اُبلتا ہے
کوئی مجھ کو بتائے یہ خدا کے عشق کا طوفاں
کوئی خوابِ پریشاں ہے کہ اصلیت سراپا ہے

What is this fire that melts my heart,
The fire of Ishk Allah
That sootheth every burning smart
Caused by the want of love?

The flame of Ishk Allah breaks down all bars
And captive souls sets free,
All hurt and seared with mundane scars
And starved for want of love.

No longer dost Thou seem after
Now Thou by love art known,
We drink so deep of Ishk Allah
That we in Thee are lost.

I walk about like one astray,
Quite drunk with heavenly wine,
How can I tear myself away
From Him who is within.

"Thou art myself," the lover cries
To that soul he adores,
"I never did exist," he sighs,
"But only Thou, Beloved."

Miss MUSHTARI,
(M. R. WOKING, LONDON.)

تعالی اللہ گرمی آتشِ عشقِ الٰہی کی
اثر سے موم ہو جاتا ہے جس کے قلبِ انسانی
محبت درحقیقت باعثِ تخلیق ہے اس کی
نہ کیوں ممنوں ہو اس آگ کی ہر شعلہ افشانی

اثر انگیز ہے حبِ خداوندی کا ہر شعلہ
گلا کر چھوڑتا ہے دنیوی خواہش کی زنجیریں
سکوں باقی ہیں رہ جیں۔ دردِ دل باقی نہیں رہتا
پلٹ جاتی ہیں الفت کے پرستاروں کی تقدیریں

عبارت تیرے جلووں سے مرے احساس کی دنیا
حقیقت تو یہ ہے سب اٹھ گئے پردے جدائی کے
زہے قسمت میں تیری ذات میں خود ہو گیا ہوں گم
مرے ایمان و دیں قرباں تری الفت کی مستی کے

شرابِ خلد پی کر ہو گیا ہوں مست دیوانہ
میں گم گشتہ مسافر کی طرح پھرتا ہوں دنیا میں
اگر جاؤں بھی تو تجھ سے جدائی ہو نہیں سکتی
کہ تو موجود ہے مجھ میں مرے دل کی تمناؤں میں

پرستش نے کیا ہے مجھ کو واصل تیرے جلووں سے
تری شانِ عبودیت مری فطرت کا ایماں ہے
تری الفت عدم سے لائی مجھ کو بزمِ ہستی میں
مری ہستی یہ تیرے عشق کا واللہ احساں ہے

سردارِ کونین کے مختصر حالاتِ زندگی

(از محترمہ حضرت نشاط۔ ایسٹ افریقہ)

خالقِ اکبر نے تمام موجوداتِ عالم سے قبل آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ حضرت آدمؑ سے آنحضرتؐ کے زمانے تک جتنے پیغمبر پیدا ہوئے وہ سب اپنی اپنی امت سے حضرتؐ کے اوصاف بیان کرتے رہے اور اللہ نے جو صحیفے اُن رسولوں پر نازل فرمائے اُن میں حضورؐ کی نشانیاں اور حلیہ سے انبیا کو واقف کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کو حضرت ایوبؑ کا سا صبر، حضرت یوسفؑ کا حسن، حضرت ابراہیمؑ کی سی مہمان نوازی اور حضرت یونسؑ کی سی عبادت عطا فرمائی۔ بقول ؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ؛ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش تھی کہ "اے میرے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا" مگر جواب ملا کہ لَنْ تَرَانِیْ (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) آنحضرتؐ جلوہ گاہِ رب العالمین میں جا کر ہم کلام ہوئے۔ یہ وہ درجہ تھا جو آج تک کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ آپؐ تمام پیغمبروں کے سردار اور آخر الزماں ہیں۔ بعض جگہ آنحضرتؐ کو سید المرسلین و خاتم النبیین اور خیر البشر کے پاک اور مقدس ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

جب ہم آنحضرتؐ کا نام سنیں تو آپ کی ذات والا صفات پر درود شریف پڑھیں۔ آنحضرتؐ نے ہمیں تعلیم دی کہ "اے لوگو! خدا کی اطاعت کرو اور اُسے واحد جانو اور اپنے جھوٹے معبودوں سے باز آؤ۔" حضورؐ کا کلام شیریں سن کر بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

معراج نبوت کے بارھویں سال ایک رات جب حضرتؐ آرام فرما رہے تھے حضرت جبرئیلؑ نے آکر آنحضرتؐ کو جگایا۔ براق پر حضرتؐ کو بیت المقدس کی طرف لے گئے۔ وہاں نماز ادا کی۔ اُس کے بعد آسمان پر لے گئے۔ دوزخ اور بہشت کو ملاحظہ کرایا۔ وہاں سے جب آپؐ آگے بڑھے تو جبرئیلؑ ساتھ چلنے سے انکار کئے اور کہا کہ حضورؐ کی وجہ سے یہاں تک آیا ہوں آگے جانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ اگر یک سرِ موئے برتر پرم ؛ فروغِ تجلی بسوزد پرم۔ حضرتؐ نے خلوت میں جا کر جمال الٰہی کو اچھی طرح دیکھا اور پھر بیت المقدس میں واپس تشریف لائے۔

ہجرت جب آپؐ کو مکے والوں نے ستانا شروع کیا تو آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اُس وقت سالِ ہجری کا آغاز ہوا۔ آنحضرتؐ پہلے پہل ابو ایوب انصاری کے مکان پر رہے اور وہاں اپنا گھر اور مسجد بنائی۔ جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں پھر آپ نے اپنے اہل و عیال کو بھی وہیں طلب فرما لیا۔

وصال آخر ماہ صفر ۱۱ھ میں رسولِ خدا بیمار ہوئے اور علالت کی حالت میں بھی اپنی اُمت کو اپنے شیریں کلام سے احکامِ خداوندی سناتے رہے۔ اور دمِ آخر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اگر مجھ پر کسی کا کچھ حق ہو یا میں نے کسی کو ناحق ستایا ہے تو مجھ سے انتقام لے سکتا ہے"۔ آنحضرتؐ کا وصال ۱۱ھ میں ہوا جب کہ آپؐ کا سنِ شریف (۶۳) سال کا تھا۔ آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔

ؔ معراج کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ (نصرت)

قصیدۂ میلاد

سرور کائنات مفخر موجودات اشرف الانبیا حبیب خدا احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

—— (۱) ——

(جناب سید عباس حسین صاحب)

افتخار اولیاء و انبیاء آمد پدید — رحمۃ للعالمین خیر الوریٰ آمد پدید
سرور کونین شاہ انبیا آمد پدید — رونق ہر دو جہاں نور خدا آمد پدید
حامد و نائب شکور و عادل و نون و قلم — حافظ و ناصر مبین و مرتضیٰ آمد پدید
منذر و شاہد شہید و سرور و سالار دیں — طیب و طاہر امین کبریا آمد پدید
علت غائی عالم باعث ایجاد خلق — مظہر و فتاح یعنی مصطفیٰ آمد پدید
حجت حق شاہ یثرب مالک و مختار کل — اشرف و شمس و سراج اصفیا آمد پدید
شاہ بطحیٰ نائب و امی و معصوم و کریم — عالم و حافظ عزیز و مجتبیٰ آمد پدید
قاسم تسنیم و کوثر مالک نار و جناں — صاحب معراج شاہ دوسرا آمد پدید
سید و سرور شفیع و رحمۃ للعالمین — حامی کل شافع روز جزا آمد پدید
ذات پاکش مظہر آثار رب العالمین — نور روئش معنی شمس الضحیٰ آمد پدید
مالک کون و مکاں قرباں روائے انس و جاں — خواجۂ ہر دو جہاں صل علیٰ آمد پدید

از در و دیوار می آید صدائے تہنیت
مرحبا صمصام شاہ انبیا آمد پدید

Safina-i-Niswan.

عورت کی زندگی کے تین دور

(انشا)

(محترمہ ج "نقوی" صاحبہ)

یہ چیز است آں کہ پایانی ندارد شب من دردمن افسانۂ من

حضرت آدم کو بہشت سے نکلوا دینے والی جو ناقص العقل کہلائے زن اور زمین کے ساتھ جس کا شمار ہو۔ آج اسی کی نسبت مجھے کچھ لکھنا ہے۔ اس کے نام کے تو صرف تین دور ہیں۔ لیکن ان میں جو تین ہزار اس کی قسمت کے چکر ہیں انہیں کا یہ مختصر خاکہ ہے۔

عورت کی زندگی کی ابتدا بالعموم کیسی مغموم کن ہوتی ہے۔ شاذ ہی ایسے گھرانے ہیں جہاں لڑکی کی پیدائش پر اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔ یا تین چار لڑکوں کے بعد جب لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔ اس کو البتہ نعمت غیر مترقبہ سمجھا جاتا ہے ورنہ یوں تو ایام جاہلیت میں یہ اتنی وبال جان تھی کہ اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس کی ولادت پر خوشیاں مبدل بہ غم و الم ہو جاتی تھیں۔ خیر ولادت ہوئی۔ قہر درویش بجان درویش۔ یوں بھی تو پل ہی جاتی ہے۔ مگر اس کی زندگی کا یہ طفلانہ معصوم دور بہت سرعت سے گزر جاتا ہے۔ اس کی بھولی بھولی پیاری پیاری باتیں جن پر بنگالے کی مینا کا دھوکا ہوتا ہے۔ جن سے سب کا دل بہلتا ہے۔ اس موسیقی کے تار بہت جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔ لڑکپن کی اٹکھیلیاں ایک لال کی ننھی پرواز کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ ایک بلبل کی طرح ان کا خون ہو جاتا ہے اور وہ دور بھی عنقریب ہوتا ہے۔ جب کہ کسی شاعر کا قول اس پر چسپاں ہو۔

؎ یہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

بلحاظ ایک لڑکی ہونے کے اس پر فرائض کی ذمہ داریاں روز ازل سے عائد ہوجاتی ہیں ۔ اس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جب سب ہو رہے ہوں یہ جاگ اٹھے ۔ فریضۂ حق سے فارغ ہو کر انتظام خانہ داری کو سلسلہ وار انجام دے ۔ ہر ایک کا خیال رکھے ۔ والدین کی خدمت کرے ۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی نگرانی کرے ۔ نوکروں کی دلجوئی کرے ۔ کیونکہ گھر کے نوکر بہ نسبت گھر کی بیگم صاحبہ کے لڑکیوں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں ۔ رات جب سب آرام سے اپنے اپنے بستر پر آرام کریں اس وقت یہ بھی اپنی خوابگاہ میں چلی جائے ۔ اگر کسی کو نصیبہ کی گردش نے اس زمانے میں "سوتیلی ماں" بھی دیدے تو پھر اس کے ساتھ ہی ماں جیسا برتاؤ کرے ۔ ناقابل برداشت بھی ہو تو اس کو برداشت کرے ۔ سوہانِ روح بھی ہو تو اس کو جھیل لے ۔ اگر سوتیلی ماں بھی قسمت سے نیک ۔ تعلیمیافتہ ۔ خوش مزاج و محبت شعار مل گئی تو زندگی اچھی ہی کٹی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر زندگی کی ناؤ ڈگمگانے لگی ۔ رسن عمر گلے میں پھانسی بن گئی ۔ ایک ایک دن ایک ایک برس بن گیا ۔ کیونکہ وہاں تو جتنا کچھ کر دو ؎ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا

ابھی ان مثیلا نہ سوچ سکے تھے میرے دل سیر بھی نہ ہوا تھا کہ ع پر باندھنے صیاد آیا ——

ذرا ہوش سنبھالا تھا کہ چوطرف سے پیاموں کی بوچھاڑ شروع ہوگئے ۔ جیسے بیری کے درخت پر پتھر لگتے ہیں ۔ کسی نے کہا کب تک بٹھاؤ گی ؟ تمھیں نیند کیسے آتی ؟ حیات ممات کا کیا بھروسہ جلد اس کے فرض سے کہیں چھوٹو" ۔ کوئی کہنے لگیں "ارے اللہ اتنی عمر ہوئی اب تک بر نہ نصیب ہوا ۔ کوئی یہ کہہ کر کلیجہ چھلنی کر دیں ۔ اس کو دیکھتی ہوں تو سینہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے ۔ نہ معلوم کب اس کے فرض سے سبکدوش ہوتے سنوں گی" ۔ غرض جب اپنے پرائے یہ کہنے لگ جاتے ہیں تو ماں باپ پر بھی یہ چودہ پندرہ برس کے سن سے وبال جان ہوجاتی ہے ۔ اُن کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں ۔ اپنی اولاد اپنی ہی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگتی ہے ۔ اپنے بیگانے بن جاتے ہیں ۔ جس محفل میں جاؤ اسی کو دیکھ کر زہر اگلا جاتا ہے "خانۂ خالی را دیو می گیرند ۔ کیا کریں گے ؟ ۔
جب بات کرنے کو کچھ نہیں ملتا تو یہی سہی ۔ یہ دیکھ دیکھ کر [illegible]

ورنہ جو دل پہ نہ لے۔ اس طرف خیال نہ کرے اس کی خوب ہی گت بنی۔ کیونکہ اس کے پیش نظر تو ؎

سوچ خون سرسے گزر ہی کیوں نہ جائے   آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

اب خیال کرنے کی جگہ ہے۔ زندگی کا وہ خوش گوار دور پرلطف دور جس میں جسمانی و روحانی نشو ونما ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اعضاء رئیسہ یہ کو مذکو مذکر بجلیاں گرائی جاتی ہیں۔ اُمنگوں کی لہریں سنگ منجمد بن کر رہ جاتی ہیں۔ احساس سلب ہو جاتے ہیں۔ دل مردہ ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی عورت کی زندگی کا پہلا دور تو آپ نے دیکھ لیا۔ کیسا خوشگوار تھا۔ اب اسی سے حال اور مستقبل کا بھی اندازہ لگا لیجئے۔ ع

جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ!!

ہاں البتہ معدودے چند گھرانے ہیں ایسے بھی جہاں پر لڑکی کی شادی کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ اس کی تعلیم و تربیت کو مستقبل خوش گوار کے لئے اہم گردانا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر کڑھا نہیں جاتا۔ بلکہ قومی بہبودیوں بھلائیوں اور قومی خدمات کا احساس ہوتا ہے جن کے لئے یہ ودیعت کی گئی ہے۔ یہ خوش آیند جذبات جو ایک روشن خیال کے دل میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی کو دیکھنے سے اُمنڈ آتے ہیں۔ اس سے اس کی زندگی اتنی دوبھر نہیں ہوتی۔ اسی دور میں اس کو "اسکول لائف" اور کالج کی زندگی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جن سے واقعی بہت کچھ دلبستگی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اب بھی چند دقیانوسی کہوسٹ خیالات کے لوگ باقی ہیں جو وقتاً فوقتاً یہ کہہ دیتے ہیں۔ "توبہ لڑکی کو مدرسہ بھیجنا۔ کیا نوکری کرنی ہے؟ اس واسطے دنیا میں قحط ہونے لگا تباہی آنے لگی۔ بارش نہیں ہوتی۔ فصل خراب ہو گئی" غرض ساری خرابی جو دنیا میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس کی جڑ بنیاد اصل لڑکی کی تعلیم ہے۔ ایک حد تک مان بھی لیا جائے کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو اس خانہ خرابی کا سبب بھی آپ خود۔ تعلیم کا مقصد جہاں اخلاقی معیار کو گرا دے۔ شرم و حیا کو طباعیت کھو دے۔ "مذہبی تعلیم" انگشت بدنداں قرار پائے یا قریب قریب عنقا ہو جائے تو پھر جو کچھ بھی نہ ہو کم ہے۔ رسول اللہ کے زمانے میں عورتیں بذات خود مذہبی و قومی کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔

علماء و فضلاء کا بازار گرم رہتا تھا۔ مذہب و شریعت سے اسی طرح واقف تھیں جس طرح آج نابلد ہیں۔ تاریخ و احادیث اس کو ثابت کر سکتے ہیں۔ رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی کے جنگی کارنامے تو تاریخ کی جان بنے ہوئے ہیں۔ خیر۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ مقصد یہ کہ تعلیم مذہبی بھی "جزو قوی" سمجھی جائے۔ ورنہ قوم تو ہم پرستی کے قعر ذلت سے ابھر نہیں سکتی اور قوم کا دار و مدار عورت سے وابستہ ہے۔ ماں۔ "جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے۔ وہی حکومت کرتا ہے"——!!

حصول علم سے لڑکی کی کتنی ساری کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل کتابوں میں لگ جاتا ہے واہی تباہی باتوں کی طرف اس کا سمند خیال گامزن نہیں ہوتا۔ اس کی کتابیں اس کی دلچسپیوں کا مرکز بن جاتی ہیں۔ کتاب سے بڑھ کر مونس تنہائی اور کون ہو سکتا ہے۔ کس میں اتنی قابلیت ہے۔ دوستوں کی صحبت بھی بسا اوقات ہیجان انگیز ثابت ہوتی ہے۔ ان سے رنج بھی پہنچتا ہے۔ کبھی ان کی بے مہری کا خیال کاہشِ روح ہوتا ہے۔ کبھی ان کی طوطا چشمی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ لیکن کتاب سے ایسی اُمید نہیں ہوتی۔ کارلائل کہتا ہے "مروں تو کتب خانے میں مروں۔ جان بھی جائے مگر کتاب ہاتھ سے نہ چھوٹے"——

(۲)

اب زندگی کا دوسرا دور نہایت تزک و احتشام سے شروع ہوتا ہے۔ یوں تو اس کی زندگی خود انقلاب کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے۔ لیکن اس دور نے اس کی واقعی کایا پلٹ دی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ وہ ایک بھولی بھالی لڑکی سے گذر کر "عقل والی عورت" کہلاتی ہے۔ خواہ اس کا سن چودہ پندرہ برس ہی کا کیوں نہ ہو۔ شادی ہوئی اور وہ عورت کہلائے جانے کی "مستحق" ہو گئی۔ وہ اب ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتی ہے۔ جہاں کا پتہ پتہ اس کے لئے بیگانہ ہے۔ جہاں کی دنیا اس کو خواب و خیال میں بھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ جہاں یگانہ بن کر بیگانہ رہتی ہے۔ جہاں اس کی ہر بات کو غور و خوض سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، اس کی سب کو بڑی کھوج رہتی ہے۔ جہاں سر اقبال کے خیالات اس پر برجستہ ہو جاتے ہیں ؎

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے !

اس کے رخصت کا سماں عجب دردانگیز ہوتا ہے ۔ اپنے تو اپنے غیر تک روتے ہیں ۔ پہلے تو آنکھوں میں خار تھی ۔ اب ان خاروں کو آنسوؤں کے سیلاب میں اس طرح بہایا جاتا ہے کہ لوگ رونا سمجھیں ۔ شادی کے وقت ایک کہرام بپا ہوتا ہے ۔ "نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی" کا مصرعہ صادق آتا ہے ۔ گویا ایک زندہ جنازہ نکل رہا ہے ۔ جس کی رخصت کے وقت یہ رونا ہو ۔ رخصت ..... یعنے "زندگی کی تمہید" ..... پھر اس کا انجام معلوم !! اور رونا کوئی اختیاری فعل نہیں ۔ دل کو ایسے وقت قابو میں رکھنا بہت اہم امر ہے ۔ اتنے دنوں کا ساتھ چھوٹتا ہے ۔ اس کی ایک ایک بات یاد آتی ہے اور آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے ۔ جوں جوں دل کو سنبھالو آنسو امنڈے چلے آتے ہیں ۔ گریۂ گلوگیر سے گلو خلاصی ناممکن ہوجاتی ہے ۔ خصوصاً ایسے مواقع پر "ماں" کا رونا دیکھا نہیں جاتا ۔ اور سچ پوچھو تو اسی کے رونے سے ساری محفل رو تی ہے ۔ پھر اس کے وداع کے بعد گھر ایسا سونا ہو جاتا ہے ۔ کونہ کونہ کاٹنے آتا ہے ۔ اس رات بمشکل نیند آتی ہے ۔ بعض تھکے ماندے تو ایسے بے خبر سو جاتے ہیں جیسے وہ مسافر تھے ۔ جن کے گھوڑے بک گئے ۔

اب یہاں کی سنئے ۔ خواہش و آرزو کی شادی ہوئی تو خیر چار روز ستارہ چمک گیا ۔ کچھ بعد واقعی زندگی زندہ دلی معلوم ہوئی ۔ جہاں نارضامندی کی شادی ہو ۔ یا جبری سنجوگ ۔ وہاں کے واقعات ناقابلِ بیان ۔ زبانی جراحتیں ہیں ۔ تیکھی چتونیں ہیں ۔ اور ایک مظلوم دل ۔ پیا چاہے تو سہاگن بھی کہلائے"۔ مگر جہاں "بیری بن گئے نین" تو پھر کہاں گزارہ ۔ جس کے کارن ماں باپ بھی عزیز از جان سہیلیوں کو چھوڑا ۔ بہن بھائی جیسی نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ۔ اپنوں سے جدا ہوئی ۔ گھر ۔ جہاں پیدا ہوئی ۔ جہاں کا چپہ چپہ روند ڈالا جن کے درخت کی ڈالیاں گواہ ہیں کہ ان پر کتنے جھولے ڈالے ۔ پتہ پتہ شاہد ہے کہ ان کے سایہ میں کتنے ساون ایسے آئے جن میں کڑاہی نہ چڑھی جہاں الّو بول جاتا ہے ۔ اگر اس کے قدموں کی برکت سے وہاں پر دلچسپیوں کا بسیرا نہ ہوتا ۔ مکان کا کونہ کونہ

اس کو رو رہا تھا جس وقت یہ رخصت ہوئی۔ درخت سوز و گداز سے معمور تھے۔ چمن کا ایک ایک پھول سوگوار بن گیا تھا۔ صحن کا حوض چشم پُر آب کی طرح لبریز تھا۔ فوارہ کھڑے قد سے آنسو ڈال رہا تھا۔ آسمان پر تارے سکتہ کے عالم میں چاند کے گرد ہالہ بنائے کھڑے اس کے رخصت کے منظر کو گھور رہے تھے۔ ہوا اپنی رفتار کو محض اس لئے سبک کرلی تھی کہ اس کی پژمردہ جھونکوں کو "میکہ" میں پھر ایکبار سن لے غرض جس سے وابستہ ہونے کے لئے یہ سب کچھ ہوا وہی لاپرواہ۔ بیزار تو پھر زندگی کس کیلئے؟

شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو ایک سرے سے سب بدل گئے۔ وہ بھی جنہوں نے بڑے چاہ و ارمان سے نسبت کی تھی۔ بڑے بڑے دعووں سے بیاہ کر لائے تھے۔ ان سے اب ذرا ہمدردی نہ ہوتی تھی۔ غیبت کا بازار گرم تھا۔ سامنے بھی طعن و تشنیع سے نشانِ ملامت بنایا جاتا تھا۔ پیٹھ پیچھے تو بھی کہتے تھے غرض بقول شخصے ؎

ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کے سب مجھ پہ مشق اے احباب ۔۔۔ رہے نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے

ہوتے جو طعنۂ اعدا کبھی ذرا کو بند ۔۔۔ زباں سے کام اعزا نے خود زباں کیلئے

شوہر صاحب کبھی منہ لگا کر بات نہیں کرتے۔ گھر آئے مہمان داخل۔ جیسے کوئی گلہ ٹالتا ہے۔ یا فرض اُتارتا ہے۔ دفتر سے آئے چار پی۔ پھر "احباب نوازی" کے بہانے چل دیئے۔ تو کبھی پہر رات گئے گھر میں قدم رکھا۔ کبھی مرغ سحر کے ساتھ دروازہ پر دستک دی۔ یہاں ع جو شمع تھی دلیل سحر سو خموش ہے۔

محبت کی شادیوں کو بھی دیکھ لیا۔ بڑے بڑے ناک والوں کی ناکیں نیچی ہوگئیں۔ جہاں جتنی وافر محبت کی لن ترانیاں تھیں وہیں زیادہ نفرت دیکھی۔ لیکن بحیثیت ایک "بیوی" کے اس کو سب کچھ جھیلنا پڑتا ہے اندر ہی اندر خون خشک ہو جائے۔ خون دل آنکھوں کی راہ تنہائی میں بہانا بدرجہا بہتر بہ نسبت اس کے کہ زبان سے دلی کیفیات کا ہر شخص پر اظہار کرے۔ اس سے خود بھی ذلیل ہو۔ جو وابستہ ہیں ان کو بھی ذلیل ہوتا ہوا دیکھے۔ اس سے تو پہلے ہر قسم کی اصلاح کرے۔ سب ہتیار جب کند ہو جائیں تو خموشی کو اپنا شعار بنانے اور "شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن" پر عمل کرے۔ کیونکہ جو لوگ زیادہ گوئی کرتے ہیں ان کی قدر و منزلت کا پایہ گر جاتا ہے۔ طعن تشنیع۔ گلہ شکوہ۔ شکایت ملامت ان کا بھی محل و موقع ہو جاتا ہے۔

ہر وقت ہر موقع پر پرانا وکپڑا لے بیٹھنا اس سے اور بھی رہی سہی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ عورت کی زندگی کا یہی طور اس کو سنجیدگی کا ایسا سبق سکھلاتا ہے۔ جو مدت العمر اس کو یاد رہتا ہے۔ تیسرا دور ایسی بدنصیب ہستیوں کو بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے قبل ہی ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے دنیا میں مسرت و سکون کا منہ نہ دیکھا قبر کا گوشۂ عافیت ان کے لئے طمانیت ابدی ثابت ہوتا ہے۔ میرے خیال میں جن کی قسمت میں ایسے لوہے کے چنے چبانے ہوں اُن کی زندگی کا خاتمہ دور اول ہی میں ہو جائے تو با غنیمت — کیونکہ — "ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں۔ کرم کے ساتھی نہیں" ————

اکثر ایسے اتفاقات وہیں ہوتے ہیں جہاں شادی سے قبل کافی طور پر چھان بین نہیں ہوتی۔ برابری کا جوڑ بہت دشوار ہے۔ قبل از وقت کی تکالیف بعد کے پچھتاوے سے بہتر ثابت ہو چکی ہیں ———— مشتے کہ بعد از جنگ یاد می آید بر کلۂ خود باید زد ———— وقت کا ایک ٹانکہ نو ٹانکوں کی زحمت سے محفوظ رکھتا ہے۔ کبیر داس کا ایک دوہا اس وقت حسب حال معلوم ہوتا ہے ———— "اوتم سے اوتم ملے۔ نیچ سے نیچ۔ پانی سے پانی ملے۔ کیچ سے کیچ" ———— !!

جہاں شادیوں کے انجام ناگوار و غم انگیز ہوں وہاں پہلی چیز طبیعتوں کا اختلاف ہے۔ شادی میں بڑی چیزیں حسب و نسب ہیں۔ ورنہ سراب سے کوئی سیراب ہو سکتا ہے؟ کیا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے زبانِ حال سے خود گویا نہیں کہ ہم جلانے کے لئے ہیں؟ کیا آفتاب کا نکلنا خود آپ اس کی دلیل نہیں کہ آفتاب نکلا؟

جہاں اصلیت کی جانچ نہیں ہوتی وہاں لڑکی کی جان ضیق میں نہ ہو تو کیا ہو۔ گزارہ کرنا تو اس کو ہے شادی بیاہ کی تیاریوں میں جو حصہ لیتے تھے ان کو اپنے حلوہ مانڈے سے کام۔ اب اس کی نئی زندگی خواہ جنت ہو یا گہوارۂ جہنم ———— جہاں حسب نسب کو اہمیت نہیں دی جاتی وہاں اس کے لین دین پر نکتہ چینی ہے۔ اس کے بیاہ کے اہتمام پر اعتراض ہے۔ اس کے والدین کی کمزوریوں پر حاشیہ آرائی ہے۔ حالانکہ خود یہ قول صادق آتا ہے ؎

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دلِ صد چاک بلبل کی　　تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے!!

غرض ایک ہو تو کوئی سُنے ۔ وہ جو تو خاموش رہ سکے ۔ جب اس طرح زندگی کی ہر صبح ہنیں ہوتی اور شام ہو جاتی ہے ۔ وہاں "دِق وسل" ہی اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور یہی دوست بنجاتے ہیں ۔ بلکہ اس کا ان امراض کا شکار ہو جانا اس زندہ درگور رہنے سے بدرجہا بہتر ہے ؎

آہ ——— مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

دنیا دکھاوے کو جو لوگ اہمیت دیتے ہیں وہ بیٹی کی شادی کر کے عمر بھر کے لئے قرض کا انبار بنجاتے ہیں جن کا نصب العین یہ ہو ——— بقول میر انیس ؎

پرواہ نہیں پیوند ہوں گر رخت بدن میں
مرتے ہیں بس اس پر کہ تکلف ہو کفن میں!

ایسی شادیاں دونوں خاندانوں کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں ۔ خصوصاً لڑکی والوں کے لئے تو دنیا جہنم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے ۔ قرضخواہوں سے نجات نہیں ملتی ۔ ڈگریاں، نالشیں، مکانات واملاک کی ضبطی کی دھمکیاں ۔ ان سب پر جن کے لئے تکلے وہ بھی ناخوش ——— دنیا کا لیکر سسرال جاؤ تو بھی وہاں نام جو دھرا جاتا ہے وہ کہیں گیا نہیں ——— ایک ایک ٹانکہ پر سو سو صلواتیں ۔ سلیقہ نہیں تھا ——— اماں ایسی پھوہڑ تھیں تو بیٹی کیا کر رہی تھیں ——— وغیرہ وغیرہ، مگر دل ہی جانتا ہوگا کہ کیسی بنی آئی ۔ اماں باوا نے سارا کیا دھرا بیٹی کے نذر چڑھا دیا ۔ پھر قرضدار بھی ہو گئے ۔ خیر سے پھر کچھ نام بھی نہیں ———

ارے دنیا ——— پیسے پر جان دینے والی بے حقیقت گذرگاہ! تیرے مدنظر اگر یہ ہو جائے کہ اُن پر سے جان و مال صدقہ ہیں تو پھر آج تجھ میں کوئی عیب نظر نہ آئے ۔ لیکن کہاں تجھ میں اور حسن ——— تجھ کو جونک لگی! تیری حرص روز افزوں ہے ۔ طمع تو تیری گھٹی میں ہو گئی ——— لالچ تو تیرے ہر ادنیٰ کرشمہ سے عیاں ہے ۔ تو ذاتی حسن و قابلیت کی خواہاں نہیں تو طلائی ۔ نقرئی ۔ دھاتوں پر جان دیتی ہے ۔ جہاں کوئی سونے کی چڑیا نظر آئی تو اس کی ہمرکاب ہو گئی ——— دوسری زندگی "یہ بھی کہیں "سوکن کا جلاپا" جھیلا ——— کہیں "بیوگی" کاٹی ۔ جو ایک سے

ایک بڑہ کر ثابت ہوتے ۔ جس میں وارد ہوتے ہی ع جل گیا باغِ زندگی آگ لگی بہار میں ! !

——— (۳) ———

تیسرا دور شروع ہوتا ہے ۔ جس میں پرورش اولاد کی اہم ذمہ داری پڑتی ہے ۔ ایک باغباں کی حیثیت سے ان کی غور و پرداخت اس کا فرض ہے ۔ جو اس کو قدرت نے ودیعت کئے ہیں ۔ جن کا پروان چڑہنا قوم کا نشو و نما پانا ہے ۔ ملک و قوم کی ترقی کا راز جن کے رگ و ریشہ میں مضمر ہے ۔ جن کے "رجحان طبیعت" کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ۔ جن کا "میلانِ طبع" فوری التفات کا محتاج ہے اور اسی پر زندگی کا سنگِ بنیاد رکھا جاتا ہے ۔ اس کی آیندہ زندگی کا راز پہلے قدرت "ماں" کے آنکھوں کے سامنے کہولدیتی ہے ۔ ہاں اسی کے ——— جس کے قدموں کے نیچے جنت ہے ! ! ——— ع شب آخر گشتہ وافسانہ ازافسانہ می خیزد ! !

غرض ——— یہ ہے عورت کی زندگی اور تینوں دور کی مختصر تفسیر ۔

اردو شعر کہنے والی خواتین کا تذکرہ

صنفِ نازک کی ادبی خدمات افسوس ہے کہ بہت کم نمایاں کی گئیں اس طبقے کے ادبی مذاق اور اُس کے ارتقار کی کوئی تاریخ ہی لکھی گئی اور نہ کوئی سنجیدہ تذکرہ ہی ترتیب دیا گیا ۔ ہم نے اسی خیال کے مدنظر فی الحال "اردو شعر کہنے والی خواتین" کا تذکرہ ترتیب دینا شروع کیا ہے ۔ ابتدا سے آج تک جس قدر اردو شعر کہنے والی خواتین گذری ہیں ۔ ان کے حالات اور کلام کے نمونے ایک حد تک فراہم کر لئے گئے ہیں ۔ براہ کرم آپ اپنے حلقۂ اثر میں اس تذکرے کا تذکرہ فرمادیں اور اپنی ملنے والی خواتین کے حالات اور کلام کے نمونے روانہ کریں تو نہ صرف مجھ پر بلکہ ادبِ اردو پر احسان ہوگا ۔

نیاز مند

سید تمکین کاظمی حیدرآباد دکن

Safina-i-Niswan.

مسلم خواتین کا ماضی حال اور مستقبل

از

محترمہ نگینہ قاسمی صاحبہ (مومن آباد)

محترمہ بہن صادقہ ۔ تسلیم نیاز ۔

محرّم نمبر میری نظر سے گزرا۔ "احوال ما" میں میلاد نمبر کا اعلان میرے لئے پنبہ کاریٔ داغِ جگر ہوا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں طلائی تمغہ کا ذکر ہے اور نہ اس لئے کہ اس سے قلم آزمایانِ ادب کی جانچ منظور ہے۔ بلکہ جس چیز نے میرے دل کی کرید نی دعد کی اور جس نے میری قسمت خفتہ کو مژدۂ بادہ گساری سے بیدار کیا۔ وہ عنوان نمبر (۲) یعنی مسلم خواتین کا ماضی حال اور مستقبل" ہے ۔ جس کے تحت میں اپنے اُن خیالات کو نہایت آزادانہ پیش کرنے کی جسارت کر رہی ہوں جو مدت سے خلش دل کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے ۔ مگر افسوس کہ جس قدر لکھنا چاہتی تھی ۔ اتنا نہ لکھ سکی کیونکہ وقت بہت کم رکھا گیا ہے اور اتفاق سے مجھے محرم نمبر بعد از وقت ملا۔ ہاں اگر یہ مضمون نگار رہوتی تو شاید ذرا سی فکر کر کے صفحوں کے صفحے لکھ ڈالتی ۔ بہرکیف مجھ سے جس قدر ممکن تھا اور جو میرے دلی خیالات تھے ۔ انہیں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کر رہی ہوں " گر قبول اُفتد زہے عز و شرف"

(نگینہ قاسمی)

پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ عورت کیا ہے؟

عورت ایک مظہر جمالِ ربانی ہے اور ماں کی روحی خوبیاں جملہ صبر، محبت، بے غرضی، اعتماد، شرم و حیا ہے۔ پس اصلی عورت وہی ہے جس میں یہ سب خوبیاں یا ان میں سے زیادہ پائی جائیں۔ عورت کے ایک معنی پردے کے بھی ہیں۔

مسلم خواتین کا ماضی مسلم عورت اُس زمانہ کی جب کہ ساری دنیا اُس کے اسلاف کے آگے سرنگوں تھی اور وقت کی حکمہ ادب، فلسفہ، حکمت مسلمانوں کی سرپرستی میں اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکے تھے۔ ماں اُس وقت عورت نام تھا نسائیت کا اعلیٰ سادہ نمونہ تھی عصمت و دلداری کا مرقع تھی شرم و وفاداری کی دلدادہ ملکہ تھی۔ تربیت اولاد اُس کا فرضِ عین، اطاعت شوہر اُس کے لئے عبادت سے بڑھ کر تھی۔ یہ تھی اگلی عورت اور اس کی مختصر تعریف۔

یہ بات مشہور رہی ہے کہ اگلے زمانے میں عورت کا درجہ ایک جاہل ان پڑھ محکوم اور خادمہ کا تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے عہد نبوت میں بھی اکثر عورتیں تعلیم یافتہ تھیں۔ پڑھنا لکھنا جانتی تھیں۔ البتہ بی۔ اے کی ڈگری سے محروم تھیں۔ انگریزی تعلیم کے دُم چھلے اُنکے پیچھے نہیں لگے تھے۔ احادیث و فقہ، قرآن و تفسیر اُنکے پسندیدہ کتابیں تھیں۔ گلستاں بوستاں، مثنوی شریف اُنکے ناول تھے اور ان ہی سے اُنکی دلچسپی ہوتی تھی۔ علامہ بلاذری مصنف فتوح البلدان کی تاریخ میں جہاں سترہ پڑھے لکھے اشخاص کا ذکر ہے وہاں یہ بھی درج ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں پانچ چھ تعلیم یافتہ خواتین بھی تھیں۔ اُس کتاب میں یہ بھی لکھا کہ آنحضرتؐ نے اُم المومنین حضرت حفصہؓ کو تعلیم دینے کیلئے شفا بنت عبداللہ کو طلب فرمایا تھا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت اُم کلثوم بھی فنِ کتابت جانتی تھیں۔ شفا، حفصہ، ام کلثوم، عائشہؓ، کریمہؓ اور اُم سلمہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب کی تعلیم یافتہ خواتین گزری ہیں۔

تہذیب النسا مصنفہ علامہ نووی میں بھی عرب کے تعلیم یافتہ خواتین کا ذکر ہے۔ عصرِ اول میں عورتیں مدارس میں بھی جایا کرتی تھیں اور بچوں کے ساتھ علوم حاصل کرتی تھیں۔ ان کے معلم عموماً مرد ہوا کرتے تھے۔ نویں صدی کی تاریخ میں کوفہ کے ایک مدرسہ کا ذکر موجود ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بعض عورتیں بلکہ ایک کنیز بھی فقہ، شرع، تفسیر، احادیث، طب، حکمت، فلسفہ، منطق، ادب پر کافی عبور رکھتی تھی۔

تعلیم کے علاوہ عرب و ایران کی اکثر خواتین سیاسیات اور ملکی کاروبار میں بھی مشہور ہیں۔ اکثر جنگ کے وقت

عربی خواتین کے ذمہ انتظام طعام اور نگرانی اشیا ہوتا تھا اور بعض وقت تو وہ خود تلواریں لے کر میدانِ جنگ میں کود پڑتی تھیں اور بوقت ضرورت مردوں کے ساتھ وہ بوجھ بھی اٹھاتی تھیں۔ بہرکیف وہ سب کچھ کرتی تھیں مگر دائرہ نسائیت کے اندر رہ کر تہذیب و اخلاق کے تابع ہو کر انکی ساری حریت و آزادی عین شریعت کے مطابق تھی۔ شرم و حیا، رسم و رواج کے خوبصورت زنجیروں سے ان کے قدم گراں بار تھے۔ انکے آغوش بچوں کے لئے بہترین تربیت گاہ تھے۔ بڑے بڑے اولیاء و علماء ایسے بھی گزرے ہیں جو صرف ماں کی تربیت کی وجہ سے آج چار دانگ عالم میں مشہور ہیں۔

یہ تو گزشتہ زمانے کی مسلمان عورتوں کے مختصر حالات ہوئے۔

مسلم خواتین زمانۂ حال میں اب عورت نام ہے تختۂ بازاری کا۔ عکسی تصویر کا۔ عریانی کا۔ بےحیائی کا۔ نمود و نمائش اور مشاطگی اس کا دلچسپ شغل ہے۔ تقلید فرنگ نسائیت کا زیور تعلیم کا مقصد صرف چند حیا سوز انگریزی کتابوں کے مطالعہ پر موقوف گو یوں تو تعلیم نسواں عام ہوتی جا رہی ہے۔ روز بروز مدرسوں اور کالجوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ طلبہ کی بھی بہت کثرت ہو رہی ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ ترقی دراصل زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوائے چند کورس کی کتابوں کے وہ بھی انگریزی ہماری بہنیں اور کچھ نہیں جانتیں۔ لکھنا تو بڑی بات اچھی طرح پڑھنا بھی نہیں آتا۔ انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ سرکار دو عالم کے کتنی بیویاں تھیں اور انکے کیا کیا نام تھے۔ کربلا کے وجوہات کیا ہیں۔ نماز میں کتنے ارکان ہیں۔ خیر یہ تو بڑی بات ہے کلام مجید بھی شاید ہی مشکل سے ہماری دو ایک فیشن ایبل بہنوں نے ختم کیا ہو۔ بھلا جن کے مذہبی معلومات کا یہ حال ہو تو آپ ہی بتلائیے کہ انکے عقائد کا کیا حال ہوگا۔ میں بخدا آپ لوگوں سے سچ عرض کرتی ہوں کہ میں نے ہمارے ملک کی اکثر مدرسہ جانے والی لڑکیوں کو دیکھا ہے کہ وہ مسلمان ہیں مگر طریقہ عبادت عیسائیوں کا سا ہے۔ میری بہنو سچ مانو کہ میں جس وقت ان مسلم خواتین کو اپنے ماتھے اور سینے پر صلیبی نشان بناتے دیکھتی ہوں تو میرا خون پکنے لگتا ہے۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ دوسروں کے لڑکیوں پر میرا کیا بس چل سکتا ہے۔ جب والدین خود دیکھ کر چپ ہو رہتے ہیں تو کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے۔ ایک دو نہیں انکی بہنیں جس عاقل و بالغ نئی تہذیب کے پروانوں کا نام گنانا بھی ہو گناہ یا کرنا جرم ہے۔ اس لئے چپ ہوں۔

آہ جب کسی مسلم عورت کو جاہی لینے کے بعد اپنی مذہبی آیت کو چھوڑ کر گاڈ GOD کہتے سنتی ہوں تو روتی ہوں کہ اسی کا نام مسلمانی ہے؟

سنتے تھے کہ مذہبی عقیدتمندی اور رسم و رواج کی پابندی عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہے ۔ مگر آج کل تو عورتوں سے
بڑھ کر مرد ہی اپنے مذہب اور ملت پر ثابت قدم نظر آتے ہیں ۔ مجھے بتلائیے کہ کتنی عورتیں ایسی ہیں جو کم از کم مہینہ میں چار دن
پنجوقتہ نماز پڑھتی ہیں ۔ چراغ لے کر ڈھونڈئے تو شاید ہی کوئی ایسی بدقسمت ہوگی جس میں یہ خوبیاں موجود ہوں ۔ ہاں سینما
تھیٹر پر جان نثار کرنے والیاں سینکڑوں ملیں گی اور اُن سے یہ پوچھئے کہ بہن نماز کیوں نہیں پڑھتیں تو جواب ملیگا کہ "خدا کو
دل سے یاد کرنا نماز سے بڑھ کر ہے"! اب بتلائیے کہ ایسا عابد دل رکھنے والیوں کو نماز کی کیا ضرورت جن کے پاس روزہ
نام ورسنگی مشدکا انہیں روزہ کی برکت سے کون واقف کرسکیگا ۔

اے یورپ کی مقلد و مغرب کی پرستار ، وہاں کی عورتوں سے پوچھو کہ ان کی زندگی کس قدر عذاب میں ہے
کشاکش غمزہ کی داستان اُن سے سنو وہ بتلائیں گی کہ اُن پر کیا کیا ستم نازل ہوتے ہیں ۔ اُن کے پاس عورت نام ہے جسم کا
اور ہمارے پاس اصلی نسائیت صرف روح پر موقوف ہے ۔ بے حیائی عصمت و عفت فروشی اُن کیلئے ادنیٰ سی بات ہے ۔ ہمارے
پاس تو زیور حیا ۔ عورت میں یہ نہیں تو اُس کا وجود بیکار ۔ میری بہنو یقین مانو کہ آج کل ہمارے ملک کے انگریزی مدرسوں میں
تعلیم سے زیادہ فن آرائش جسمانی کے مغربی قاعدے سکھلائے جاتے ہیں ۔ عارض و لبوں پر پینٹ (PAINT)
کس طرح کرنا چاہئیے جسم کو چلتے وقت کیوں کر لچکانا چاہئیے ۔ بات کرتے وقت آواز میں ترنم پیدا کرنا اور آنکھوں کو لہانا وغیرہ وغیرہ ۔

بہرکیف کسی طرح بھی ہو اپنے آپ کو ایک رنگین و بولتی تصویر بنائے رکھنا آج کل کی تعلیم کا ماحصل ہے ۔ تھرکنا ، ناچنا
جو کبھی زمانے میں صرف طوائفوں کے لئے مخصوص تھا وہ آج داخل فیشن ہی نہیں ۔ بلکہ اس کی باقاعدہ مدرسوں میں تعلیم دیجاتی ہے
اور اُسے آرٹ کا بہترین کمال قرار دیا گیا ہے ۔ محبت جس کو زمانہ حاضرہ کی تعلیم یافتہ خواتین (LOVE) کہتی ہیں ان کے
نزدیک بغیر اس کے مکمل عورت نہیں کہلا سکتی ۔

خوبصورت خوبصورت انگریز مرد اور امریکن ایکٹروں کے تصاویر سے اُنکے کمرے آراستہ ہیں اور یہ اُنہیں
ہر روز گھنٹوں کھڑی ہو کر محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہتی ہیں ۔ کبھی اُنہیں آنکھوں سے لگاتی ہیں کبھی سینے سے چپٹاتی ہیں
اور پھر چومتی ہیں ! ہارمونیم اور پیانو نوازی اُن کا روزمرہ کا کام ۔ انگریزی نغمہ سنجی اُن کے فرصتی اوقات کا مشغلہ ۔
نیم عریاں جامہ تو بہت دنوں سے ان کا مرغوب لباس ہے ۔ مگر آیندہ عریانی بھی منظور نظر ہو جائے گی ۔
میری سمجھدار بہنو کیا اسی کا نام تعلیم ہے ! کیا یہی نسائیت ہے جس پر مشرق کسی زمانے میں نازاں تھا ۔

کیا ہمارا مذہب اس کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ بھلا آپ ہی بتلائیے کہ جس عورت کے کچھ گھنٹے بننے سنورنے میں صرف ہو جایا کریں۔ اور کچھ تو بجانے اور گانے میں کچھ تو بریک فاسٹ! لنچ اور ڈنر کے بعد سگریٹ کشی میں اور کچھ تو فرینڈز FRIENDS کی آؤ بھگت میں تو پھر شوہر کی اطاعت کرنے کو وقت کہاں سے لائیں گی امورِ خانہ داری کی کیونکر دیکھ بھال کر سکیں گی! اور پرورشِ اطفال اُن سے کیسے ممکن ہے؟

موجودہ دور کی عورت کا مستقبل خیر یہ تو سب کے آنکھوں دیکھی باتیں ہیں اس کے ذکر کو کسی طرح جلد ختم کیجئے کیونکہ اصلی پُرلطف حصہ تو اِس کے بعد آتا ہے جب کہ عورت نام ہوگا۔ ایک رنگیں پری جس کا کسی زمانے میں راجہ اندر کے اکھاڑے میں گزر ہوتا تھا۔ مئے نوشی اور قمار بازی میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش بلکہ بہت کچھ آگے ہوں گی۔ ناچ گھر قائم ہوں گے پارک میں چہل قدمی کرنا ضروری ہوگا۔ باغوں کی روشوں میں مصروفِ گل گشت ہونگی اور کوچوں میں بیٹھی فلسفہ محبت و جمالیات کے ادق مضامین کہا کریں گی۔ موٹر خود چلائیں گی اور شوہر اُنکے بازو بیٹھے ہوں گے۔ مذہب حرفِ غلط کی طرح اُن کے دلوں سے مٹ چکا ہوگا عفت و عصمت کی حفاظت اصول سوسائٹی کے خلاف ہوگی بجائے پہر کے صبح ہوگی اور پھر بادہ خواری و مجمع مستی کا ہجوم ہوگا اب کیا کہوں کہ کیا کہنا چاہتی ہوں؟!! ————————

مجھے افسوس ہوتا ہے اور تعجب بھی کہ وہ اوصاف جو نسائیت کی جان تھے۔ عصرِ حاضرہ کی خواتین صرف ذوقِ نظر کی تکمیل اور جلوہ گری کے حرص میں ترک کر دینے پر آمادہ ہیں۔ مانئے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اُصول کی تکمیل میں نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ آدھی ملی نہ ساری۔ اُن کا یہ خیال کہ ملکی کاروبار میں مردوں کا ہاتھ بٹائیں گی محض بے بنیاد ہے بلکہ وہ غریب مردوں کو بھی بیکار کر دیں گی۔ البتہ اُن کی حیثیت شمعِ مجلسِ عیش و نشاط کی ہوگی اور مرد پروانوں کی طرح نثار ہوتے رہیں گے۔ مگر یہ کب تک؟ صرف اُس وقت تک جب تک شباب ہے اور اس میں کشش و وارفتگی۔ پھر اُس کے بعد زہر کا پیالہ ہوگا۔ جو عورت کو پنجۂ غم سے نجات دلائے گا۔ یہی حال آج یورپ کی خواتین کا ہے۔ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب و تمدن اختیار کرنے والوں کا انجام مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کورانہ تقلید کس کام کی بھونڈی نقل سے کیا فائدہ۔ وہ کرو جو درحقیقت کرنا ہے جس کی ضرورت ہے۔ وہ حاصل کرو سیکھو۔ مگر وہ نہیں جو تمھارے کام نہ آئے۔ اچھی چیز ہی سیکھی جاتی ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔ "دنیا سے دنیا یوں ہی چلتا رہے گا" عرب نے عجم سے سیکھا اور عرب سے یورپ اور تمام دنیا نے اچھی اچھی چیزیں حاصل کیں۔

مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے بیحد صدمہ ہوتا ہے کہ دکن جو مخزن ہے علوم کا جہاں اردو زبان کی سرپرستی ہو رہی ہے۔ جامعہ عثمانیہ جس کا قیام محض ترقی زبان مادری کے لیئے ہے۔ جہاں کا سارا نصاب زبانِ اردو میں ہے۔ اگر وہاں تعلیم نسواں زبانِ انگریزی میں دی جائے تو کس قدر ظلم ہے۔ محبوبیہ گرلز اسکول کا سارا نصاب انگریزی میں ہے۔ وہاں معاشرت مغربی وہاں کے بیشتر معلمین یورپ والیاں ۔ اردو تو محض نام کو رہ گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں رکھا گیا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ ہمارے مرد تو اردو زبان میں تعلیم پائیں اور عورتیں انگریزی میں۔ کیوں نہیں وہاں بھی عثمانیہ کی طرح سارا نصاب اردو میں کر دیا جاتا۔ آئے دن تمام نسوانی فضا اس مغربی بادسموم سے مسموم ہوتی جا رہی ہے۔ قبل اس کے ہم مدعی زید کو الزام دیں ہم اراکین محکمہ تعلیمات ہی کو منصف بناتے ہیں کہ بھلا اس توبہ شکن اور ولولہ انگیز صحبت میں اگر ہماری مسلم بہنوں کی توبہ نے لغزش کھائی اور اس جام عہد فراموش کو منہ سے لگاتے ہی بنی جو مغربی معلمہ کے دستِ طلائی نے پیش کیا ہو تو انصاف کیجئے کہ آخر پہلو میں دل کس کے نہیں چاہے عورت ہو یا مرد اور پھر یہ تو وہ مقام ہے۔ جہاں ہاروت ماروت کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ یاد رکھیئے کہ صحبت صالح ترا صالح کند ؛ صحبت طالح ترا طالح کند ۔ اگر ہم شیر کے منہ میں ہاتھ دیکر یہ توقع رکھیں کہ وہ اسے نہیں چبائے گا۔ تو ایسے انسان کو کیا کہیں گے ؟ مغربی خواتین سے مشرقی تعلیم کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے۔ انکی اور ہماری تہذیب میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا کہ زمین و آسمان میں ۔

چونکہ اس مسئلہ پر بحث کرنا بالکل بے محل ہے اس لیئے میں اس آخری التجا پر ختم کرتی ہوں کہ میری سمجھدار بہنیں جہاں تک ممکن ہو سکے محکمہ تعلیمات کو توجہ دلائیں کہ طبقہ نسواں کے تعلیمی نصاب کو اردو میں کر کے علوم خانہ داری، و حفظانِ صحت کی جانب اپنی توجہ خاص مبذول رکھے۔ تاکہ لڑکیاں جن پر قوم کے بننے و بگڑنے کا انحصار ہے صحیح طور پر "گھر کی ملکہ" کہلائے جانے کی مستحق ہوں ۔

(از جناب محمد عبدالسلام صاحب فرنگی محلی)

شمع رخِ مصطفےٰ کا پروانہ ہوں — میں حسنِ حبیبِ حق کا دیوانہ ہوں

کوثر پہ بہشتوں کو جو مل نہ سکے — اس مے کا چھلکتا ہوا پیمانہ ہوں

ہمارے نبیؐ

(از جناب سید غلام حیدر صاحب رائیٹ لاج شملہ)

ہمیں کیا پرسشِ اعمال کا ڈر ہو قیامت میں ۔ رسول پاک جب شافعِ روزِ جزا پایا

آفتابِ رسالت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو افق عرب سے طلوع ہوا جسکی ضیا پاش کرنیں کو لیامیٹ کرنیکا تہیہ کراتی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب کفر و ضلالت کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ اسوقت ملکِ عرب میں بت پرستی خونریزی۔ زنا درجۂ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ ان باتوں کی اصلاح کے لئے ربِ العلا نے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ کو ایسے ملک میں پیدا کیا تاکہ انکو راہِ راست پر لائیں اور آقائے نامدار کی پیدائش بھی اس گمراہ اس قبیلہ میں ہوئی جو بت پرستوں کی صف میں سب سے اول تھا۔ آنحضرت ابھی دو ماہ ہی کے نونہال تھے کہ سایۂ پدری سر اقدس سے اٹھ گیا اس واقعہ کے چند ہی سال بعد والدہ معظمہ نے بھی دائمی مفارقت دے گئیں حضور یتیم ہو گئے۔ ابجز چچا کے اور کوئی وسیلہ نہ تھا حضرت ابو طالب نے حضور کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ گو ابو طالب کچھ زیادہ امیر نہ تھے۔ مگر سوداگری کے شائق تھے جسکی وجہ سے وہ اکثر شام کیطرف تجارت کیلئے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک موقعہ جب فلسطین جانے لگے تو آنحضرت کو بچہ سمجھکر ساتھ لیجانے سے انکار کیا۔ اب اس دُر یتیم کو پیارے چچا کی جدائی سوہانِ روح ثابت ہونے لگی۔ کیونکہ اُن کے چلے جانیکے بعد آنحضرت کا کوئی ایسا ہمدرد نہ تھا جو آپکی خبر گیری کرتا۔ لیکن آنحضرت کی محبت کے جوش نے حضرت ابوطالب کو رضامند ہی کر لیا

اس کے متعلق عیسائی مورخ یوں تحریر کرتے ہیں کہ جب آنحضرت اپنے چچا کے ہمراہ شام کے ملک میں گئے تو وہاں سوداگری کے متعلق یہ تجربہ ہوا۔ جو اس چھوٹی عمر کے سوداگر کیلئے کیا تھا کچھ نہیں کہتا تھا۔ اسکے علاوہ حضور کو عیسائی اور یہودی راہبوں سے تبادلہ خیالات کا ایک اچھا موقع مل گیا۔ اسی موقع پر آنحضرت نے مذہب اسلام کی بنیاد رکھی۔ والدین کی مفارقت نے آپکو تقوی اور طہارت کا عادی بنا دیا تھا وہ شروع ہی سے دنیا کے مال کی طرف بہت کم راغب تھے۔ اس دُر یتیم نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں اس کی نظیر آج دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں مل سکتی جس نے کعبے کے بتوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا جسکی ذاتِ والا صفات نے مجوسیوں اور ایرانی آتشکدوں کو ہمیشہ کیلئے گل کر دیا۔ جس نے کلیسا کو تختِ دنیوی اور عطائے دینی سے محروم کر دیا۔

حضور کی زندگی کے حالات ہمیں اعلیٰ سبق سکھاتے ہیں کہ آنحضرت کریم النفس و سخی تھے۔ یتیموں پر رحم کرتے تھے۔ حضرت نے خضر رہبر بنکر گم گشتہ راہ لوگوں کو راہِ راست پر لگایا۔ ختم کرنے سے پہلے میں اس ذاتِ اقدس کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ اپنی گنہگار امت کی طرف نگاہ رحمت فرمائی جائے۔ کیونکہ ہمارے گناہوں سے پروردگار کی رحمت زیادہ ہے۔

تہیدستِ عمل ہیں لاج تو ہی رکھنے والا ہے ۔ بھرے مجمع میں محشر کے نہ کھل جائے بھرم اپنا

Safina-i-Niswan.

اسلام میں عورت کا درجہ

(۱)

محترمہ مریم بانو بیگم صاحبہ

اسلام سے قبل "عورت" کی حالت نہایت تباہ تھی۔ وہ بیحد ذلیل و خوار تھی اور جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ اس کی ذات ہر قسم کے ظلم و تعدّی کی آماجگاہ تھی۔ اس کا وجود ہر تضحیک و تذلیل کا سزاوار تھا۔ ذلت و رسوائی گویا اُس کا پیدائشی حق متصور ہوتا وہ ایک نہایت ہی ناپاک اور گنہگار ہستی سمجھی جاتی تھی۔ بعض مذاہب اپنے معبدوں میں "عورت" کے داخل ہونے کے روادار نہ تھے۔ بعض مقدس دیوتاؤں کی پرستش "عورت" کے لئے ناجائز تھی۔ "صاحبانِ گوش و ہوش" نے اس کو "ناقص العقل" کا لقب تو دے ہی رکھا تھا۔ بعض "مدعیانِ علم و دانش" کے نزدیک وہ روح جیسی لطیف شئے سے بھی یکسر محروم تھی۔ باپ بھائی کی کمائی میں وہ حصہ دار نہ تھی۔ شوہر کی دولت و ثروت سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا۔ بلکہ بعض مذہبوں میں خود عورت مثلِ دیگر بے جان اشیائے میراث کے تقسیم ہوتی تھی۔ کوئی اُسے "شیطان کا آلۂ کار" بتاتا۔ کوئی "گناہوں کا دروازہ" کہتا۔ کوئی "مکر و فریب کا مجسمہ" قرار دیتا۔ کسی نے برائی کی جڑ اور کسی نے شر و فساد کی اصل کا خطاب دیا۔ بعض نے حضرتِ انسان کے جدِ اعلیٰ کو انہیں گمراہ کرنے اور گنہگار بنانے کا الزام لگایا۔ اور تمام اولادِ آدم کی معصیت اور تباہی کا موجب یہی "ننگ ہستی" قرار پائی اور بنا بریں "دائمی لعنت کی مستحق ٹھیری"۔ غرض کلیسا اور نقادہ دونوں نے اس پھول کو کانٹا سمجھا۔ اور اُن کانٹوں میں دامن الجھانا راست روی کے خلاف قرار دیا گیا۔" دنیا میں ہر طرف سے اُس پر قہر و غضب طعن و تشنیع کے تیر برس رہے تھے۔ اور وہ یکہ و تنہا ہدفِ ملامت بنی ہوئی تھی۔ چین، جاپان، مصر و یونان، فارس اور ترکستان ہر خطۂ زمین اس کیلئے

دوزخ ہی بنا رہا۔ ہر جگہ وہ مطعون و ملعون ہی رہی۔ کہیں زندہ درگور کی گئی کہیں دیوی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھی۔ کہیں مردوں کے ساتھ ستی ہوئی۔ الغرض ابن آدم نے خوب دل کھول کر اس سے انتقام لیا لیکن ہنوز اس کی آتش انتقام فرو نہیں ہونے پائی ہر جگہ اس کے کان عزت و حرمت کے الفاظ سے ناآشنا۔ اس کی آنکھیں شفقت و محبت کی نگاہوں سے بیگانہ رہیں۔ ہر مقام پر اس کا مقصد حیات مرد ظالم و خود غرض مرد کی آتش نفسانیت کو ٹھنڈا کرنا۔ اس کے ظلم کی پیاس کو اپنے خون دل سے بجھاتا ہی رہا۔ آہ! اس وسیع دنیا میں اس کا کوئی یار و مددگار نہ تھا! مغرب تمدن کا گہوارہ تہذیب کا سرچشمہ مغرب! اس کو خدا کے برابر سمجھتا ہے۔ اس کا قول ہے۔ "جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی" اس نے "عورت" کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ کس حد تک اپنے مقولہ پر عمل پیرا ہے؟ ذیل کے واقعات سے آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اس میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں۔ وہاں شوہر اپنی بیوی کے گلے میں مثل جانوروں کے رسی باندھ کر بازار میں فروخت کر ڈالنے کا مجاز تھا۔ یورپ میں آج سے سو سال پیشتر تک شوہر بالعموم اپنی بیویوں سے نہایت ہی برا سلوک کرتے۔ انہیں انتہائی بے دردی سے زدوکوب کرتے۔ کئی کئی دن گھروں میں بند رکھتے۔ اور اکثر اوقات منڈی میں لے جا کر بیچ ڈالتے۔ عورتوں کی خرید و فروخت کے متعلق باقاعدہ قواعد و ضوابط مقرر تھے جو منڈی کی قواعد کی پرانی کتابوں میں تا حال دستیاب ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو نصف شلنگ سے کم قیمت میں فروخت نہ کر سکتا تھا۔ اور جب "عورت" فروخت کی جائے تو اس کے گلے میں نئی زنجیر کا ہونا لازمی ہے۔ کیا "بانیان تہذیب انسانی" اس سے بڑھ کر انسانیت سوز نظارے دکھا سکتے ہیں؟ اور "آزادی کے مدعی" اس سے بہتر حریت کامل کے نمونے کہیں پیش کر سکتے ہیں؟

جب ظلم و ستم کی حد۔ بربریت کی انتہا ہو چکی۔ بے گناہوں کا خون رنگ لایا۔ مظلوموں کی آہ پرتاثیر نکلی۔ دفعتاً رحمت باری جوش میں آئی۔ ذلیلوں کو عزت، کمزوروں کو طاقت، بے چینوں کو راحت، محروموں کو نعمت عطا کرنے والے نے اپنے لاانتہا فضل و کرم نہایت لطف و عنایات سے ایک "کامل انسان" پیدا کیا۔ جس نے دامن انسانیت کے تمام بدنما داغ اور دھبے دور کر دئے۔ یعنے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا — مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

نے بصد جاہ و جلال ظہور اجلال فرمایا اور اسی نے ایسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی جو افراط و تفریط کی لعنت سے پاک و صاف ہے۔ اس نے بیکس و مظلوم "عورت" کو قعر ذلت سے نکال کر کارزار حیات میں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ یہی وہ شان ہی وہ درجۂ مساوات ہے۔ جس نے ہمارے پاک و مقدس مذہب کو تمام دیگر مذاہب پر فوقیت دے رکھی ہے۔ اسلام نہ "عورت" کو خدا مانتا ہے نہ اس کو حیوان سے بدتر جانتا۔ نہ اس کو ابدی لعنت کا مستحق گردانتا۔ بلکہ اس نے "عورت" کی بہترین تعریف یہ کی ہے کہ "وہ کشمکش حیات میں ایک سکون ایک راحت ہے۔" چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن کے پاس ہو بیٹھکر تسلی پاؤ اور اسی نے تمہارے درمیاں لطف و محبت پیدا کیا۔" اس نے ان تمام لغو اور بے بنیاد الزامات کا جو حوّا پر عائد کئے گئے قلع قمع کردیا۔ پڑھیئے "ہم نے آدم اور اس کی بیوی کو باغ میں رکھا اور کہا کہ کھاؤ پیو اور پھرو۔ جس جگہ چاہو۔ لیکن اس شجر کے پاس بھی نہ پھٹکنا ورنہ تم ظالموں میں سے ہوگے۔ پھر شیطان نے انکو بہکایا۔ اور نکالا ان کو جس آرام میں وہ تھے"۔ فازلھما الشیطٰن" سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فعل شیطان کا تھا نہ کہ نعوذ باللہ حوّا کا۔ اسیطرح "اُن کو بہکایا" "اور نکالا ان کو" سے آدم و حوّا دونوں کا مجرم اور گنہگار رہنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر خدا معلوم صرف حوّا پر کیوں فرد جرم لگائی گئی؟ قرانِ پاک میں جہاں کہیں بھی نیک کاموں کی ترغیب دی۔ بُرے کاموں کی ممانعت کی۔ وہاں بیک وقت مرد و عورت دونوں سے مخاطبت فرمائی۔ جن آیتوں میں جنت کی بشارت دی۔ دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ مگر مرد اور عورتوں سے یکساں خطاب کیا ہے۔ "جو کماتے ہو خود کماتے ہو جو گنواتے ہو خود گنواتے ہو" فرماکر عذاب ثواب جزا و سزا کو ہر شخص کے ذاتی اعمال پر موقوف رکھا۔ نہ کہ مرد یا عورت ہونے پر۔ "تم ان کا لباس ہو وہ تمہارا لباس ہیں" فرماکر مردوں کی نام نہاد برتری کا خاتمہ کردیا۔ "عورت" کی اس سے بڑھ کر اور کیا قدر افزائی ہوگی۔ کہ قرانِ کریم کی ایک پوری سورۃ (النساء) ہی ان کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ ایک جگہ "عورتوں سے عمدہ برتاؤ کرو" ارشاد کرکے ان کے ساتھ رفق و ملاطفت کا سبق دیا ہے تو ایک مقام پر "مرد عورتوں کے سرپرست ہیں"

فرما کر انکی حفاظت کا حکم دیتا ہے تو کہیں انکے مال و دولت کا خبر گیر عورتوں کو مقرر کیا ہے۔ اگر مرد کو چار نکاح جائز کا حکم ہے تو ساتھ ہی عدل کی ایسی کڑی شرط لگائی ہے کہ عہدہ برآ ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ عدت، بیوگی، طلاق، خلع، مہر ترکہ پدری غرض ہر عمر اور ہر وقت کے مناسب حال حقوق (جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے) عطا فرمائے۔ اور ان کے ہر موضوع پر نہایت مفصل اور شرح آیتیں قرآن پاک میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ اسلام نے مرد و عورت دونوں کی تشفی کر دی ہے۔ دونوں کے حقوق علیحدہ علیحدہ مقرر کر دئے ہیں۔ جو ان پر عامل ہے۔ اسی کا بیڑا پار ہے!!

اب ذرا ان بیکسیں کے والی، عورتوں کے زبردست حامی، محمد مصطفےٰ روحی فداہ! کے ارشاداتِ عالیہ بھی "عورت" کے متعلق سن لیجئے۔ ماں، بیوی، بیٹی ہر رنگ میں اس نے عورت کی توصیف کی ہر زمانے اور ہر وقت میں اس کی قدر دانی کی۔ سنئے سنئے! "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ ارشاد کر کے ماں کی توقیر و تعظیم سکھائی۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا سبق پڑھایا۔ "تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہے"۔ فرما کر متاہلانہ زندگی میں لطف و محبت کی نباڈالی۔ "حلال چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے"۔ کہکر اس مکروہ فعل سے جو عورتوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا باز رکھا۔ "جس کی تین بیٹیاں ہوں گی وہ جنتی ہے"۔ ارشاد فرما کر دختر کشوں کو دختر پسندی کی تعلیم دی۔ "شیشوں کو ٹھیس نہ لگاؤ" کہہ کر ہمارے نازک احساسات لطیف جذبات کا احترام سکھلایا۔ خوشبو اور نماز جیسی چیزوں کے ساتھ ہمارا ذکر کر کے ہمیں اور ارفع و اعلیٰ بنا دیا۔ "دین بوڑھیوں سے حاصل کرو"۔ ارشاد کر کے اس نے ہمیں مردوں پر زہد و تقویٰ میں فوقیت عطا کی۔ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔ کہہ کر اس نے مرد و عورت دونوں کو یکساں حصولِ علم کی ترغیب دلائی۔

یہی شعار اسلامی تھا جسے اختیار کر کے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ رابعہ بصری جیسی ذی علم و مقتدر ہستیاں عالم وجود میں آئیں۔ یہی اسلامی روح تھی جو خولہ کے قالب میں کارفرما تھی۔ مخدرات اسلام کے کارہائے نمایاں مثل آفتاب کے روشن ہیں آج کون پڑھا لکھا انکے کارناموں سے واقف نہیں؟ آہ مسلمان جب تک ان پر عامل اور راہ شریعت پر گامزن رہے اقبال و ظفر بھی انکے ساتھ تھے۔ جب سے انھوں نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈالا ذلیل و خوار ہوتے۔ افسوس کہ اب تو قبر پرستی۔ وہم پرستی۔ اور دیگر افعال مشرکانہ و رسوم جاہلانہ "مسلمان عورت" کے مترادف رہ گئے ہیں! تعلیمات اسلامی کی روح خواتینِ اسلام کے قالبوں سے مردہ ہو چکی ہے۔ اگر اب بھی ہم سیرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا اسوۂ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا لائحہ عمل بنائیں تو ہمارا قابل فخر ستہ اللہ ہو سکی ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا — آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اسلام میں عورت کا درجہ

——(۱)——

محترمہ مہرالنساء بیگم صاحبہ مہرؔ (کڈپہ مدراس)

محترم بہن مدیرہ سفینۂ نسواں نے میلاد نمبر کیلئے مضمون طلب فرمایا ہے۔ یہ ایسا وسیع و بلیغ عنوان ہے جس کے تحت کچھ لکھنا مجھ جیسی ہیچمداں کے لئے واقعی ناممکن ہے۔ اس کے لئے تو کسی فاضل مورخ کا دل و دماغ چاہئے۔ مگر اس محترم خاتون مدیرہ صاحبہ کی خواہش رد کرنا بھی ناممکن ہے۔ لہذا ہرچہ بادا باد بہن صاحبہ کی خواہش پوری کرنے آمادہ ہوگئی ہوں اور اپنی ایک نامکمل کتاب "مسلمان عورت کا ماضی" سے چند باب پیش کرنے کی جرأت کر رہی ہوں۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ میری سعی کو مشکور فرمائے۔ (مہر)

مسلمان عورت کا مذہبی علمی تفوق ۔ انجمن "کوکب نسواں" کا خوبصورت ہال پھولوں سے سنوارا ہوا تھا۔ شہر کی معزز بیگمات اور کم عمر لڑکیاں ہمہ تن متوجہ صدر کی افتتاحی تقریر سن رہی ہیں۔ صدر بیگم ڈاکٹر عمر آخر میں اتنا کہہ کر بیٹھ گئیں۔ بہنو! آج کی تقریر کا موضوع "مسلمان عورت کا مذہبی علمی تفوق" ہے۔ آپ ہماری عزیز بچی رضیہ کی گل افشانی سے ہنستے گل چاہے چن لیجئے۔

رضیہ نے اپنے نازک ریشمی رومال سے اپنی خوبصورت پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔ معزز بیگمات! میں آج دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ اپنے اسلاف کے کارناموں سے دلچسپی حاصل کرنے تشریف لائی ہیں۔

قبل بعثت نبوی دنیا بھر میں عورت کی کیا حالت تھی وہ کس حیثیت سے یاد کی جاتی تھی اور ظہور نبوی کے بعد اسکی کیا حالت ہوئی ہے۔ عورت اسلام میں کتنے اعلیٰ درجہ مقدس مراتب پر پہنچ گئی سنئے!

پہلے میں عرب کی حالت بیان کرتی ہوں۔ عرب میں علم کی نشر و اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ امراءالقیس عرب کا مشہور شاعر زمانہ جہالت عرب کا محبوب شاعر عورت کو صرف ایک خوب صورت کھلونا عیش و نشاط کی پتلی حسن و جمال کا پھول مرد کی ادنیٰ خادمہ سمجھتا تھا۔ ایک اور شاعر کہتا ہے "اگر باپ اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی کو سپرد زمین

کر دے تو جانوں اُس نے اپنے داماد سے پورا بدلا لے لیا ہے"۔ ایک اور مشہور شاعر لڑکی اور عورت کے مرنے پر اُس کے اعزا سے اس طرح تعزیت ادا کرتا ہے۔

"وہ ہماری درازیٔ حیات چاہتی ہے۔ مگر ہم اُس کی موت۔ کیونکہ دونوں خواہشات ایک دوسرے کے لئے بالکل مناسب ہیں"۔ ایک اور شاعر کہتا ہے "عورت کیلئے تقدیس و شانِ احترام و عزت کے الفاظ استعمال کرنا گویا ان متبرک الفاظ کی تحقیر کرنا ہے۔ عورت صرف ایک محکوم ہستی ہے۔ زیادہ عزت نہیں رکھتی"۔

عرب کی عام حالت بھی یہی تھی کہ عورت کا وجود ناکارہ باعثِ شرم و ندامت تھا۔ یہ تھی عرب کی حالت۔ اب ذرا دیکھئے کہ روم فارس و یونان جیسی متمدن سلطنتوں میں بھی اس جنسِ مظلوم کو ایک ادنیٰ درجہ سے زیادہ حیثیت نہ دی جاتی تھی۔ علم و عمل سے بیگانہ و معتوب ہستی تھی۔ یونان و روما کے زوال کا سب سے بڑا باعث یہی تھا کہ عورت کی ذہنیت بجائے اعلیٰ و ارفع جانب کے بالکل ادنیٰ و ذلیل جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ امرا کی بیگمات عیش و نشاط رقص و سرود کو اپنا مطمحِ زندگی قرار دے چکی تھیں۔ عوام بھی انکے تتبع میں اپنی زندگیاں تماشہ گاہ عیش کے نظر کرنے لگے تھے۔ تھیٹر تماشہ گاہ میں عورت نہایت ذلیل و مکروہ صورت میں نظر آتی تھی۔

مسیحیت اپنے تقدس راہبانہ کے ساتھ یورپ پر قبضہ کر چکی تھی۔ عورت کی عزت و حرمت ایک لونڈی سے زیادہ نہ تھی۔ لونڈی بھی ایسی جس کو اپنی کسی چیز پر ذرہ برابر اختیار نہ تھا۔ مسیحیت جس کو مشرقی قسطنطنیہ پر بہت کچھ اثر و اقتدار قائم ہو چکا تھا، نامور عظیم الشان حکمران مسیحیت کے پشت و پناہ شہنشاہ جسٹینین کی ملکہ "تھیوڈورا" اور اس کی محل کے بیگمات امراء عہد کی بیویوں کے حالات مکروہ کے بیان کی نہ مجھ میں ہمت ہے طاقت۔ عورتوں کے علم و فن کی دنیا کسی شعبۂ علمی سے ان کا شغف علمائے مسیحی کے نزدیک ایک ایسا ناقابلِ عفو جرم تھا جس کی تلافی سوائے مجرم کے جان کے اور کوئی سزا نہ ہو سکتی تھی۔ اس کی بین مثال آج بھی ہم کو تاریخ دیتی ہے شہر اسکندریہ پر جب مسیحیت کا قبضہ ہو گیا تو یہودیت اور اس کا علم و فضل عیسائیت کی نگاہوں میں خار بن رہا تھا۔ اسکندریہ کی ایک شریف یہودی خاندان کی تعلیم یافتہ لڑکی جس کا نام "ہائی پے شیا" تھا۔ اسکندریہ میں اپنے علم و کمال سے محبوبِ خلائق بن گئی تھی۔ راہب سیائرل کی نگاہِ غضب اس فاضلہ نازنین پر پڑی عیسائیت کی دنیا میں اس نفرت انگیز فعل کا کچھ عذر نہ ہوگا کہ راہب [illegible] اس کو ساحرہ اور کافرہ قرار دیکر نہایت بے عزتی بے رحمی سے جب کہ وہ ایک کالج میں لکچر دیکر مکان واپس ہو رہی تھی اس کو مروا ڈالا اُس کا نازک جسم ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کا اتنا ہی جرم تھا کہ وہ عالمہ تھی۔

چھٹویں ساتویں صدی عیسوی بلکہ آٹھویں نویں صدی مسیحی میں دیر و کلیسا میں علم کے مخزن - جہاں صرف پوپ یا گنتی کے چند پادری علم کی چاشنی سے لذت اندوز ہو سکتے تھے - باقی ہزار ہا راہب نیز وہ آوارہ گرد پادری جو قریوں میں وعظ تلقین کرتے پھرتے تھے محض جاہل تھے - زبانی طوطے کی طرح چند آیات انجیل کا رٹنا اور کسی نامعلوم ولی کی ہڈیوں کا چومنا ہی دین مسیحی کی عبادت کا جزو لاینفک رہ گیا تھا۔

حسین خوبرو نازک اندام لڑکیاں علمِ دینی یا دنیاوی کے ایک لفظ سے واقف ہونے کی مجاز نہ تھیں - انہیں لارڈ پادری بھی حکم دیتا کہ وہ اپنے شیریں و جمیل ترانوں سے سامعین کی روح کو فرحت بخشیں -

گری گوری اول نے جو ساری عیسائی دنیا کا مقتدا اعظم تھا - اپنے عہد میں ایک حکم دیا تھا کہ "لوی" ایک رومی کتاب کے کل نسخے جہاں کہیں دستیاب ہوں بلا تامل جلا ڈالیں - انہیں کے ہمنامی پوپ ششم نے جتنی رومی تصانیف تھیں جلا ڈالیں اور مسیحی عورتوں کا پڑھنا لکھنا جرم قرار دیا - ان دونوں دشمنانِ علم کے زمانے میں تمام یورپ میں بہ تلاش بسیار صرف بیالیس کتابیں ملتی تھیں - جب مردوں کا یہ حال تھا تو عورتیں بیچاریاں کس شمار و قطار میں -

علم کی سب سے بڑی خصوصیت سچائی و طہارت ہوتی ہے - مگر مقتدایانِ دین راہب و راہبان اس سے بالکل معرا تھے - ایک بوڑھی راہبہ نے نہایت فخر و مباہات سے اپنے معتقدین کے سامنے ظاہر فرمایا "اب جب کہ میری عمر نوے برس کی ہوگئی میں نے آج تک غسل یا منہ ہاتھ دھونا تو کجا انگلیوں کو تک پانی میں نہیں ڈبویا"

جب یورپ میں کسی قسم کی وبا یا بیماری کا ظہور ہوتا تو لوگ کہتے تھے ساحرہ عورتوں نے اپنے جادو ٹونوں سے ہم پر آسمانی بلیات نازل کی ہیں - اس خیال کی بنا پر غریب ضعیف و ناتوان عورتوں کو مارا پیٹا جاتا - اُن کو بالوں سے درختوں میں لٹکا دیا جاتا تاکہ وہ اپنے کئے ہوئے سحر کو واپس لیں - اور بلائے آسمانی سے نجات حاصل ہو -

یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ جلیل القدر شہنشاہ مثلاً الکزنڈر ششم - لوئی دہم - اور ہنری ششم جیمس اول نے صرف اس شبہ پر عورتوں کے جادو کے اثر سے رعایا یا خود بادشاہ فنا ہو جائیں - ہزاروں عورتوں کو نہایت بے رحمی ظلم و ستم سے تہ تیغ کر دیا - اُن کے گود کے معصوم بچوں پر بھی یہی عمل کیا گیا - زندہ جلا کر راکھ بھی سمندروں میں پھینک دی گئی -

آج کا انگلستان مدعی حریتِ نسواں انگلستان میں چند صدیوں پیشتر ایک خاص مجلس منعقد کی گئی جہاں سے چند قانون بنائے گئے جس سے عورتوں کو نہایت شدید جسمانی سزائیں دی جانے لگیں -

عیسائی دنیا کا اعظم ترین رہنما یوحنا کہتا ہے "عورت مکر کی بیٹی ہے" اُس سے بچتے رہو۔" ایک اور راہب کہتا ہے۔ عورت شیطانی زہر ہے جو اُس کے قریب آئے اُس کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔ انجیل مقدس کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر روشن ہوگا کہ خود حضرت مسیح نے اپنی محترم ماں کو بعض وقت دھتکار دیا۔

اب ذرا مصنفین عوام یورپ پر نظر ڈالیئے۔ پندرھویں سولھویں صدی عیسوی میں ان کا خیال و عمل اس جنس نازک و لطیف کے متعلق کیا تھا۔

قدیم فرانسیسی مصنفین نے عورت کو یہی نصیحت کی ہے وہ مرد کی کسی حالت میں ہو ایک لونڈی سے زیادہ خیال نہ کرے۔ فرانس کا مشہور عالم جنرل نپولین اپنی حالت مصیبت قید و بند میں بھی یہی کہتا ہے۔ "عورت مرد کے لئے صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اُس کی بقائے نسل کا باعث ہو۔ ورنہ وہ کوئی قابلِ تعظیم و عزت شئے تصور نہیں کی جا سکتی"۔ جبکہ نپولین عورت کے متعلق اتنی سنگین رائے مہیب ترین خیال ظاہر کرتا ہے مگر اُس کی وفا شعار مطلقہ بیوی جوزیفائن اس کی رہائی کیلئے آہ و زاری کے ساتھ خدا کے حضور ملتجی رہتی ہے۔

جرمن اقوام نے تو حد ہی کر دی۔ ان کا سب سے بڑا مصنف نٹشے کہتا ہے۔ اگر تم عالمگیر تباہی بربادی مصائب و آلام میں گرفتار ہو کر فنا ہو جانا چاہو تو عورت کو آزادی دو۔ عورت صرف ایک خادمہ ہے جو ہر حالت میں مالک کو آرام پہنچائے چہ جائے کہ اُس کو آزادی کی ہوا لگے۔

ایک اور جرمن مصنف لکھتا ہے "عورت اور عقل یہ دونوں اجتماع ضدین ہیں۔ مرد جوانی میں عقلمند بنجاتا ہے مگر عورت مرتے دم تک نافہم کج ادا رہتی ہے"۔

اہلِ فرانس عورت کی فطری آزادی علم و کمال کے جانی دشمن تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عورت ایک جانور ہے کیونکہ ایک مشہور شاعر نے قدرت سے خفا ہو کر کہا تھا۔ "اس ذلیل و ناپاک جنس کا وجود ہی کیوں ہوا جو ہمارے لئے باعث ذلت ہے"۔

امریکہ میں قدیم عورت کی یہ حالت تھی کہ تمام دن ہر قسم کی محنت مزدوری کر کے گھر آتے۔ کھانا وغیرہ تیار کر کے شوہر کو اہل کنبہ کے مردوں کو کھلائے اور مردوں کا کام صرف اتنا ہوتا کہ وہ دن بھر سیر و شکار یا گپ بازی میں گزارے اور عورت کو ایک کتے کی طرح سمجھے۔

ہند و چین میں اس مظلوم طبقہ کی یہی حالت تھی۔ بے حد ذلیل ——— بلکہ قابلِ نفرین ———

کیسے کیسے اعلیٰ و ارفع خاندانوں میں ایک ہی عورت مختلف مردوں کی بیوی کہلاتی تھی۔ بڑے بڑے رشی عورت کو مکروہ شئے کہتے تھے۔ مگر اصل حقیقت یہ تھی بڑے بڑے رشیوں کی اولاد اناث داسیوں کے بطن سے تھی۔ جب داسیاں لاولد ہو جائیں تو یہ رشیاں نہایت کراہت و نفرت سے اُن کو اپنے سے جُدا کر دیتے۔

اب ذرا زمانۂ قدیم اور زمانۂ اصنام پرستی کی طرف آئیے دیکھیں یہاں عورت کی کیا حالت تھی۔

کسی نے ایک عالم سے استفسار کیا کہ کیا عورت کا نفس بھی ہے یا وہ اپنے وجود کا خیال بھی کر سکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا کہ "عورت کو نفس و روح سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

زمانۂ اصنام میں لوگ بڑے بڑے دیوتاؤں کے پاس جا کر پوچھتے تھے۔ "اے ہمارے رہنماؤ نجات دہندہ کیوں اس نارہ جنس (عورت) سے ہمیں بے نیاز نہیں کر دیتے۔ اس بلند آسمان آفتاب عالمتاب کے نیچے ہم پر عورت کی سی بلا کیوں مسلط کر دیا۔ کیا تمہاری قوت روحانی ہمیں اس بلا سے نجات نہیں دلا سکتی"۔

یونانِ قدیم کا باشندہ حسرت و افسوس کے لہجہ میں کہتا ہے تمہیں آگ کے جلنے۔ سانپ بچھو زہریلے حشرات الارض کے کاٹے کا علاج مل سکتا ہے۔ مگر عورت کے جادو اُس کے خوفناک تاثرات کا کہیں علاج میسر نہیں ہو سکتا۔

کسی نے ابو الحکما سقراط سے پوچھا کہ "اے حکیم ازلی ذرا کہہ تو سہی عورت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے"؟ سقراط نے کہا "روئے زمین پر عورت سے زیادہ خوفناک چیز کوئی نہیں۔ وہ فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ وہ ایک خوبصورت پھل کے اندر ہے مگر جب اُس کو چکھو گے تو ضرور اُس کے زہر سے مر جاؤ گے"۔ دنیا کے استاد العقلا نے اس جنس کو اتنی حقارت سے یاد کیا ہے۔ واقعی عورت کے نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا ہے "ظالم و سنگدل مرد جب دوبارہ دنیا میں پیدا ہونگے عورت کی حیثیت میں پیدا ہونگے"۔

تاریخ آلِ ساسان اس کی گواہ ہے کہ کسی نے وزیر بزرجمہر سے پوچھا کہ آلِ ساسان کیوں تباہ ہو رہے ہیں جب کہ تجھ سا دانا ذکی وزیر اُن میں موجود ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ انکی خواتین کی نافہمی انکی کوتاہ اندیشی کے باعث آلِ ساسان برباد ہو رہے ہیں۔ ٹھیک بھی یہی تھا مذہب زرتشت میں عورت کے لئے کوئی قابلِ تسکین باعث تھی ہی نہ تھا۔ آخر یہ غریب طبقہ جاہل تو تھا ہی اپنے اقتدار کو جا بے جا استعمال کرنے لگا۔

(باقی دارد)

MILAD NUMBER

Khan Bahadur Ahmed Alladin's Educational Endowment Building

اسلام میں عورت کا درجہ

(۱) ———

(محترمہ ز۔ ب۔ ثریا۔ مسز افضل عرفانی (ورنگل)

قبل اسلام دنیا میں عورت کی کیا حالت تھی اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جہاں تک تاریخ پہونچ سکی اُس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا میں طبقۂ نسواں کی حالت نہایت مظلومانہ اور بہت قابلِ افسوس تھی۔ مرد عورت کے حق میں خونخوار درندوں سے بڑھ کر خوفناک تھے۔ عورتوں پر ایسے ایسے وحشیانہ ظلم وستم کرتے تھے کہ گویا عورت مرد کے حق میں بالکل کٹھ تپلی تھی۔ مرد کی ذرا سی ناراضی غریب اور بے بس عورت کے لئے قیامت عظمیٰ سے کم نہ تھی۔ ان کی ادنیٰ سی لغزش اور سہو پر نہ صرف ان سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا بلکہ وہ زندہ دفن کر دی جاتی تھی۔ زمانہ جاہلیت کا طرزِ تمدن، اور طرزِ معاشرت بھی جاہلانہ بلکہ وحشیانہ تھا۔ عورت چونکہ فطرتاً مرد سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس لئے اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ بجائے مہربانی سے پیش آنے کے جس طرح چاہتے اُن سے برتاؤ کرتے تھے۔ عورت مرد کے زبردست چنگل میں بے بس اور مجبور تھی اور وہ مردوں کے نزدیک بالکل ذلیل وحقیر ہستی سمجھی جاتی تھی۔ ایک ایک مرد کی کئی عورتیں ہوتی تھیں۔ بعض ممالک کی اس سے برعکس حالت تھی۔ یعنے ایک عورت پورے خاندان کی بیوی تھی لیکن یہ صورت بالکل شاذ اور مخصوص ملکوں کی حد تک محدود تھی۔ عورتوں میں محرم اور غیر محرم کا کوئی امتیاز نہ کیا جاتا۔ بجز اپنی حقیقی ماں کے ہر عورت مردوں کے لئے یکساں تھی۔ اُن کی اس حالت کا صحیح اندازہ ہمیں آیات قرآنی سے ملتا ہے اور اس زمانے کی طرز معاشرت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ قرآن پاک میں سورۂ نساءؔ آیۃ ۲۳ دیکھی جاوے تو معلوم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”تم پر حرام کی گئی ہیں۔ تمھاری مائیں۔ خالائیں۔ نانی۔ پرنانی۔ دادی۔ پردادی۔ تہاری بیٹیاں یعنے ہر وہ عورت کہ جس کا نسب مرد کی طرف لوٹے۔ خواہ اولاد ذکور کی طرف سے ہو یا اناث کی طرف سے وغیرہ“ (تفصیل کے لئے دیکھی جاوے آیۂ کریمہ)

آیۂ کریمہ سے پورا پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا طرزِ معاشرت، طرزِ تمدن، اخلاق، تہذیب کا کیا حال تھا اور آیۂ کریمہ کے شانِ نزول کا بھی یہی سبب تھا۔ اُس زمانے میں جملہ اقوام کے عادات وخصائل ایسے ہی حیوانی اور وحشیانہ تھے

توراۃ کی کتاب احبار کے اٹھارویں باب کی چھٹی آیت سے لے کر اٹھارویں آیت تک جو احکام درج ہیں وہ بالکل ان ہی احکام کے مماثل ہیں۔ ان سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے قبل زمانہ کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کیسی ابتر تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں معصوم عورتیں انسانوں اور حیوانوں میں ایک قسم کی درمیانی مخلوق سمجھی جاتی تھیں اور اُنکی نسبت یہ کلیہ ہی قائم کر لیا تھا کہ عورتیں صرف ترقیِ نسل اور مردوں کی ہر قسم کی خدمت گزاری ہی کے لئے خلق ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں لڑکیوں کا پیدا ہونا سخت ترین نحوست اور بدنصیبی پر محمول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لڑکی کا پیدا ہونا بیچاری ماں کے لئے ایک عذاب عظیم سے کم نہ تھا۔ لڑکی پیدا ہوتے ہی ظالم اور وحشی مرد لڑکی کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بے بس اور مظلوم ماں کی مامتا جگر مسوس کر رہجاتی تھی۔ اس کے حیات اور اس کے مادرانہ جذبات کی پائمالی کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ یہ اسی کا قصور خیال کیا جاتا تھا اور وہ لعنتوں وملامتوں کی آماجگاہ بنجاتی ۔ ان میں یہ رسم بالکل عام تھی۔ اللہ اللہ وہ بھی کتنا عجیب وحشیانہ اور خونخوار زمانہ تھا کہ نوزائیدہ معصوم لڑکیوں کی تدفین ایک معمولی رسم تھی۔

آنحضرت صلعم اور قیس شیخ بنی تمیم کے ایک مکالمہ کو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ ابتدائے اسلام میں بھی عربوں کا خیال لڑکیوں کے نسبت کیا تھا۔ اور ان کی جہالت کا کیا عالم تھا اور آنحضرت صلعم کو لڑکیوں سے کیسی محبت تھی اور عورتوں کے متعلق آپ کا کیا خیال تھا۔؟

رسولِ صلعم ایک دفعہ ایک چھوٹی لڑکی کو اپنی زانوئے مبارک پر بٹھائے تھے۔ قیس نے پوچھا! یہ کس جانور کا بچہ ہے جسے آپ اتنی محبت سے کھلا رہے ہیں؟ آنحضرت صلعم ارشاد فرمائے کہ میری بچی ہے۔ اِس پر اُس جاہل نے جواب دیا کہ مجھے بہت سی ایسی لڑکیاں تھیں لیکن میں نے اُن سب کو زندہ دفن کر دیا۔ اور کسی کو نہیں کھلا" یا قیس نے نہایت تفخر سے کہا۔

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" اے بدبخت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں کسی قسم کی محبت انسانی نہیں دی۔ اس لئے تو ایک نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہے۔

نہ صرف عربوں کے یہ وحشیانہ خصائل تھے۔ بلکہ ان سے پہلے جملہ اقوام اور مذاہب میں قریب قریب عورتوں کا یہی حال تھا۔ یونانی عورتوں کو ایک ادنی درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے جن کی غایتِ تخلیق صرف ترقیِ نسل اور خانہ داری کے سوا کچھ نہیں۔

اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا تو اُس عورت کو مار ڈالتے تھے۔ موسیو تراپ لانگ لکھتا ہے کہ اسپارٹا میں بدنصیب عورت کو جس سے کسی بہادر قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی اُمید نہیں ہوتی تو اس کو مار ڈالا جاتا تھا اور وہی مصنف لکھتا ہے کہ جب کسی عورت کو بچہ ہو جاتا تو اُسے ملک و قوم کے مفاد کے لئے کسی دوسرے شخص کی نسل لینے کے واسطے اُس کے خاوند سے عارضی طور پر لے لیتے تھے۔ یونانیوں نے اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ دورِ تمدن میں بھی عورتوں کی کبھی قدر و منزلت نہیں کی اور نہ اس بدنصیب طبقہ سے پیار و محبت کا برتاؤ کیا۔ ہاں طوائف اُن کی دلچسپیوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسی باعث سوائے طوائفوں کے دوسری ساری عورتوں میں تعلیم و تربیت اور علم و ادب مفقود تھا۔

زمانہ قدیم کے مصنفوں نے بھی بیچاری ناکردہ گناہ عورت کے لئے ایسے ایسے ناپاک اور ستم گسترانہ قانون وضع کئے تھے کہ اس کی نظیر مل ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اہلِ ہنود کا قانون کہ "طوفان، موت، جہنم، زہر اور زہریلے سانپ ان میں سے کوئی بھی اس قدر خراب نہیں جس قدر عورت"۔ تعجب ہے اور عقل حیران ہے کہ ان عورتوں نے ایسا کیا پاپ کیا تھا جو ہر مذہب و قوم نے ان پر انتہائی جابرانہ اور ظالمانہ برتاؤ روا رکھا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں کیا ترحمانہ جذبات اور اُنس انسان قطعاً مفقود تھا؟

کتاب مقدس بھی عورتوں پر زیادتی میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس میں لکھا ہے "عورت موت سے بھی زیادہ تلخ اور کڑوی ہے۔ عہدِ قدیم کے ایک واعظ نے اس طرح زہر افشانی کی ہے۔ خدا کا پیارا اور محبوب بندہ وہی ہے جو عورت سے اپنے آپ کو محفوظ و مصئون رکھے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے ہزار آدمیوں میں ایک خدا کا پیارا پایا ہے۔ مگر ساری کائنات کی عورتوں میں میں نے ایسی کوئی عورت دیکھی نہ سنی جو خدا کی پیاری ہوتی۔

دنیا کی متعدد اور مختلف اقوام نے بھی عورتوں پر ستم ظریفی کی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ افسوس کہ دنیا کے کسی مذہب و قوم نے قسمت کی ماری عورتوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ کیا۔ چینیوں کا نظریہ ہے کہ اپنی بی بی کی بات تو سُننی چاہیئے۔ لیکن اس پر ہرگز کبھی یقین نہ لانا چاہیئے۔ روسیوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ اطالیوں کا یہ قول ہے کہ گھوڑا اچھا ہو یا کیسا ہی اچھا ہو ہر حال میں اس کو مہمیز کی ضرورت ہے۔ یہی حال عورت کا ہے۔ عورت خواہ اچھی ہو یا بُری اُسے مار کی حاجت ہے۔ اسپینی زبان کی کہاوت ہے کہ بُری عورت سے اجتناب چاہیئے اور اچھی عورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ ہنود۔ یونانی روسی اور دیگر اقوام کے تمام قوانین نے

عورت کو لونڈی یا طفل نابالغ گردانا ہے۔ منو کا قانون اس طرح کہتا ہے "عورت کمسنی میں باپ کی تابع ہے۔ جوانی میں شوہر کی یا شوہر کے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے عزیز و اقربا کی۔ کیونکہ عورت کسی حال میں اس لائق نہیں کہ وہ خود مختارانہ زندگی بسر کر سکے۔ یونانی اور رومی قانون بھی عورتوں کے لئے نہایت سخت ہے۔ روم میں ہر فرد اپنی بیوی پر جابرانہ حکومت کرتا تھا۔ عورت کی حیثیت ایک لونڈی سے کچھ زیادہ نہ تھی اور معاشرت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ شوہر ہی عورت کا ہر طرح مختار و مالک تھا۔ شوہر ہی اس کے افعال کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ جس طرح ایک بے جان چیز کو توڑ موڑ کر پھینک دینے سے کوئی بازپرس نہیں ہوتی۔ یہی حال مظلوم عورت کا تھا۔ شوہر کو اپنی بیوی کے جسم و جان پر پورا پورا حق تصرف تھا۔ وہ جیسی ایذا اس کو دینا چاہتا دیتا۔ اس کی جان بھی لے ڈالنے کا اس کو پورا اختیار تھا۔ گویا عورت کی جنس اپنی بنائی ہوئی تھی۔ یونان میں بھی عورتوں کا قریب قریب یہی حال تھا۔ انہیں کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا اور نہ وراثت میں ان کا کوئی حصہ تھا۔ زمانہ قدیم میں عورت کی مظلومیت کی انتہا ہو گئی تھی کہ اس کی وفاداری پر بھی کسی مذہب و قوم نے قطعاً اعتبار نہیں کیا ہے۔ عربوں کے نزدیک بھی عورت کی وفاداری مشکوک اور غیر اطمینان تھی۔ وہ عورت کو اگرچہ کہ ایک حسین و جمیل اور دلفریب مخلوق خیال کرتے تھے اور مردوں کی دلچسپی و دلبستگی کا خوبصورت سامان جس سے رنج و افکار بڑی حد تک کافور ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کی وفاداری پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ عہد نبی صلعم کے دو ہزار سال قبل ہندوستان کے بڑے بڑے مقننوں نے اس بے اعتباری کو صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ اس عورت کو بے کم و کاست بے عصمت کہا جا سکتا ہے جو کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر تنہائی میں علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں ایک انڈا تلا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانے میں مشرقی لوگ عورتوں کی بڑی زبردست حفاظت کرتے تھے۔ وہ انہیں مکانوں کی بلند سے بلند چار دیواری میں مقید رکھتے تھے اور ان پر خواجہ سراؤں کی سخت ترین نگرانی ہوتی تھی۔ ان کے دماغوں میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ عورت کی فطرت میں ایسی ہی بے وفائی ودیعت ہوئی ہے۔ جیسی چڑیا کی فطرت میں اڑنا۔ چونکہ ان کو اپنی خالص نسل کو برقرار رکھنے کی دلی تمنا ہوتی تھی۔ اس لئے وہ عورت کی عفت و عصمت کی زبردست حفاظت کرتے تھے اور قسم قسم کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔

زمانہ قدیم کی ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بے بس اور کمزور طبقہ نسواں پر اس وقت کیسے کیسے ظلم و ستم ڈھائے گئے ہیں اور کس قدر جبر و تعدی اس پر روا رکھی گئی تھی۔ عورت کیا تھی ایک کھلونا تھی۔

(باقی دارد)

اسلام میں عورت کا درجہ

(۱)

(محترمہ اقتدار منظور صاحبہ ماہر القادری)

یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ مذہب اسلام نے عورتوں کو بڑے بڑے حقوق عنایت کئے ہیں۔ حضرت پیغمبر اسلام کی بعثت سے قبل عرب ہی پر کیا منحصر ہے تمام دنیا پر جہالت اور نا خدا ترسی کی گھن گھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ انسان کا خون پانی کی طرح بہا دیا جاتا تھا۔ اور ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک کر طول و عرض دنیا کو خاکستر بنا دیتے تھے۔ جہاں دنیا والے دیگر اقسام کے ظلم و ستم کر رہے تھے وہاں صنفِ نازک بھی ناقابلِ بیان اور سخت مظالم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

مُردہ خاوندوں کے ساتھ بیوی کو جلایا جاتا تھا۔ دنیا میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی بلا قصور ذاکر دہ گناہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا۔ یعنی اگر کسی کے گھر لڑکا پیدا ہوتا تو خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ لیکن برعکس اس کے اگر لڑکی تولد ہوتی تو تمام خاندان کو سوگوار بنا دیتی۔

یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ بے رحم ماں باپ کی گود سے بچی کو لے کر زمین کے تاریک گڑھے میں زندہ دفن کر دیتا۔ اگر اس ظلم کے بعد بھی ہم سخت جان بچ جاتے تو جس وقت تک والدین کے یہاں رہتے باپ بھائی کی ذلیل کنیز بن کر رہتے۔ گو دونوں ایک ہی والدین کی اولاد۔ مگر باوجود اس کے بیٹے گھر کے مالک اور لختِ جگر اور لڑکیوں کو لونڈیوں سے بدتر سمجھا جاتا۔ بیٹوں کو باپ کا کل ترکہ ملتا۔ لیکن بیٹیاں اس سے قطعی محروم رکھی جاتیں۔ علم کے دریا سے مرد سیراب ہوتے تھے مگر غریب عورتوں کو طلق تر کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ یہ تھا دنیا کا سلوک عورتوں کے ساتھ اس کا سبب صرف یہی تھا کہ اگر پڑھایا لکھایا گیا تو یقیناً ان کو اپنی حق تلفیوں کا احساس ہوگا۔ لہٰذا ہر طرف سے ہمارے لئے علم کے دروازے بند کر دئے گئے تھے۔

پھر ابھی ہم شادی کے صحیح معنی بھی نہ سمجھ سکے تھے کہ شادی بھی کر دی گئی۔ وہاں پہونچ کر تو عمر کی پہلی منزل سے

بھی کہیں زیادہ دشواریوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں پر ان غریبوں کو ساس۔ نند۔ شوہر سب کی ہی مزاج دانی کرنی اور ظلم سہنے پڑے۔ اگر ذرا سی کوئی بات خلاف ہوگئی تو فوراً یا تو شوہر صاحب نے دوسری شادی کرلی۔ اور اس غریب کو پہلے سے بھی زیادہ تکالیف سے دوچار ہونا پڑا یا پھر قطع تعلق کرلیا۔ ایسی حالت میں نہ سسرال میں آرام نہ میکے میں۔ اگر شوہر کا انتقال ہوگیا تب تو باقی ماندہ زندگی عذاب ہی میں گزری یا شوہر کے ساتھ ہی بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلنے کیلئے مجبور کیا جاتا۔ اگر کسی کو جلایا بھی نہ گیا تو اس کی بڑی ذلت اور نفس کشی سے زندگی گزارنی پڑتی تھی۔

دنیا کی یہ حالت اور اہل دنیا کے ظلم و ستم دیکھ کر یکایک غیرت الٰہی کو حرکت ہوئی اور اس نے ایک ایسے مقدس ہادی کو دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جس نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو الٹ کر پھینکدیا اور دنیا کو مساوات کا درس دیا۔ غلام آقا شاہ گدا۔ مرد و عورت سب کو لاکر ایک صف میں کھڑا کیا۔ وہ ہادی کون؟ جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یوں سرکار کا ہر ذرہ کائنات ممنون ہے لیکن مجھے یہاں صرف صنف نازک کے متعلق اجمالی تشریح کرنا مقصود ہے۔ حضور نے ذلت و حقارت کے گہرے غار میں پڑی ہوئی عورتوں کو انسانیت کی بلند سطح پر لاکر کھڑا کردیا۔ دنیا کو صنف نازک کی اہمیت محسوس کرائی اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ ہاتھ جو بچیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے خود ان کی غور و پرداخت کو باعث سعادت اور وجہ برکت خیال کرنے لگے۔ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح قوانین و ضوابط اور متروکات میں حصے مقرر کئے گئے۔ حکم دیا گیا کہ ہر ایک مسلمان مرد و عورت پر علم کا سیکھنا فرض ہے۔ آپ نے ان تمام زنجیروں کو جو عورتوں کی آزادی کو جکڑی ہوئے تھیں توڑ کر پھینکدیا۔ یہ ہے حضور صلعم کا احسان ہم ناچیز عورتوں پر۔

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ذات ستودہ صفات اسی حکم کا عملی نمونہ ہیں کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ آپ سے اہم مسائل اور نازک امور میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض معاملات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ نے مضطرب دلوں کو سکون بخشا ہے۔ تمام دنیا کی عورتوں کو اجتماعی طور پر حضرت پیغمبر اسلام کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اس ذات مقدس نے ان کو غلامی سے نجات دلائی اور جبر و ستم کے خونخوار پنجہ سے چھڑایا۔

سلام ہو خدا کے اس مقدس پیغمبر پر جس نے دنیا میں امن و عافیت۔ مساوات و حریت۔ خدا ترسی و حق شناسی کے دریا بہا دئے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الامجاد وبارک وسلم۔

اسلام میں عورت کا درجہ

(جناب "مغربی" کے قلم سے)

عرب اپنے ملک کی آب و ہوا اور اپنے مخصوص مزاج سے مجبور ہو کر عورت کی ذات میں اپنی سب سے بڑی مسرت و راحت محسوس کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اُس سے محبت کی۔ اتنی محبت کہ عبادت کے درجے تک پہنچ گئی۔ لیکن دوسری طرف ان کی اجتماعی زندگی کے نظام اور غارتگری کے وحشیانہ رواج نے عورت کو اُن کے ذلت و مصیبت کا سامان بنا دیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اُس کی تحقیر کی۔ حتیٰ کہ اُسے زندہ دفن کرنے لگے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب میں پیدا ہوئے اور عربوں کو عورت کے معاملہ میں انہی دو حالتوں پر دیکھا۔ آپ نے یہ کیا کہ پہلی حالت باقی رکھی۔ محبت کرنے کا حکم دیا اور وحی الٰہی سے اُسے برکت دی۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے خود تم ہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے۔ تاکہ تمھیں اُن میں تسکین حاصل ہو اور تمہارے مابین محبت و شفقت پیدا کر دی!

دوسری حالت کی مذمت کی۔ عورت کی تحقیر سے منع کیا اور اس اعلان سے اس کا درجہ بے حد بلند کر دیا کہ

"عورت اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ اپنے شوہر کے گھر کی حاکمہ ہے اور اپنی رعیت کے لئے ذمہ دار ہے"!

مقصد نبوت | پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مقصد صرف توحید الٰہی نہیں بلکہ عورت کی عزت قائم کرنا بھی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ آپ نے عورت کو اس کے تختِ عظمت پر بٹھا دیا!

حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے تھے "بخدا ہم جاہلیت میں عورتوں کو بالکل بے حقیقت سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی بابت وحی نازل کی اور انہیں اُن کے حقوق بخشے"!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنفسِ نفیس عورت کی عزت کے لئے

کیونکر مستفید ہوا۔ والدین کا انتقال ہوگیا۔ آپ بہت کمسن تھے۔ ایک حبشی عورت "برکہ" نامی نے پرورش کی پچیس برس کی عمر تک آپ کی خدمت کرتی رہی۔ سب سے پہلے اپنی اس کھلائی کی مادری محبت و شفقت سے قلب طاہر متاثر ہوا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپ عورت کے وجود سے واقف ہوئے اگرچہ وہ عورت ایک حبشی کنیز تھی۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی | پھر اللہ کی مشیت ہوئی کہ محمد صلعم قریش کی سب سے زیادہ جلیل القدر خاتون کے قرب میں زندگی بسر کریں۔ چنانچہ خدیجہؓ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد ہوگیا۔

محمد صلعم کی زندگی میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ ایک دوسری حیثیت سے عورت کا تعارف ہوا۔ اب کم عمری کا وہ زمانہ گذر گیا کہ مرتبہ خاکساری و انکساری سے بے لوث خدمت کرتی تھی اور آپ اس سے محبت کرتے تھے۔ آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور اس خاتون کی عمر چالیس سال کی۔ آپ عنفوانِ شباب پر تھے۔ اور وہ بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھ چکی تھیں۔ گویا حکمتِ الٰہی نے محسوس کیا کہ اپنے شباب میں بھی آپ کو یہ ضرورت باقی ہے کہ ایک سن رسیدہ۔ تجربہ کار اور مالدار عورت کی ہر کیب میں نگاہ پاسبانی کرتی رہے۔

نوجوان محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو کوئی دیکھتا تھا کہتا تھا کہ یہ کوئی بڑی ہی جلیل القدر شخصیت ہوگی۔ خدیجہ بنت خویلد بیوہ تھیں اور اپنی تجارت کے لئے کسی امین کارندے کی متلاشی۔ نوجوان محمد صلعم ہی وہ امین کارپرداز دکھائی دئیے جنہیں خاتونِ عرب نے اپنا مال اور دل دونوں بیک وقت سپرد کر دئے!

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی صلعم نے اپنے چچا ابوطالب سے خدیجہؓ کے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دیدی اور پیچھے سے اپنی کنیز نبعہ کو بھیجا کہ سنے دونوں میں کیا باتیں ہوتی ہیں؟

نبعہ نے لوٹ کر بیان کیا کہ میں نے عجیب بات دیکھی۔ خدیجہؓ نے جوں ہی سنا کہ آپ تشریف لائے ہیں دروازے پر آگئیں اور کہنے لگیں "مجھے امید ہے کہ جو نبی عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں وہ آپ ہی ہوں گے۔ اگر یہی ہوا تو میرا خیال رکھئے گا۔ میرا حق یاد رکھئے گا۔ خدا سے دعا کیجئے کہ آپ کو میرے لئے بھیجدے" اس پر آپ نے جواب دیا "اگر وہ میں ہی ہوا تو واللہ زندگی بھر تمہارا احسان یاد رکھوں گا۔ اور اگر کوئی دوسرا آدمی نبی ہوا تو بھی تمہاری یہ نیکی خدا ضائع نہ ہونے دیگا۔"

محمد صلعم دولتمند نہ تھے۔ پوری زندگی فقر و فاقہ میں بسر ہوئی تھی (اب شادی کے بعد خدیجہؓ کا پورا خزانہ ہاتھ میں تھا۔ دولت مند ہو کر آپ نے کیا کیا؟ عیش و عشرت میں پڑ گئے؟ ہر گز نہیں۔ خدیجہؓ کی دولت غریبوں کے لئے وقف کر دی اور

خدیجہؓ کی محبت کو اللہ کی عبادت کا ذریعہ بنا لیا!

نبوت عورت کی گود میں پیدا ہوئی یہ دیکھو! محمدؐ گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ غار حرا میں جا بیٹھے ہیں کہ اللہ کی تسبیح و تہلیل کریں اور یہ دیکھو خدیجہؓ بنت خویلد اپنے مقدس شوہر کی ہمت افزائی کر رہی ہیں۔ عبادت میں آسانیاں بہم پہنچا رہی ہیں۔ کھانا پہنچا رہی ہیں بلکہ غار کے منھ پر کھڑی جھانک رہی ہیں۔ اس حال میں کہ دل اُمید ایمان اور مستقبل پر اعتماد سے لبریز ہے!

اس طرح نبوت، حضرت خدیجہؓ کی گود میں پیدا ہوئی، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو ابھی خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک عورت، خاتون قریش، خدیجہؓ بنت خویلد نور ہدایت سے مشرف ہو چکی تھیں۔

خدیجہؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابو بکر صدیقؓ نے خواہش کی کہ حبیب اللہ سے رشتہ جڑ جائے۔ حضرت عائشہؓ کی شادی ہو گئی عائشہؓ صرف بیوی ہی نہیں مُرید و شاگرد بھی تھیں۔

اب عورت کے بارے میں محمد صلعم کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ عہد طفلی برکت آمنہؓ کی مامتا بھری گود میں بسر ہوتا ہے۔ جوانی میں سن رسیدہ خدیجہؓ قریشیہ اپنی محبتوں کا تحفہ پیش کرتی ہیں۔ اب عہد کہولت میں عائشہ صدیقہ آتی ہیں۔ کہ نبی کے دل کو مسرور کریں اور اللہ کی ہدایت کو امت تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے تمام دوروں میں عورت کا تجربہ کیا۔ طفلی میں، جوانی میں، پیری میں، آپ کے پاک جذبات حد درجہ متاثر ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے عورت کا پست درجہ بلند کر دیا۔ اس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اُسے مرد کے برابر کھڑا کیا۔

کیا عورت انسان ہے؟ یہ عجب اتفاق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں یعنی ۵۸۶ء میں "ملکوں" کی مسیحی کانگرس منعقد ہوتی ہے۔ کس مقصد کے لئے؟ یہ طے کرنے کے لئے کہ آیا عورت مرد کی طرح انسان ہے؟ بڑی بحث و تکرار کے بعد کانگرس طے کر سکی کہ عورت اگرچہ انسان ہی ہے مگر صرف مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے!

فرانس میں مسیحی دینی کانگرس یہ اعلان کرتی ہے اور عورت کی غلامی اور زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدا اس کے برخلاف بلند ہوتی ہے۔ آپ اعلان فرماتے ہیں کہ عورت، مرد کو مکمل کرنے والا جزو ہے۔ (باقی دارد) ؎ (تذکرہ جمیل)

عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام

(نظم)

(محترمہ خورشید آرا بیگم خورشید دختر قاضی محمد قیام الدین صاحب مرادآبادی)

تھی رباط عالم خاکی حریم کفر و شرک — تھا عروج طبع انساں میں رواں خون گناہ

تھا کثافت ریز عصیاں شیشۂ روح لطیف — تھا تجلیوں سے عاری مطلقاً قلب سیاہ

نزہت وحدت پرستی سے تھی۔ باغ ضمیر — نمو عرفاں سے خالی سینۂ باطل پناہ

کوشش وقف بدی تھیں۔ قوتیں صرف جفا — ہمتیں مصروف خود غرضی۔ عزائم جنگ خواہ

وجہ تفریح و تفنن کار ہائے ظلم خیز — حسرتا۔ دختر کشی تھی باعث اعزاز و جاہ

زندگی کی وسعتیں صنف نسا پر تنگ تھیں — عوض آغوش مادر قبر تھی آرام گاہ

لعبت طفلاں نمط تھیں۔ نذر تفریح و شکست — کھیلنا خوں سے تھی اُن کی خوئے مرد جبر خواہ

جائداد شوہر و والد سے تھیں محروم تر — زندگی اُنکی تھی اک صحرائے بے آب و گیاہ

ہستی کمزور زن مثل اثاث البیت تھی — منظر راحت سے تھی ناآشنا اُنکی نگاہ

آہ تھی مثل بہائم مایۂ داد و ستد — ہو گیا تھا جوہر خودداری نسواں تباہ

مار و زہر و موت و دوزخ و طوفان سے[3] — سمجھی جاتی تھی زیادہ ذات صنف بیگناہ؟

کوئی کہتا دختر شر[1]۔ دشمن امن و سکوں

تلخی زہر الم تھی بہر کام بخت زن — قسمت صنف قوی شیرینی عیش و رفاہ

مست صہبائے جفا تھے بے خبر انجام سے — انقلاب نو سے رکھتا تھا نہ کوئی اشتباہ

رنگ لائی آہ آخر فرقۂ مظلوم کی!

عرش تک پہنچیں صدائیں بیکس و مغموم کی!!

ہو گیا مہر ہدایت کوہ فاراں سے طلوع — ہٹ گئیں تاریکیاں باطل کی ہو کر منفعل

منتشر اجزائے جہل و بت پرستی ہو گئے — آنکھیاں ہو گئیں عرفان حق میں مشتغل

ساز وحدت چھڑ گیا کاشانۂ اصنام میں — ہو گئے روشن۔ قلوب کافران مستدل

ہو گئے حقانیت کے ہر طرف چشمے رواں — ہو گئے اعضائے کفر و شرک یکسر مضمحل

ہو گئی معمورۂ دین مبین تیرہ زمیں — زندگانی فنا پرور بقا سے متصل

---

[1] یوحنا مسیحی دنیا کا مذہبی پیشوا کہتا ہے کہ عورت شر کی بیٹی اور امن و سلامتی کی دشمن ہے۔ گریگری اعظم کہتا ہے اور مذہب عیسوی کے دیگر پیشوا متفق ہیں کہ عورت شیطان کا آلہ ہے۔

[2] سقراط جیسے فاضل حکیم کا قول ہے کہ عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی کوئی چیز دنیا میں پیدا نہیں ہوئی۔

[3] ہندوؤں کا قانون کہتا ہے کہ تقدیر۔ طوفان۔ موت۔ جہنم۔ زہر۔ زہریلے سانپ۔ ان میں سے کوئی بھی۔ اتنا خراب نہیں جیسی کہ عورت؟

مردۂ دختر کُش ہوا آیاتِ دل میں منہمک — بجھ گئے ظلم و ستم کے شعلہ ہائے مشتعل

فرقۂ نسواں کا حامی مرحبا پیدا ہوا — ہو گئی آمد سے جس کی کیس میں بری معتزل

یجعلون۱؎ کا ہوا فرمان نافذ ہر طرف — حکم تہدیدی ملا لا تقتلو۲؎ پر مشتمل

فائرہن لباس۳؎ ہو گئی صنفِ ضعیف — ہو گیا فرقِ مراتب ہمسری میں منتقل

حریت بخشی لہن۴؎ سے مساوی حق دئیے — کر دیا زخمِ درونِ صنفِ نسواں مندمل

عاشروہن۵؎ کا درس پاک مردوں کو دیا — اور استوصوا۶؎ سے کی دوائے دردِ مضمحل

مژدۂ پاک من عال۷؎ سے کیا مسلم نساء — اتقوا۸؎ سے زنگِ قلبِ ظالماں کو منفصل

اور الدنیا متاع۹؎ سے بڑھائی قدرِ زن — کہدیا بہتر خزانہ۱۰؎ بہرِ مردِ مشتغل

جائداد والد و شوہر اخی و ابن میں — حصۂ مرداں مل گئے ہم کو حقوقِ مستقل

مرحبا صلِ علیٰ ۔ روحی فداک یا رسولؐ

کردیا خورشید ذرہ کو یہ آئینِ اصول

۱؎ و یجعلون للہ البنات سبحانہ ولہم ما یشتہون ہ واذا بشر احدہم بالانثیٰ ظل وجہہ مسودا و ہو کظیم ہ یتواریٰ من القوم من سوءِ ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ہون ام یدسہ فی التراب ط الا ساء ما یحکمون ہ یعنے یہ منکر خدا کے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں۔ سبحان اللہ خدا کے لئے تو بیٹیاں اور اُن کے لئے من مانے بیٹے۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دیجائے تو رنج کے مارے اُس کا منہ کالا پڑجاتا ہے اور وہ غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی شرم کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اُسے خوشخبری دی گئی ۔ چھپا چھپا پھرے اور دل میں خوب سوچے کہ آیا اس ذلت پر بیٹی کو زندہ رکھیا اُسے مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو تو خدا کے بارے میں ان لوگوں کی کیا بری رائے ہے۔

۲؎ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطاءً کبیراً ہ یعنے اے لوگو تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اُن کو اور تم کو ہم روزی دیتے ہیں۔ اولاد کو جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

۳؎ ہن لباس لکم وانتم لباس لہن ۔ عورتیں تمہارے لئے زینت ہیں اور تم اُن کے لئے زینت ہو۔

۴؎ ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف ۔ مردوں کا حق جس طرح عورتوں پر ہے۔ اسیطرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے۔

۵؎ وعاشروہن بالمعروف ۔ ان کے ساتھ خیر و خوبی سے گزران کرو۔

۶؎ استوصوا بالنساء خیرا الخ ۔ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (الحدیث)

۷؎ من عال جاریتین حتیٰ تبلغا دخلت انا وھو الجنۃ کھاتین و اشار باصبعیہ ۔ یعنی جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ (اور آپ نے ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) تو میں اور وہ اسی طرح ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہونگے۔

۸؎ اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموہن بامان اللہ ۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ تم نے انھیں امانِ خداوندی میں لے رکھا ہے (الحدیث)

۹؎ الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ ۔ یعنے دنیا فائدے حاصل کرنے کی چیز ہے اور دنیا کا بہترین فائدہ نیک عورت ہے۔

۱۰؎ الا اخبرک بخیر ما یکنز المرأۃ الصالحۃ (الحدیث)

تنقید و تبصرہ

سفینہ کی نظر میں

(حضرت تاراج کے قلم سے)

ارمغانِ محبوب } پاکٹ سائز ۴۲، صفحات کتابت طباعت نفیس
ملنے کا پتہ: راجہ نرسنگ راج بہادر دیوڑھی راجہ بنسی راج باقی مرحوم) حیدرآباد دکن۔

راجہ محبوب راج بہادر آنجہانی کی جوانمرگی پر اپنی دلی ہمدردیوں اور گہرے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے ملک کے شعرائے کرام نے جو تاریخی قطعات اور نظمیں کہی ہیں۔ اُن کو راجہ نرسنگ راج بہادر عالی نے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔ جس کا ایک نسخہ ہم کو بھی بغرضِ ریویو وصول ہوا ہے۔

جوان بھائی کی مرگ بے ہنگام پر راجہ نرسنگ راج بہادر عالی نے نثر اور نظم میں جو تاثراتِ غم پیش کئے ہیں وہ بیحد دردناک اور الم انگیز ہیں۔ صحیح اور حقیقی وارداتِ قلب کی عالی صاحب نے قابلِ قدر اور موثر ترجمانی کی ہے۔ جس کا ہر لفظ لبریزِ سوز و معمورِ گداز ہے۔ اس کے سوا دوسرے شعراء کی نظمیں بھی قریب قریب اسی درد تاثر کی حامل ہیں اور بعض تاریخیں تو حقیقت میں بے نیازِ ستائش و تحسین ہیں۔ غرض مجموعی طور پر "ارمغانِ محبوب" پاکیزہ خیالات اور نکھری ہوئی زبان کا ایک دیدہ زیب مرقع ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ محبوب کس قدر محبوبِ خلایق تھے۔ ہم بھی عالی صاحب کے شریکِ غم ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں صبر کی توفیق دے۔ آمین۔۔

اگر عالی صاحب کے پیشِ نظر سے زندگی شبیہ ہستی است کہ مانند حباب یا ہر کہ ہست آئینہ پیشِ نفس میگیرد رہے تو عزیز بھائی کی مفارقت کا یہ داغ بہت جلد دھل جائے گا۔ ہمارا اپنا مسلک تو یہ ہے اور ایک بڑی حد تک ہم اسی عمل پیرا ہو کر کہتے ہیں ع بہت سارو سے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں۔ اور یقین ہے کہ عالی صاحب بھی ہماری ہمنوائی کریں گے۔

شمیم } کتابی سائز (۷۰۷) صفحات مکمل دو جلدوں میں لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت مجلد (للعہ)
مصنفہ جناب فیاض علی صاحب بی۔ اے۔ (علیگ)

ملنے کا پتہ:۔ صدیق بک ڈپو لکھنؤ۔

آجکل افسانہ نگاری کا شوق ہندوستان میں ایک وبا کی طرح پھوٹ پڑا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اخلاق و آداب کو مد نظر رکھنے کی بجائے عام طور پر ایسی تحریریں دیکھی جا رہی ہیں جو نہ صرف مخرب اخلاق ہیں بلکہ ان تحریروں کا اثر آیندہ نسل پر ضرور پڑے گا۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی ناول یا افسانہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں حسن و عشق کا دخل نہ ہو؟ اگر یہ واقعہ ہے تو افسانہ نگار یا ناول نویس کو اس کا خیال رکھنا چاہئیے کہ یہ چیز عورت و مرد جوان اور بوڑھے غرض ہر ایک کی نظر سے گزرتی ہے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جوان طبیعتیں بھلی چیزوں پر بہت کم توجہ دیتی ہیں اور بری باتیں ان طبیعتوں پر بہت جلد اپنا اثر جما لیتی ہیں۔ حسن و عشق کی ایسی عریاں تحریروں کو محض چاشنی سمجھ کر (اگر یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس علاوہ کے بغیر کوئی پلاٹ مکمل ہی نہیں ہوتا) نظر انداز کر دیا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب کہ یہ حلاوت (جو اب تجاوز کرتے ہوئے عریانی تک پہنچ چکی ہے) کڑواہٹ سے بدل جائے گی۔ اور پھر حسب کے کاٹے کا کوئی منتر نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ ملک کی اخلاقی حالت جو اب پست ہے، پست ترین ہو جائے۔ ہمارے نوجوانوں اور خصوصاً لڑکیوں کے لئے تعمیری کام کی ضرورت ہے۔ نہ کہ تخریبی۔ آج کل افسانہ نگاری یا ناول نویسی ٭٭ اور ان کا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے چال و چلن پر جو کچھ اثر پڑے گا اور ان کے نفسی جذبات کی جس حد تک تحریک ہوگی وہ ظاہر ہے۔ ناول زیر بحث میں جگہ جگہ ایسی مثال مل سکتی ہے۔ اس لئے اگر ہم نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو اس کے اور اسی قسم کی دوسری ناولوں کے پڑھنے سے باز رکھنے کی ہدایت کریں تو یقیناً ہمیں قابل معافی سمجھا جائے۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی "مشرقی خاتون" کا نام چار دانگ عالم میں محض اس کی شرم و حیا کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کی عصمت و وفاداری کے ڈنکے تہذیب و تمدن کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچے ہوئے اقوام کے ہاں بج رہے ہیں۔ وہ وقت قریب ہے۔ جب کہ مغرب کی حیا باختہ مہذب خواتین پھر ایک دفعہ ہماری مشرقی جاہل عورتوں سے سبق سیکھیں گی۔ مغرب کی وہ خواتین جو بکی ہوئی آزادیاں، جن کی عصمت و عفت فروشی، جن کی شرم و حیا سے بیگانگی نے بڑے بڑے مدبروں کے

٭٭ [illegible]

کان کھڑے کر دئے ہیں۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ جراثیم جو "حسن و عشق کی چاشنی" کی شکل میں پیدا ہو گئے ہیں ضرورت ہے کہ انکو ملیا میٹ کر دیا جائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ کسی نسوانی رسالے میں اسی ناول پر شاندار الفاظ میں تبصرہ دیکھ کر ہمیں صد درجہ حیرت ہوئی، اور ساتھ ہی افسوس بھی کہ ایک ایسا رسالہ جو خاص طبقہ نسواں کی اصلاح کے لئے نکالا گیا ہو۔ اس کا یہ طرز عمل۔ حال میں تہذیب نسواں (جون ۳۲ء) نظر سے گذرا جس کے بانی مولوی ممتاز علی صاحب ہیں۔ تہذیب ایک قدیم رسالہ ہے اور عرصہ سے مسلم خواتین کی رہنمائی (؟) کر رہا ہے۔ "مسلم خواتین ہند اور پردہ کے قیود" یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ اس پر آئے دن بحث ہوتی رہی ہے۔ سوائے ان چند نوجوانوں کے جو مغربی دیوی کے پرستار ہیں، باقی زائد از دس کروڑ ہندی مسلمان پردہ کو سایۂ رحمت سمجھتے اور اپنی خواتین کو سختی سے اس کے پابند بنائے رکھے ہیں۔ گویا اب ہندوستانی مسلم خواتین کا پردہ "دیوار کی بلّی" بنا ہوا ہے۔ مگر ہمارا خون خشک ہوا جاتا ہے جب ہم بعض ایسی معتبر ہستیوں کو اس کے خلاف کچھ کہتے سنتے ہیں۔ مولوی ممتاز علی صاحب کی یہ تحریر پڑھئے۔ پردہ کی مخالفت میں نہ صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب پر چوٹ چلائی گئی ہے۔ بلکہ خود شریعت اسلامیہ کی بھی تحقیر ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مولانا کفایت اللہ زادمجدہم کب اجازت دیں گے کہ عورتیں گھر سے نکلیں"

——— اسی سلسلے میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ، ۔

"پردے پر بحث کرنے میں دلائل سے ہار کر، اگر مولانا مجدہ آمان بھی گئے تو پھر خوف فتنہ کی ڈھال انہیں ہر حملے سے محفوظ رکھتی ہے"۔

لیجئے! مسلم خواتین کی رہنمائی کرنے والے ایک آرگن کے بانی کی یہ تحریر ہے۔ یعنی ہم تو کبھی اس پردے کے طوق کو اپنی خواتین کی گردن سے اتار پھینکے ہوتے۔ اور وہ جب کسی بال روم میں ناچ کر یا کسی محفل عیش میں شمع محفل بن کر آتیں تو ہم ان کی جگہ سنبھال لئے ہوتے۔ مگر خدا مفتی صاحب کا بھلا کرے وہ کب ہمیں ایسا موقعہ ہاتھ آنے دیں گے؟

گویا ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

ایسے بعض خضرِ صفت حضرات کی "رہنمائی" اور تہذیب جدید کے دلدادہ نوجوانوں کی حمایت دیکھنا ہے کہ کیا رنگ لائیگی؟ حالات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ عنقریب ہندی مسلم خواتین کا مقنع و چادر مغربی ہوا کے تھپیڑوں سے بچنا محال ہے ہماری اپنی رائے میں ہندی مسلم خواتین کو ابھی کم از کم نصف صدی اسی قید و بند (جو دراصل ان کے حق میں رحمت کے سایہ سے کم نہیں ہے) میں رہنا چاہئے۔ اس کے بعد کسی "ایسے ہی" رہنما کی سرکردگی میں وہ چاہیں تو زندگی کے میدان میں اتر کر اپنے گھوڑے دوڑا سکتی ہیں۔

افسوس ہے کہ خیالات کے بہاؤ نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ہاں! شمیم کے مصلحِ اخلاق اور سبق آموز ہونے کی نسبت یہ ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ "مولانا شوکت علی نے خلافت میں اس پر سولہ کالم ایک بسیط تبصرہ فرمایا ہے"۔ اے کاش! اس کے ساتھ تاریخ کا حوالہ بھی دیدیا جاتا تو شاید ہم اس سولہ کالم والے بسیط تبصرہ سے استفادہ حاصل کرتے!! اب جب کہ یہ بسیط تبصرہ ہمارے آگے نہیں ہم کیا جانیں کہ مولانا ئے موصوف نے کس چیز کو سراہا ہے۔ کیا اس کی ضخامت اور موٹی موٹی دو جلدیں، تحریر کی شوخی، یا اس کی تصویریں؟ بہرحال "شمیم" اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور ہم قابل مصنف کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ہر اُس جگہ جہاں مذہب کا ذکر آگیا۔ انتہائی کاوش سے کام لے کر احادیث اور آیاتِ قرآنی کی روشنی میں بہت سارے اعتراضات کا معقول جواب دیا ہے۔ فاضل مصنف نے اسلام کو غیر مسلموں کے آگے جس سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ لایق صد آفرین اور قابلِ تقلید ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام محض اپنی سادگی اور سچائی کی وجہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا اور یہی دو چیزیں قیامت تک کبھی اس پر آنچ نہ آنے دیں گی۔ ہم اس کی بھی تعریف کرتے ہیں کہ لایق مصنف نے بعض کیرکٹرز کو کچھ ایسے نبھایا ہے کہ آخر تک ان کا ساتھ رہے۔ مگر اکثر غیر ضروری تصریحات نے بہت طول کھینچا ہے جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں یہ ان کا شیوہ ہے کہ ایسے موقعوں پر یا اگر کسی کا کیرکٹر بتلانا مقصود ہو تو مختصر عبارت میں اس کا اظہار کچھ ایسے اسلوب سے کر جاتے ہیں کہ نظروں سے پورا سین گزر جائے۔ ان کی نظروں میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو طول دیکر خواہ مخواہ ضخامت بڑھا دیں۔

فیاض صاحب نے فطری جذبات کا عکس اتارنے کی کوشش تو کی ہے مگر انہیں اکثر جگہ ناکامی ہوئی۔

اگرچہ سچ ہے کہ ضیائے علم (خواہ دینی ہو یا دنیوی) جب کسی سیاہ قلب کو منور کر دیتی ہے تو وہ آدمی نہیں بلکہ پارس اور ہمہ تن شائستہ و مہذب بن جاتا ہے تو پھر ہمیں حیرت ہے کہ شمیم کی گفتگو کو بعض جگہ کیوں کچھ ایسے مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے وہ بادی النظر میں پرلے درجہ کا یاوہ گو اور جاہل محض قرار پائیے۔ ایک ایسا شخص جو ایم۔ اے کا امتحان دیا ہو کیا اپنی زبان سے یہ کہہ سکتا ہے۔

"وہ بیچارا اپنی بیوی کا اکلوتا شوہر ہے۔ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کی بیوی جو بیچاری ہر شش ماہی ایک ہی عدد بچے سے دنیا کی آبادی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اس کار خیر سے معذور ہو جائیگی!"

"اُن کے باپ ایک نہایت سیاہ چمار تھے' اور ان کی ماں خود حلال خور تھیں' اور سب پر حلال تھیں" وغیرہ۔

ایک اور جگہ "مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" کے ہی بہت مولویوں کی نسبت فرماتے ہیں:—

"علم فقہ میں مولویوں کو عورتوں اور مردوں کی طہارت کے مختلف پیچیدہ مسئلے بھی ہر زبان[1] یاد ہوتے ہیں اور ایسے چٹخارے لے لے کر وہ ہر ہر حالت اور ہر ہر حرکت کی بابت علانیہ مسئلے بیان کرتے ہیں کہ شرابی کباب کے اور افیمی گنڈیریوں کے مزے کیا کھا کر بیان کرے گا۔ انکی سترا ہیں فحش ناولوں سے بھی زیادہ فحش اور ننگی ہوتی ہیں۔ مگر انہیں شرم نہیں آتی۔"

بھلا اب قیاض صاحب بتلائیں کہ ایک مہذب گھرانے کے تعلیم یافتہ شخص کی زبان سے کیا ایسے اور بے تکے الفاظ نکل سکتے ہیں۔ یہ جملے جو ہم نے نقل کئے ہیں وہ ابتدائی صفحات کی زینت کو بڑھا رہے ہیں۔ اور آگے اس سے بھی شستہ زبان اور قدرے فصیح الفاظ بیسیوں جگہ استعمال کئے گئے ہیں جس سے زبانکی حلاوت' انداز بیان کی لطافت' تحریر کی شوخی آمیز سنجیدگی (یعنی عریانی) اور خیالات کی دل آویز ندرت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ شاید ان ہی خوبیوں کی بنا پر ایک زنانہ رسالہ کی فاضل مدیرہ نے تبصرہ کے دوران میں خواتین سے استدعا کی ہے کہ "مدہا اخبارات اس کی تعریف کر چکے ہیں۔ اس لئے آپ اگر ناول پڑھنے کا

---

[1] ہم نے اُن الفاظ کو یہاں نقل کر لیا ہے جو اس قابل نہیں کہ یہاں جگہ پا سکیں مگر سوائے اس کے چارہ کار نہ رہا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ (مدیرہ)

ذوق رکھتی ہیں تو اِسے ضرور ملاحظہ فرمائیے میں زیادہ تعریف کرنا فضول سمجھتی ہوں"۔

ہم الکتاب" صدیق بکڈپو لکھنؤ" اور فاضل مصنف فیاض صاحب سے معافی کے خواستگار ہیں۔ ہم نے جو لکھا ہے محض اس لئے کہ ہمیں اپنا فرض کچھ کے دے رہا تھا۔ اگر فرصت ہوئی تو آیندہ ہم اسی قبیل کے اور بہت ساری کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ جو" زنانہ لٹریچر" میں جگہ پا گئے ہیں۔

"پیشوا" رسول نمبر

ضخامت (۱۴۰) صفحات، کتابت طباعت پاکیزہ۔

قیمت کاغذ چکنا عمر کھرا ۸/ر۔ زرمعاوضہ سالانہ بشمول رسول نمبر عمار/ر عمر علی الترتیب۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ پیشوا۔ کوچہ چیلان، دہلی۔

ہمعصر رسالہ" پیشوا" کا رسول نمبر بغرض تبصرہ ہمیں ملا۔ جو ہمارے محترم دوست مولانا حافظ عزیز حسن صاحب بقائی کے زیر ادارت اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کو لئے ہوئے شائع ہوا ہے۔ اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید" پیشوا" ہی وہ واحد رسالہ ہے جس نے اس تقریب سعید پر بصد شان و شوکت اپنا ایک خاص نمبر نکال کر سرور کائنات کے ساتھ اپنی دلی عقیدت و ارادت کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد ہی ہندوستان کے اور رسائل اخبارات نے بھی رسول نمبر نکالے۔ مگر" پیشوا" کا درجہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ اس صف میں اولین ہے۔ متعدد قیمتی اور کمیاب تصاویر اس کی زینت کو دوبالا کر رہے ہیں۔ بلحاظ مضامین اس بے نظیر مجموعہ کو اگر سیرت مبارک کی" انسائیکلوپیڈیا" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مضامین (نظم و نثر) مجموعی طور پر اسلام کی سادگی اور بانی اسلام کی مبارک زندگی کے حالات نیز اسلامی تعلیمات اور اس کے محاسن کو مختلف پہلوؤں کی روشنی میں، پیش کر رہے ہیں، بالخصوصیت سے بعض ایسے عنوانات قائم کئے گئے ہیں جو ہادی برحق کی بزرگی و برتری کو منوائے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا منظور حسین صاحب ماہرالقادری کے مضامین اپنی افضلیت کے حامل اس وجہ سے بھی ہیں کہ آپ نے دنیا کی موجودہ کشمکش و بدامنی کو دور کرنے کا واحد علاج بجا طور پر یہ بتلایا ہے کہ ————

"دنیا میں امن تو صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ ———— سرمایہ دار مزدوروں کو غلام نہ سمجھیں اور عام انسانوں سے مساویانہ سلوک کیا جائے ۔ سرکار دو عالم نے مساوات و حریت کی دنیا کو عام دعوت دی۔ اسی صدائے حقیقت اثر نے قیصریت کے ایوان کو ہلا دیا اور جبر و استبداد کے ہونٹوں کو کپکپا دیا۔ کاش! آزادی (یعنی امن و عافیت) کی متوالی دنیا اس حریت نواز دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس آستانہ پر سر نیاز بھی جھکا دے جہاں بادشاہ و قیصر، غلام اور آقا، ایک ہی صف میں دوش بدوش نظر آتے ہیں ————"

ہماری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہمیں فہرست مضامین میں حسب ذیل ہندو حضرات کے نام نظر آئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام غیر مسلموں کی بھٹکی ہوئی روح کو طمانیت بخشتے ہوئے اپنی حقانیت اور وحدانیت کا معترف بنا رہا ہے۔ سارے ہندی مسلمانوں کو اُن حضرات کا شکر گذار ہونا چاہیئے جنہوں نے پیغمبر اعظم کی افضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے عقیدت مندی اور خلوص کا صدقِ دل سے اظہار کیا۔ کاش یہ اخلاص اور یہ ارادت مقتدایانِ مذہب کے ساتھ ہندو اور مسلمان دونوں میں عام طور پر پیدا ہو جائے تو ہماری فلاح و بہبودی کی راہیں جو باہمی اختلاف کی وجہ سے مسدود ہوئی اور ہوتی جا رہی ہیں یکبارگی کھل جائیں۔

ہم فاضل مدیر کی محنت و کاوش کی ہر طرح داد دیتے ہوئے اس قومی آرگن کی فلاح و سرسبزی کے لئے دعا مانگنے سے پہلے ایک خاص چیز کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جو ایک عرصہ سے خلش دل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ اور یقین ہے کہ اس کو نکتہ چینی نہیں بلکہ انتہائے خلوص کے تحت قبول کیا جائے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اشتہارات کے سلسلے میں ماہیہ گرانقدر رسالہ کچھ ایسی کتابوں کے نام اور اُنکی فہرست مضامین بھی گنواتا رہتا ہے جس کو وہ "کیف اور لٹریچر" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ "پیشوا" ہمارے خیال میں ایک ہر دلعزیز پرچہ ہے اور اس کا مردوں کے ہاتھوں سے گذر کر عورتوں تک پہنچنا عجب نہیں۔ اس صورت کی موجودگی میں ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اِن کتابوں کے نام معہ تفصیل ابواب وغیرہ (جس کا ایک ایک لفظ عریانی کو لیا ہوا ہے) بالالتزام شریک رسالہ رہا کریں جن سے نوجوان لڑکے اور خصوصاً لڑکیوں کے اخلاق پر کاری ضرب لگنے کا اندیشہ ہے۔ اگر ان کتابوں کو دفتر پیشوا نے شائع کیا ہے تو بہتر ہوگا جو وہ ایک "علیحدہ پمفلٹ" کی شکل میں اس کی تفصیل وغیرہ دیا کرے۔ امید کہ مولانا صاحب ضرور ادھر توجہ دیں گے تاکہ مخالفین کی انگشت نمائی سے پہلے یہ عیب دور ہو جائے اور پیشوا بلالحاظ مرد و عورت حقیقی معنوں میں مذہبی پیشوا ثابت ہو۔

رسالہ جہانگیر (خاص نمبر سنہ ۳۲ء)
کراؤن سائز (۱۶۸) صفحات، کتابت و طباعت نفیس۔
قیمت ۱۲/ سالانہ (سے عہ) بشمول خاص نمبر۔
ملنے کا پتہ :- دفتر جہانگیر، ۱۱ سرکلر روڈ، بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور۔

رسالہ زیر تنقید، محمد احمد خان صاحب درّانی کی ادارت میں حال ہی میں اپنی پوری "لاہوری" شان و شوکت کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے۔ ابھی اس نونہال کی آنکھ بھی نہ کھلنے پائی تھی کہ وہاں کی صحافتی روایات کے مطابق "خاص نمبر" کی زد میں آگیا۔ عموماً اِن خاص نمبروں نے کچھ ایسی طوفان بے تمیزی مچائے رکھا ہے کہ اب یہ سمجھنا ذرا مشکل سے ممکن ہے کہ کونسا خاص نمبر ہے

اور کونسا "عام"۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس قبیل کے رسائل ان پرچوں کی ترقی کی راہوں میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ جن کے اجرا کا ایک خاص مقصد ہے۔ ایسے مضامین جن پر "کچھ تم سمجھے اور کچھ ہم سمجھے" والی مثال چسپاں ہے۔ ایسے تصاویر جو عریانی یا نیم عریانی لئے ہوئے ہوں، جن میں آرٹ کو دور کا بھی لگاؤ نہ ہو، جہاں جمع ہو جائیں انہیں یکجا کر دیا گیا۔ اردو ادب پر احسان جتانے کے لئے "خاص نمبر" کے نکالنے سے کہیں بہتر ہے کہ "عام نمبر" ہی نکالے جائیں۔ یا اگر خاص نمبر نکالنا ہی ہے تو مناسب ہوگا کہ اس کو کسی ایک مخصوص تقریب یا ایک خاص موقع کیلئے رکھ چھوڑا جائے۔ تاکہ ناظرین کو بیک وقت ایک ہی عنوان کے تحت مختلف خیالات سے مستفید ہونے کا موقع مل سکے۔ اردو رسائل کے مستقبل کے طور پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ وقت دور نہیں جب ملک کے اس سرے سے اس سرے تک ایک عام ناقدری دیکھی جائے گی اور ہندوستانی صحافت کے سر یہ رسائل تباہی و بربادی کا سہرا ضرور بندھوا کر رہیں گے۔ جہانگیر کے اس سے پہلے کبھی درشن نہیں ہوئے تھے۔ اب جو ہم دیکھ رہے ہیں تو یہ عروسانہ لباس میں ملبوس اور اپنے شاندار مستقبل کا حال نظر آرہا ہے۔ تین سہ رنگی اور چھ یک رنگی تصاویر عروسی لباس کی جان بنے ہوئے ہیں۔ مضامین اکثر اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ جن سے فاضل مدیر کے حسنِ مذاق اور بہترین انتخاب کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری نگاہیں اسوقت فہرست مضامین پر ہیں۔ جن میں بعض ایسے نام بھی نظر آرہے ہیں۔ جن کی موجودگی رسالہ کی وقعت و قدر کو بڑھا رہی ہے۔ کچھ نام ایسے بھی "دہلی لاہوری ساختہ" القاب کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں جن کی "ادب نوازیوں" نے غریب اردو کی جان پر بنا دی ہے۔ جن کے قلم نے تاک تاک کر اس بیکس زبان کو کچھ ایسا نشانہ بنایا ہے کہ وہ پڑی دم توڑ رہی ہے۔ انہیں حضرات کی کرم فرمائیوں سے یقین ہے کہ زیادہ عرصہ نہ گزریگا جب اردو (تمام ہوگا) ایک مہمل زبان کا جسکی حروف تہجی کی ابتدا بجائے الف کے ی سے ہوگی!!

ہم کسی قریبی فرصت میں ان تمام حضرات کے نام اور ان کی "ادب نوازیوں" کے نمونہ پیش کریں گے۔

عصمت (سالگرہ نمبر) دہلی ۱۹۳۲ء

حجم (۲۰۸) صفحات، کتابت طباعت نفیس۔
قیمت قسم اعلیٰ عہ، ادنیٰ مہ۔ زرمعاوضہ سالانہ صہ/ و ہہ/ ہے علی الترتیب بشمول سالگرہ نمبر
ملنے کا پتہ:۔ دفتر عصمت دہلی۔

معزز معاصر عصمت ہندوستان کے زنانہ رسائل میں ایک امتیازی خصوصیت اور اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ اس کی اصلاحی روش اور طبقہ نسواں کی سچی ہمدردی اپنے دور کے دوسرے رسائل کی صف میں اس کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا رہی ہے۔ جس کی بین مثال اس کے پچیسویں سالگرہ نمبر کی شکل میں ہمارے آگے موجود ہے۔ ہم اس کی کامیاب ترقی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مشتری

روایات سے دور مغرب زدہ ہندی خواتین کا لیل و نہار ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی مغربی پرستاریاں اور اندھی تقلیدیں انہیں کس رنگ میں رنگتی جاری ہیں؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا رجحان طبع کدھر ہے؟ ان کے دلچسپ ترین مشاغل کیا ہیں؟ ان کے عادات و اطوار اور طرز و روش بگڑ کر کس حد پر جا پہنچے ہیں؟ ان کے ادبی ذوق کا کیا حال ہے؟ ان ساری چیزوں کی موجودگی میں عصمت کی ہر دلعزیزی ایک عجوبہ سے کم نہیں۔

زیر نظر نمبر "پچیسویں سال" کا پہلا پرچہ ہے، جس میں ملک کے بہترین مضمون نگار حضرات اور خواتین کے مضامین نظم و نثر جمع کیے گئے ہیں۔ تصاویر مجموعی طور پر باون ہیں۔ جس میں تین رنگین تصویریں بھی شریک ہیں۔ غرض یہ سالگرہ نمبر ہر طرح اس قابل ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کے مطالعے میں رہے۔ ہم راشد الخیری صاحب کی محنت اور حسن سلیقہ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے یقین ہے کہ خواتین کرام بھی اس گرانقدر رسالے کی ہر ممکنہ اعانت و امداد فرماتی رہیں گی۔

سفینۂ نجات } چھوٹی تقطیع (۴۸) صفحات کتابت و طباعت معمولی قیمت ۴؍ ملنے کا پتہ :۔ صغرا منزل، ہمایوں نگر۔ حیدرآباد دکن۔

"عصمت آپ" محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا) کا نام دکن کی حد تک تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ آپ کے بعض قیمتی کارنامے" آپ کی شہرت میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس کے سوا آپ کا شمار دکن کی قدیم لکھنے والی محترم خواتین کی صف میں ہے۔ رسالہ زیر بحث میں آپ نے خود نوشتہ نوحہ جات، اسلام وغیرہ کو یکجا کیا ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ اگر "خون جگر سے لکھا گیا ہے" کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید محترمہ موصوفہ کی یہ ابتدائی کوشش ہے۔ کلام میں روانی، برجستگی اور سلاست کا فقدان ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو یقیناً یہ چیز بہت جلد دور ہو جائیگی۔

مختصر مجموعۂ نوحہ جات } چھوٹی تقطیع (۳۲) صفحات کتابت و طباعت معمولی قیمت ۲؍ مرتبہ جناب سید عباس حسین صاحب صمصام ملنے کا پتہ سفینہ بک ایجنسی" پادر گھاٹ حیدرآباد دکن"

یہ مختصر مجموعہ جناب صمصام کے مختلف نوحہ جات کا ہے۔ حادثۂ کربلا و مصائب دشت نینوا کی جگر خراش و دل دوز داستان ہی کیا کچھ کم ہے جس کو سن کر جگر پارہ پارہ نہ ہو جائے اور پھر ان کو نظم کا جامہ پہنانا گویا قیامت پر قیامت ڈھانا ہے۔ اس مجموعہ سے ہٹ کر ہمیں آجکل کی شاعری کی نسبت کچھ عرض کرنا ہے۔ جواں مرگ ادیب عظمت اللہ خاں دہلوی نے حق تو یہ ہے کہ پتے کی بات کہہ دیا ہے۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "بدقسمتی سے اردو ادبی دنیا میں نری لفاظی یعنی لفاظی شاعری کی مانگ سمجھی جانے لگی

ہماری شاعری ایک چیتھڑوں کی گڑیا سی ہے جس کو جھوٹے مسالہ والی کترنیں سی سِلا کر پہنا دی گئی ہیں . . . .

اردو شعراء اس قسم کی گڑیاں کھیلتے ہیں۔ اصلیت کی ہوا سے بھاگتے ہیں اور زندگی کی لہراتی ندی سے جان چراتے ہیں (آجکل) شاعر کی قادر الکلامی کے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ توڑ، مروڑ کر الفاظ کی ایسی نرالی نامانوس اور بے ضرورت ترکیبیں نکالی جائیں کہ شاعری عام (کم فہم بلکہ بعض وقت عالی فہم) لوگوں سے کالے کوسوں دور جا پڑے اور اس میں اصلی زندگی کی چھینٹ بھی نہ پڑے ایک مخصوص طبقہ سمجھے یا بے سمجھے اس قسم کے اشعار کے مزے لے۔ قادر الکلامی کی بڑی نشانی یہ ہے کہ گہرے سے گہرے، بلند سے بلند مضمون کو سیدھے سادے الفاظ میں ادا کیا جائے ——"

اور شاید یہی وجہ ہو کہ اِس دور کے شعراء کے کلام میں وہ وجدانی کیف نظر نہیں آتا جو کوئی ایک صدی ادھر تھا۔ اب تو خالص لفاظی یا اس سے بڑھ کر مبالغہ آمیزی ہی رہ گئی ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ نئی زمانہ اردو شاعری میں مبالغہ آمیزی کو کچھ اس قدر دخل حاصل ہو گیا ہے۔ کہ شاعری کے دوسرے معنی مبالغہ آمیزی کے لئے جانے لگے ہیں یہی نہیں بلکہ یہ ایک مثل کی حد تک بھی جا پہنچی ہے۔ چنانچہ کسی ایسے موقعہ پر کہ جب کوئی شخص دروغ بیانی سے کام لے رہا ہو تو ہم نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ "اب تم اپنی شاعری کو ختم کر دو" یا "آب زیادہ اپنی شاعری کو کام میں نہ لاؤ" —— وغیرہ

کیا ہمارے شعراء ادھر توجہ دیں گے؟ ایک وہ زمانہ تھا جب کہ شاعر کے صرف چند سیدھے سادے الفاظ ایک بھری محفل کو نیم بسمل کئے دیتے تھے۔ اور ایک یہ وقت ہے کہ صفحہ کے صفحہ رنگ دئے جا رہے ہیں۔ مگر سامعین کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس کا سبب ہی نری لفاظی یا پھر مبالغہ آمیزی کے سوا اور کچھ نہیں۔

کبھی ہماری شاعری میں، اس قدر وجدانی کیف مضمر تھا کہ اسرار ہر مطرب نے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

اپنی ساز پر چھیڑا، اور ادھر ایک سرفروش نے اپنی عزیز ترین جان کو قربان کر دیا۔ مقام صاحب کی اردو تحریر میں گو صفائی اور بعض جگہ برجستگی بھی پائی جاتی ہے۔ مگر ابھی بیان میں ندرت ناپید ہے۔ اگر مشقِ سخن جاری رہے تو امید بندھتی ہے کہ یہ اور دوسرے تمام عیوب بھی ہٹ جائیں گے۔

اسلامی جنتری رائل سائز (۱۲۸) صفحات کتابت و طباعت اوسط قیمت کاغذ چکنا ۶ر کھرا ۸ر
ملنے کا پتہ :- کتب خانہ حیدری - چھتہ بازار حیدر آباد دکن -

یوں تو ہر سال سنہ ہجری کے ختم پر مختلف جنتریاں دکن اور بیرون دکن سے شائع ہوتی ہیں - مگر یہ محض شیخ ابوالقاسم صاحب حسام کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مذکورہ جنتری اپنی نوعیت میں خاص ہے - جس میں علاوہ تاریخ وغیرہ کے ہر اس چیز کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جو روزمرہ ہر کس و ناکس کے کام آئے - مقامی طور پر ریلوے کا ٹائم ٹیبل نیز شرح سود اور تبادلہ سکہ جات کلدار و حالی بھی اس میں شامل ہے حضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہٗ شاہزادگان والاشان - مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اور نواب سالار جنگ بہادر کی تصاویر اس کی زینت کو بڑھا رہے ہیں - ہر اعتبار سے یہ جنتری مفید ہے -

نقاد "تارخ" ہادہ

بقیہ مضمون صفحہ (۸)

احوالِ ما

مگر افسوس کہ عدم گنجایش اور سب سے زیادہ دیر ہوجانے کی وجہ اکثر مضامین نامکمل شائع ہوئے ہیں - براہ کرم ان کا مطالعہ کیجئے اور مجھے اپنی رائے سے مطلع فرمائیے تاکہ کسی ایک مضمون کو اعلیٰ قرار دیا جاسکے -

اس سلسلے میں جو مضامین دیر سے وصول ہوئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ ہیں - میرا ارادہ ہے کہ اُن کو نیز ان نامکمل مضامین کو جو شریک اشاعت ہیں ایک کتابی شکل میں شائع کردوں جو "اسلام میں عورت کا درجہ" کے نام موسوم ہوگی - ———— مذکورہ عنوان کے مضامین کے سوا "عورت کی زندگی کے تین دور" اور "مسلم خواتین کا ماضی، حال اور مستقبل" والے مضامین بھی اس کتاب میں شریک رہیں گے - گویا دوسری دفعہ ان بہنوں کے لئے ایک اور موقعہ دیا جارہا ہے - جنھیں یہ شکایت تھی کہ "ایسے ادق مضامین لکھنے کے لئے تو کافی وقت درکار ہے اور آپ نے بہت قلیل وقت رکھا" کتاب مذکورہ کی تیاری آیندہ مہینے سے شروع ہوگی - اس اثنا میں مجھے یقین ہے کہ بہنیں بھی اس کی کامیابی میں حصہ لیں گی - اگر ضرورت ہو تو اس کی ضخامت دو سو صفحات سے بھی بڑھا دیجائیگی - اور قیمت کم سے کم رہے گی - تفصیل صفحہ اول پر دیکھئے - "محرم نمبر" میں بعض غلط تصاویر اور مضامین شریک ہوگئے ہیں - جس کی جانب محترمہ بہن "ج" نقوی صاحبہ نے توجہ دلایا ہے - یہ بہن موصوفہ کی اس خالص ہمدردی کی رہین منت ہیں -

میری علالت کا سلسلہ اس غلطی کا باعث ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ محترم بہن اور دوسرے حضرات اس کو نظر انداز فرمائیں گے

میرے لیئے یہ خبر باعث صدر رنج و ملال ہوئی کہ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قریشی (ناظم بندوبست سرکار عالی) کی علالت کا سلسلہ طویل ہوتا جارہا ہے۔ خدائے عزوجل سے صمیم قلب کے ساتھ دعا ہے کہ انہیں بہت جلد صحت عاجلہ اور شفائے کلی حاصل ہو۔ آمین۔

میں عزیز بہن زبیدہ اور معظمہ و محترمہ مسز قریشی کی شریک درد بن کر اپنی لاتعداد دعاؤں اور بہترین تمناؤں کو بھیج رہی ہوں۔

اس دفعہ "عثمانیہ یونیورسٹی" کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ حصول علم میں پردہ کی قید کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی بلکہ ایک پردہ نشین پردہ میں ہی رہکر وہ سب کچھ کر سکتی ہے اور نہایت شاندار طریقہ پر جو آج ملک کی دوسری خواتین ان جکڑ بندیوں سے آزاد رہ کر بھی نہ کر سکیں" کیا اب بھی پردہ کے مخالفین اس حقیقت کو نہ مانیں گے؟ اور کیا اس کے بعد بھی پردہ ان کی آنکھ میں خار بن کر کھٹکتا ہی رہے گا؟

سفینہ کی قلمی معاون اور میری محترم بہن محمدی بیگم صاحبہ کی خدمت میں ساری پردہ نشین خواتین کی جانب سے میں "مبارکباد" کا ادنیٰ ترین تحفہ پیش کرتی ہوں۔ جن کی شاندار کامیابی یقیناً ہماری اپنی کامیابی ہے۔

اسی سلسلے میں مجھے اپنی عزیز بہن محترمہ بنت عالیجناب **ناظم صاحب تعلیمات** (سرکار عالی) کی خدمت میں ان کے عزیز بھائی مسٹر عبد الصمد خاں صاحب کی بیچ 'یس' 'ل' سی کے امتحان میں امتیازی خصوصیت کے ساتھ کامیابی پر مبارکباد پیش کرنا ہے۔ اور خدا سے دعا ہے کہ صاحب موصوف کی یہ کامرانی آیندہ کے لئے بہت سارے کامیابیوں کا پیش خیمہ ہو۔ آمین۔

میں عالیجناب ناظم صاحب کی خدمت گرامی میں بھی منجانب "ادارہ" خلوص و مسرت کا "گلدستہ سپاس" پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہی ہوں۔"

معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خان صاحب (ایم۔ بی۔ سی۔ ایچ۔ بی۔ اڈنبرا) کے بیشمار الطاف اور کرم نے میری آنکھوں کے آگے اب اس حقیقت کو روشن کر دیا ہے کہ ؎

ہمت ذاتی بہ جُود دست از سخا محتاج تر
از کریماں خواستن احساں بہ سائل کردن است

مکرم بہن "ج" نقوی صاحبہ کی "سفینہ نوازیاں" اب اس حد کو پہنچ چکی ہیں کہ ہمیشہ بے ساختگی کے عالم میں یہ شعر ورد زبان ؎ من از مروتِ طبع کریم فہمیدم — کہ آب گشتن بحر ایں قدر ز شرم سخاست

اس دفعہ میری مخلص نواز بہنوں میں ایک اور محترم بہن کا اضافہ ہوا ہے۔ میں محترمہ مسز مولوی فیض الدین فنا (صدر موبہ کیپل) کی ہمدردیوں کی شکر گزار اور لطف و کرم کی رہین منت ہوں یقین ہے کہ بہن ممدوحہ کی ہمدردی حقیر سفینہ کو بام رفعت پر پہنچا کر رہے

اکثر بہنوں کو شکایت ہے کہ ان کے خط کا جواب بروقت نہیں ملتا۔ ایسی بہنوں کی خدمت میں التماس ہے براہ کرم جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ٹکٹ ارسال فرمایا کریں۔ میں نے بطور خاص انتظام کر دیا ہے کہ ایسے خط فوراً جواب بھیج دیا جایا کرے۔ (مالیکہ)

معزز معاصرین نظام گزٹ (ہفتہ وار) رہبر دکن (روزنامہ) اور انڈین اسٹیٹس اینڈ زمینداریز رسالہ (Indian States & Zamindaries.) کا سفینہ شکر گزار ہے۔ جنہوں نے اس ادبی رسالے کو اپنی صف میں جگہ دیتے ہوئے اس کا پرخلوص خیر مقدم کیا ہے۔ اور ہر ممکنہ اعانت سے "ادارہ" کی ہمت افزائی کی ہے میں اپنے کرم فرما مولوی سید وقار احمد صاحب (ایم۔ اے۔ ایل ایل بی) اور مولوی محمد حبیب اللہ رشدی (ایم۔ اے) مدیرین نظام گزٹ (ہفتہ وار) کا شرمندۂ احسان ہوں کہ جن کی بعض بر موقع ہمدردیاں اور اعانتیں حقیر "سفینہ" کی شامل حال رہیں۔ میری احسانمندی اور شکر گزاری کا یہ بے مایہ تحفہ یقین ہے عنایات پیہم کا حریف ہوگا ————

(ناچیز) اختر قریشی
منیجنگ اینڈ اسسٹنٹ ایڈیٹر

وائی ٹو فوڈ گوشت کی نسبت آٹھ گنا زیادہ مفید ہے

کمزور لوگوں کے وزن میں اس کے تین ہفتہ کے استعمال سے (۷) پونڈ کا اضافہ ہوا ہے اور دو ماہ کا استعمال ۱۴ پونڈ وزن بڑھاتا ہے۔ انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے رگ پٹھوں کی ساخت کی خاطر "سیل سالٹ" کو مناسب غذاؤں کے ذریعہ مہیا نہیں کرسکتا تاکہ اس کے جسمانی ضروریات پوری ہوں اور دنیا میں انسانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنی مرغن اور ثقیل غذا کو بخوبی ہضم نہیں کرسکتا۔ پس ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنی ضروری غذا کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کھاتے ہیں اس کو بخوبی ہضم نہ کرسکنے کی وجہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی ہوگیا کہ جسم انسانی کو معدنی ذرائع سے جو قدرتی کے بالکل قریب قریب ہوں یہ غیر نباتی نمک مہیا کئے جائیں۔ یہی "وائی ٹو فوڈ" کا عمل ہے۔ چنانچہ بچوں کیلئے ضعیف اور ناتوان کیواسطے وائی ٹو فوڈ ایک بہترین غذا ہے۔ اوپر کے دودھ پر پرورش پانے والے بچوں کے لئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیماروں کے لئے ایک بہترین غذا ہے۔ اس کا استعمال دق اور اس کے مماثل دیگر امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرض کی حالت میں اس کا استعمال مریض کے جسم میں سیل زمانہ کی عاملیت کو بڑھاتا ہے جس کی بدولت مریض جلد صحت پاتا ہے۔

قیمت:۔ فی ڈبہ خورد ۸ر بذریعہ وی پی ۱۲ار ڈبہ کلاں عہ بذریعہ وی پی ۱۲عہ ہر مشہور دوا فروش کے پاس سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

جے اینڈ جے ڈی شمن

رزیڈنسی روڈ متصل اسکلیہ تھیٹر حیدرآباد دکن

صاحبزادہ میکش آغائی کا اظہار حقیقت

ہر چند روغنِ گلبہار کے متعلق کوئی بھی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ان گنت محبانِ وطن نے اپنے تجرباتی فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور عبارت آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو یدِ قدرت نے سحر آفریں اعجاز ودیعت فرمایا ہے جہاں اس کی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اسکی تاثیر بھی عدیم النظیر شاہد و شاہد ہے کہ اس کے استعمال نے بال گرنے موقوف کر دئے درد سر زائل کر دیا تکلیف تکان دور کر دی اسکی عطر افشاں خوشبو مشام جان کو معطر کرتی دماغ کیلئے فرحت و سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ اس کے موجد ملکی باشندہ ہیں۔ یہ ایجاد بلا مبالغہ موجد کے لئے باعثِ صد افتخار و ناز ہے تو ملک کیلئے سرمایہ ناز روغنِ گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں ازدیاد جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہیں جس قدر ذکور اہلِ ملک اور محبانِ وطن کا فرض ہے کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کر دیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہونگے۔

ان اصحابِ مخلصین کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام پیر آئل کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھا جنکی طوفانِ بے تمیزی حشرات الارض کیطرح دن دونی رات چوگنی زیادتی پر ہے۔

المشتہر

منیجر گلبہار کمپنی ــــ افضل گنج حیدر آباد دکن

حیدرآباد دکن
حیدرآباد دکن
ادارہ
صادقہ قریشی محمودہ اختر اختر قریشی
نمبر ۳
جلد ۴
قیمت فی جلد
عصہ

یا علی ۷۸۶

جنوبی ہندوستان کا واحد ماہنامہ جو خواتین کی اصلاح و فلاح کیلئے مخصوص ہے

سفینۂ نسواں

جلد ۴ نمبر ۳

فہرست مضامین

پیغام عمل

کچھ مقصد لیکر آتا ہے اس دنیا میں جو آتا ہے
محروم عمل جو رہتا ہے وہ جیتے جی مر جاتا ہے
اس مزرع عالم کو سینچو تم جد و جہد کی بارش سے
جو بیج عمل کا بوتا ہے وہ پھل راحت کا پاتا ہے
رستے کی صعوبت سہ کر ہی منزل پہ پہنچنا ممکن ہے
آگاہ حقیقتِ غم ہے جو وہ لذت عیش اٹھاتا ہے
ہر ایک مصیبت دنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے
گلشن میں خزاں کا آنا ہی امید بہار دلاتا ہے
دریا کی طرح جو چلتا ہے اور پھر چلتا ہی رہتا ہے
کہساروں کو میدانوں کو وہ خاطر میں کب لاتا ہے
ہر رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

اذکار و افکار

آج حقوق نسواں کی آواز ملک کے ہر گوشہ سے بلند ہو رہی ہے اور اسے تمدن جدید کے برکات میں سے ایک عظیم برکت تصور کیا جا رہا ہے مسلم خواتین بھی اوروں کی دیکھا دیکھی مردوں کے مقابل زندگی کے ہر شعبہ میں مساوی حقوق کی طلب گار ہیں۔ انھیں بھی تمنا ہے کہ وہ بھی وکیل و بیرسٹر جج اور پروفیسر ہو کر بزم آرائے جلوت ہوں اور ملک کی دوسری دیویوں کی طرح ان کے تذکروں سے بھی اخباروں کے کالم پُر ہوں۔ سرورق ان کی تصویریں بھی شایع کی جائیں اور اس طرح ——— انھیں دنیا کے کاروبار اور دنیا کی ترقیوں میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے کہ ان کے نزدیک عروج و ترقی اور تمدن و تہذیب اسی کا نام ہے افسوس ہے خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد۔

یہ تمنا ان کے دلوں میں کچھ اس طرح جاگزیں ہے کہ وہ اس کے حصول کی خاطر خاندانی روایات کو پامال کر دینے کیلئے ہمہ تن مستعد اور مذہب کی تعلیم کو پس پشت ڈال دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ حالانکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورتوں کو انسانوں کی صف میں لاکر کھڑا کیا۔ ورنہ اسلام سے پہلے اس صنف کی انسانیت ہی کب مسلّم تھی؟ اور یہی وجہ تھی کہ دنیا کا ہر ظلم مرد عورتوں کے ساتھ روا رکھتے تھے لیکن اسلام نے بتایا کہ یہ گوہر گراں مایہ جس کی انسان نے اس قدر ناقدری کر رکھی ہے کس قدر بیش قیمت ہے۔ اس نے دنیا میں ان کی ایک مستقل حیثیت قایم کی۔ اور پھر انھیں ان کی فطرت کے مطابق حقوق سے مالا مال

ہز ہائینس میجر جنرل شہزادہ والاشان نواب اعظم جاہ ولیعہد بہادر دولت آصفیہ نے عہدہ سپہ سالاری عساکر آصفی کو عزت بخشا ہے۔ دکن کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ولیعہد سلطنت سرکاری طور پر کسی خدمت پر فائز رہے۔ ہم اپنے ہر دلعزیز شہزادہ اور ہر امپیریل ہائینس علیا حضرت دلہن شہزادی صاحبہ کے حضور میں بصد ادب ہدیہ مبارکباد گزراننے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔

ہز اکسلنسی مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر یمین السلطنت کی دختر نیک اختر کا عقد گزشتہ ماہ نواب ضیلور جنگ بہادر کے صاحبزادہ شہود علی مسٹر بابر مرزا کیساتھ شاہانہ تزک احتشام سے ہوا۔ خدا کرے کہ دلہا اور دلہن ہمیشہ شاد و آباد رہیں۔ اس مبارک موقع پر ہز اکسلنسی کی خدمت میں منجانب ادارہ گلدستہ تہنیت پیش کرنے کا فخر حاصل کیا جا رہا ہے۔

صدر مہتممہ مدارس نسوان بلدہ مسز ایم انیگر بوجہ پیرانہ سالی وظیفہ پر سبکدوش ہوئی ہیں اور فی الحال سنا کہ محترم مولوی شیر محمد خاں صاحب مددگار ناظم تعلیمات موصوفہ کی جگہ نگرانکار ہیں ہمارا قیاس ہے کہ ارباب تعلیمات مذکورہ خدمت کیلئے ضرور کسی خاتون کے متلاشی ہونگے اور یہ انتظام محض عارضی ہوگا لیکن ہم یہ ضرور گزارش کرینگے کہ صدر مہتممہ کے تقرر کے وقت ملک کی خواتین کو نظر انداز نہ کیا جائے، غیر ملکی خصوصاً دریا پار کے افراد ہماری طرز معاشرت اور ہماری ضروریات سے محض نابلد ہوتے ہیں۔ اس خصوصیت کی موجودگی میں کہ مدارس نسوان پر ہماری فنا و بقا کا انحصار ہے بہتر ہوگا جو امتحاناً ہی سہی، مگر کسی ملکی خاتون کا تقرر کیا جائے۔ مبارک دور عثمانی کا طفیل ہے کہ ہماری خواتین بھی زیور علم سے آراستہ ہو رہی ہیں اور ان میں بہتیرے مقامی اور بیرونی درسگاہوں کی اعلیٰ ڈگریاں بھی رکھتی ہیں۔ پھر کوئی ضرورت نہیں کہ ملک میں قابل اور موزوں افراد کو رکھتے ہوئے غیروں کے دست نگر بنے رہیں۔

حیدرآباد میں سینما اور چائے خانوں کی کثرت روز افزوں ہے، ہم کسی پچھلے مقالہ میں اس کے مضر اثرات کو ظاہر کر چکے ہیں۔ ان سے آئے دن جو اخلاقی اور معاشی برائیاں بڑھ رہی ہیں وہ کسی مزید اظہار کے محتاج نہیں ہیں۔ نوجوان لڑکے اور معصوم لڑکیوں کے دماغ سینما کے زہر سے متاثر ہو رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا محکمہ کوتوالی بلدہ طبابت و حفظان صحت، اور صفائی ادھر ضرور اور جلد تر متوجہ ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا نوخیز سفینہ کا "محرم نمبر" بے انتہا مقبول ہوا جسکی بین دلیل یہ ہے کہ اسکی قیمت باوجود فی جلد (عہ) روپیہ رکھنے کے ہمارے پاس ایک کاپی بھی نہ رہی۔ ملک اور بیرون ملک سے صدہا تعریفی خطوط وصول ہوئے، ہم اپنے تمام کرمفرماؤں کے شکرگزار ہیں بالخصوص ہمیں جنابہ رشیدہ۔ اے۔ ایس وہاب (جرمنی) اور محترمہ فاطمہ عباس صاحبہ شیرازی (طہران) کا شکریہ ادا کرنا ہے جو سفینہ کو ان دور دراز ممالک میں کامیاب بنا رہی ہیں۔

اختر قریشی

شہیدِ وفا

(از)

محمودہ اختر صاحبہ

مدیرہ محترمہ۔

تسلیم و نیاز۔

اس تحریر کیساتھ میں اپنا اوریجنل افسانے کا ایک باب بھیج رہی ہوں۔ اگر آپ اسکو قابل اشاعت تصور فرمائیں تو سفینہ میں شریک کیجئے۔ آپ حیران ہونگے کہ بجائے مکمل افسانہ کے صرف ایک باب بھیجا جا رہا ہے۔ سنئے، میں چاہتی ہوں کہ میری دوسری بہنیں اسکی تکمیل کریں جسطرح مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کا افسانہ "عشق کی گولیاں" مختلف لوگوں نے مکمل کیا ایسے ہی میں نے خیال کیا کہ "شہیدِ وفا" کو بھی مختلف بہنوں سے پورا کراؤں پہلا باب تو یہی قایم رہیگا اور بقیہ پانچ ابواب کا تکملہ اور بہنیں کرینگی۔ جملہ فسانہ چھ باب میں ختم ہوگا۔ اس سلسلہ میں جتنے افسانے بھی وصول ہوں آپ ہر ماہ ایک یا دو شایع فرماسکتی ہیں جن محترم بہن کا افسانہ سب سے بہتر ہوگا ان کی خدمت میں منجانب حقیر ایک چاندی کا کپ پیش کیا جائیگا۔ بہتر ہوگا جو آپ اس کو دکن تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ بیرونی اہل قلم خواتین کو بھی طبع آزمائی کی دعوت دیں۔

والسلام آپ کی اخلاص کیش محمودہ اختر

بلقیس کو دوبارہ زندگی حاصل ہو رہی تھی، کون جانتا تھا کہ وہ بلقیس جو ایک ہفتہ قبل اپنے ہوش و حواس

کھو بیٹھی تھی یوں بھلی چنگی ہو جائے گی۔ معالجوں نے تو صاف جواب دیدیا تھا کہ اب زندگی کی امید نہیں، سارا گھر وہ
کبھی مظلوم لڑکی کے نام پر غم و غصہ کا اظہار کیا کرتا تھا، علالت کے دنوں میں اس کی ہر سانس کو آخری جان کر
اور ہر ہچکی زیست کی زنجیر کو منقطع کرنے والی سمجھکر اس کے ارد گرد جمع اور زمانہ سازی کے طور پر مصروف
غمگساری رہتا۔ ایک ہی ہفتہ ہوا کہ بلقیس پلٹی ہوئی موج کی طرح صحت کے سمندر میں لوٹ آئی۔

سلیم تو سمجھ چکا تھا کہ اب بلقیس کے وعظ و پند سے نجات ملیگی اور خوب جی بھر کر رنگ رلیاں منانے کے
موقعے ہاتھ آئیں گے، کھٹکنے والا خار اور اڑنے والا روڑا نکل جائے گا، وہ کیا جانے کہ "جسے خدا رکھے اسے
کون چکھے" اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی شریک حیات بلقیس اس طویل علالت سے نہ اٹھے گی، وہ یہ
بھی جانتا تھا کہ اسکی علالت کا باعث وہ خود ہے، اس کی بے توجہی اندر ہی اندر بلقیس کو گھلا رہی ہے اور
وہ اب ایک ایسے چراغ کی مانند بن گئی ہے جس کو ہوا کا ادنیٰ سا جھونکا بجھا سکے۔ علالت کے دوران میں
سلیم شاید ہی بلقیس کو الٹ کر دیکھا ہو، بیچاری غم کی ماری شوہر کی صورت کو ترس جاتی مگر وہاں راگ و
رنگ سے فرصت کہاں جو غریب کی دلجوئی کا وقت نکلتا۔

اب جب سلیم نے دیکھا کہ جاتی ہوئی بلا پھر پلٹ رہی ہے تو وہ حیران رہ گیا اور اس دردسری
سے ہمیشہ کا چھٹکارا حاصل کر لینے کے ذرائع سوچنے لگا۔

عورت اور اسلام

از

جناب مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی

آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر کا ذکر ہے کہ خدا کی ایک بیکس و بے یار و مددگار مخلوق جسے دنیا نے "عورت" کہکر پکارا۔ جہالت اور تاریکی کے پردوں میں گم تھی۔ وہ گلشن ہستی میں ایک "پھول" بن کر پھولی مگر مرد کے دست ظلم نے اُسے مسل کر پھینک دیا وہ لطافت و نزاکت کا پیکر بنکر آئی تھی۔ مگر نا اہلوں نے اس کی قدر نہ کی۔ اس نے ماں بن کر مرد کو کلیجے سے لگانا چاہا۔ مگر ظالم نے اسے جھڑک دیا۔ بہن بن کر گود میں کھلانا چاہا مگر وہ دور ہٹ گیا۔ بیوی بن کر اس نے محبت و الفت کی سوغاتیں پیش کیں مگر سنگدل کا دل نہ پسیجا۔ روما کی زمین سے صدا آئی کہ شادی کے بعد عورت شوہر کی زر خرید جائداد ہے اس کا تمام مال و متاع شوہر کی ملک ہے اس کو کوئی عہدہ نہیں مل سکتا وہ کسی کی ضامن نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ مرنے کے وقت وصیت بھی نہیں کر سکتی!

انگلستان میں قانون بناکہ نکاح کے بعد عورت شوہر کی جائداد ہے۔

ہندوستان نے کہا کہ مرد کے مرنے پر عورت کو بھی ستی ہونا چاہیئے۔

ایک ضعیف و ناتوان جماعت کے مقابل میں دنیا کی ساری طاقتیں یہ مشورے کرتیں اور ان پر عمل پیرا ہوتیں کہ یکا یک حرا کی چوٹیوں سے رحمت کے نغمے سنائی دیئے اور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر کہا۔

عاشروھن بالمعروف	}	عورتوں کیساتھ اچھی طرح رہا کرو۔
اتقوا اللہ فی النساء		لوگو عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

انما الدنیا متاع و لیس من متاع الدنیا شئی افضل من المرأة الصالحۃ دنیا ایک دکان متاع ہے جس میں سب سے بہتر پونجی صالح عورت ہے

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔

بعض لوگ کہتے تھے کہ عورت آخرت کی لذتوں میں مردوں کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام کی صدائے حق بلند ہوئی۔

من یعمل من الصالحات من ذکر او انثیٰ فاولٰئک مردوں اور عورتوں میں جو بھی اچھے کام کرے گا وہ جنت

یدخلون الجنۃ میں جائے گا۔

عورتیں عموماً میراث سے محروم تھیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اب سے کچھ ہی دنوں پیشتر عورتوں کا حق ملکیت تسلیم کیا فرانسیسی عورت کو اب بھی اپنی جائداد میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔ مگر اسلام نے مسلمان عورت کو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تمام حقوق بغیر طلب کے خود ہی دے دئے۔

وللنساء نصیب مما ترک الوالدان و الاقربون جو کچھ اعزا و اقربا اور والدین چھوڑ جائیں اس میں عورت کا حصہ ہے

دنیا کہہ رہی تھی کہ عورت شادی کے بعد شوہر کی جائداد ہے۔ مگر اسلام نے بہ آواز بلند کہا کہ نکاح تو تمدن کی ایک کڑی انسانیت کا ایک رشتہ اور محبت و پیار کی ایک سبیل ہے۔

خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا خدا نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے۔ تاکہ تم اس سے سکون حاصل کر سکو۔

یہ تو عورتوں کے ساتھ اسلام کا ایک نہ مٹنے والا احسان ہے مگر ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آج اسلام کے ساتھ مسلمان عورتوں کو کیا شغف ہے اور وہ اپنے مذہب کی کہاں تک پاسدار ہیں۔ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم تحصیل علم ہر مسلمان پر (مرد ہو یا عورت) فرض ہے۔

بروقت ہم کو اسی حکم کے متعلق کچھ لکھنا ہے۔ اس دور میں مسلمان عورتوں کی ایک جماعت نے تو سرے سے اس حکم کو سنا ہی نہیں اس نے سمجھا کہ دنیا کی ساری ترقیاں اور کامیابیاں مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ضروریات دین

سے وہ بیگانہ ۔ دنیا کے کاموں سے وہ ناآشنا ۔ شوہر کے حقوق ۔ اعزا و اقربا اور ہمسایہ کے حقوق اولاد کی تہذیب و تربیت اور امور خانہ داری سے وہ ناواقف ؛ غرض یہ کہ ان کی زندگی ان کے جہل کے باعث چوپایوں کی زندگی ہے ۔

دوسری جماعت نے تعلیم حاصل کی ۔ مگر مذہب کے حکم کی تعمیل میں نہیں ! بلکہ جب زمانہ کی ٹھوکریں لگیں دنیا نے اپنی ترقیوں میں حصہ دینے سے انکار کر دیا ۔ تو مغرب کی دیکھا دیکھی علم و ہنر کا شوق ہوا ۔ اپنے اسلاف کے نقش قدم کو چھوڑ کر مغرب کو استاد بنایا ۔ اور اپنے کو استاد کے رنگ میں رنگنے اور اس کا روپ بھرنے کی پوری کوشش کی ۔ اس کے ایک ایک خدوخال کی نقل اتاری ۔ پردہ سے بے پردہ ہوئی ۔ فیشن و مغرب پرستی کو اپنا دستور حیات بنایا ۔ شوہر اعزا و اقربا سے بے اتفاقی ۔ اولاد کی تربیت اور امور خانہ داری سے علیٰحدگی اپنا حق جانا ۔ اور مردسے شرط باندھی کر دیکھیں اس روشن خیالی کے زمانہ میں علم و تہذیب کے دور میں مغرب کی کورانہ اور اندھی تقلید تم زیادہ کرتے ہو یا ہم !

گویا اسلام نے عورتوں پر جو احسان کیا تھا ۔ دونوں جماعتوں نے اس کا صلہ اور بدلہ دیا ۔ کہ ایک نے افراط اور دوسرے نے تفریط سے کام لیکر اسلام کی راہ اعتدال کو گم کر دیا ۔ خواتین اگر اسلاف کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ خواتین اسلام نے دنیاوی امور میں مشغول ہوتے ہوئے مذہب کی ایسی خدمات انجام دی ہیں کہ جنھیں دیکھکر دنیا آج حیران و ششدر رہ گئی ہے علم میں، عمل میں، رزم میں، بزم میں، دکھ درد میں ۔ آرام و راحت میں ۔ الغرض ہر موقعہ پر عورتوں نے مردوں کے ساتھ ساتھ اسلامی خدمتیں انجام دیں ۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اپنے بچوں کے اندر اخلاقی مذہبی اور اسلامی روح پھونکی ۔ ان کو مذہب کے نام پر مٹنے کی تعلیم دی ۔ لیکن کتنا عبرت ناک واقعہ ہے کہ وہی عورت آج خود اپنے مذہب سے ۔ اپنی تعلیمات سے ناواقف و ناآشنا ہے ۔ اس کے اندر نہ کوئی مذہبی جذبہ ہے نہ اسلامی روح ہے اور نہ اپنے ملک و وطن کا کچھ خیال ہے ! اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی موجودہ تعلیم مغرب کی تقلید ۔ مغربی تخیل کے مطابق ۔ اور مغرب سے مرعوب و متاثر ہو کر رہی ہے ۔ علم کے حصول کا

مقصد تہذیب نفس اور اپنے انسانی فرائض سے آگاہی ہے۔ خواہ فرائض خدا کی بندگی سے متعلق ہوں یا حسن معاشرت اور خلق و محبت باہمی سے۔ لیکن اس مقصد کا حصول اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تعلیم اسلامی تخیل کے مطابق اور اسلامی جذبات کے ماتحت نہ ہو۔ اور کوئی ایسا نظم نہ ہو۔ جس کے اثر سے اسلامی خیالات کی پرورش ہو سکے۔ کیونکہ اسلام کے سوا تعلیم کا یہ اعلیٰ و ارفع مقصد کہیں بھی پایا نہیں جاتا۔ بالخصوص مغرب نے تعلیم کا مقصد تو بالکل ہی جدا سمجھ رکھا ہے وہاں حیوانیت اور بہیمیت کا کمال علم و تہذیب کا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اسی عام رو سے متاثر ہو کر آج مسلمان عورت بھی بے حجابی پر فریفتہ ہے حالانکہ اسے خبر نہیں۔ پردہ اس کا فطری حق ہے اسے بھی تہذیب و تمدن کی جھلک آزادانہ بازاروں میں گھومنے اور تھیٹروں میں جانے میں نظر آرہی ہے۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ یہی بداخلاقیوں کا پیش خیمہ اور اس کے جوہر عصمت کو بے حقیقت کر دینے کا پہلا قدم ہے۔ مسلمان عورت اپنی ہم جنس غیر مذہب والی عورتوں کے لئے ایک معلمہ ہے۔ جس کا فرض ہے کہ وہ عورتوں کو ان کی رفعت و منزلت سے آگاہ کرے نہ یہ کہ خود دنیا کی رو میں اپنی عظمت کو بھی خاک میں ملا وے۔

پس ضرورت ہے اس امر کی کہ مسلمان خواتین بجائے سینما کمپنیوں کے حالات دریافت کرنے اور فلم ایکٹریسوں کے کیفیات کی اطلاع حاصل کرنے کے۔ اپنے اسلاف کی زندگی کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان کی پیش روؤں نے اسلامی و مذہبی پابندیوں کے ساتھ دنیا میں کیسی کیسی علمی اخلاقی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں کہ جس کے باعث تاریخ اسلام میں آج بھی ان کا نام نامی سرفہرست موجود ہے۔ اور جب تک دنیا میں اسلام کا نام باقی ہے ان کا نام نامی بھی زندہ رہیگا۔ ان کی علمی نکتہ سنجیاں ثبات قومی اور استقلال جنگی خدمات آج بھی تاریخ اسلام کے ہر طالب علم کے لئے ایک قابل فخر موضوع بحث ہیں۔ خدا ہماری ماؤں اور بہنوں کو توفیق دے کہ وہ اس دور جہالت میں علم کے صحیح مقصد کو سمجھ کر اس کے حصول کی سعی کریں اور مذہب انسانیت کے حق سے ادا ہوں ــ

(الف)

محترمہ بیگم قیس شیخپوری

(۱)

پیاری عباسی ——— ! تم سے ملتی ہوی بمبئی پہنچی۔ بمبئی کا سرسبز شاداب پارک، لہلہاتا ہوا چمن، اور ساحل اپالو کی رونق کیا بتاؤں کہ کتنی دلچسپیاں پنہاں تھیں، لیکن افسوس ابھی اس نظارہ کا لطف اٹھانے بھی نہ پائی تھی کہ معلوم ہوا کل یہاں سے جہاز روانہ ہوجائے گا۔

سفر کی تیاری ہونے لگی، صبح کو جہاز روانہ ہوا۔

عباسی ——— ! تمہیں کیا بتاؤں؛ سمندر میں ایسی ایسی حیرت انگیز اور بظاہر ناقابل یقین چیزیں دیکھیں کہ اگر تمہیں لکھوں تو ہرگز ہرگز یقین نہ ہوگا، جہاز مصر کی طرف جارہا تھا، سمندر میں سکون تھا۔ لوگ خوش تھے کہ اچانک ایک دن طوفان رونما ہوا۔ بے پناہ متلاطم موجوں کے ساتھ جہاز اٹھنے بیٹھنے لگا، لوگوں کی حالت بُری تھی، کوئی دعائیں مانگنے لگا، کوئی سجدہ میں گرا تھا، اور کوئی آہ و بکا کے ساتھ مصروف ماتم تھا، سب ناامید ہوچکے تھے اس وقت ایک عجیب سماں تھا، خدا نہ کرے یہ وقت دشمن کو دیکھنا نصیب ہو۔ ۴۲ گھنٹے تک طوفان برابر بڑھتا رہا آندھی کے جھکڑ انتہائی تیزی اور شدت کے ساتھ چل رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنات اور شیطان آپس میں جنگ کر رہے ہیں۔ اس وقت اپنی عمر میں پہلی مرتبہ مجھے زندگی کی قدر ہوئی جہاز سب سے پہلے عدن میں لنگر انداز ہوا، عدن سے پھر جہاز چکر کاٹتا ہوا فلسطین پہونچا، بزرگوں کے مزارول کی زیارت کی، پھر وہاں سے شام، اور شام سے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں پہنچی جہاں سید الشہدؑ اور

امام المتقین کے مزار اب تک زائرین کو زہد و ورع کا سبق دے رہے ہیں۔ اس کے بعد اور اسلامی ممالک سے ہوتی ہوئی مصر کے دار الخلافہ قاہرہ میں پہنچی، وہاں کی رنگین نقش نگار دیکھکر ہندوستان اور تمام ممالک کی گلکاریاں ہیچ نظر آنے لگیں، وہاں کی شان و عظمت اور خوبصورتی دیکھکر ششدر رہ گئی۔ اگر یہ کہا جائے یہ ملک حوروں کی بستی ہے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی عمر کی لڑکیاں فرشتوں سے بڑھکر، جوان عورتیں حوروں سے زیادہ حسین مہ جبین معلوم ہوتی ہیں، یہاں کا عجائب خانہ قدیم زمانہ کی یادگاریں اور نئی نئی خوشنما چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں، تعریف جس قدر کی جائے کم ہے۔

عباسی ـــــــ! سفر کے واقعات اگر تفصیل کے ساتھ لکھنے بیٹھوں تو ایک دفتر کی ضرورت ہوگی اب کچھ یہاں کے طرز معاشرت کے بارے میں لکھنا چاہتی ہوں خوب غور سے پڑھو، اور ہندوستانی مردوں کے ظلم دیکھو۔

"لوگ کہتے ہیں کہ عورت گھر کی ملکہ ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مرد کیوں عورتوں پر ایسا ظلم کر رہے ہیں میری سمجھ سے بالکل بعید ہے کہ مکان کی چار دیواری کے اندر حبس دوام میں زندگی بسر کرنا کیا گھر کی ملکہ کی تعریف ہے، مصر اور غیر ممالک کے مرد عورتوں کی بہت عزت کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کی دلشکنی نہ ہو۔ وہ عورتوں کو باندی نہیں سمجھتے مصری خواتین اور اسلامی ممالک کی عورتیں بے تکلف گھروں سے باہر نکلتی ہیں، بازار سے سودا سلف خرید اکرتی ہیں۔ ہندوستان میں کوئی عورت برقع اوڑھکر بھی بازار میں نکلتی ہے تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ مردوں کی بڑی اخلاقی کمزوری ہے لیکن یہاں عورتیں کھلے بندوں پھرتی ہیں اور کوئی ان کی طرف التفات نہیں کرتا لوگوں کا ذریعہ معاشش زیادہ تر تجارت ہے۔

مجھے چند معزز خواتین سے ملنے کا اتفاق ہوا ان سے موجودہ طرز عمل پر خوب رائے زنی ہوئی، وہ بتاتی ہیں کہ ہندوستان کی عورتوں میں تعلیم نام کو نہیں اس پر طرّہ یہ کہ پردہ کا رواج بری طرح پھیلا ہوا ہے۔

ہندوستان میں جس قسم کا پردہ رائج ہے وہ کسی نقطۂ نگاہ سے درست نہیں، اور نہ اسے اسلام سے کوئی تعلق ہوگا، سوائے اس کے کہ مرد عورتوں پر سخت ظلم کر رہے ہیں، مجھے یقین ہے کہ خدا کے سامنے انہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

عباسی ——— : میں ان لوگوں کی گفتگو سن کر ششدر رہ گئی۔ میرا دماغ کچھ کام نہ کر سکا۔ لیکن جب میں خود غور کرتی ہوں کہ اگر جائز طور سے "پردہ" پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "پردہ" کی موجودہ صورت ہمارے لئے نہایت تباہ کن ہے، پردہ نے آج ہم پر اس قدر سکہ جما لیا ہے کہ وہ اس قابل بھی نہیں جو ریلوے اسٹیشنوں پر مردوں کی مدد کے بغیر چل سکیں، ساتھ ہی ساتھ تعلیم بالکل معدوم ہے اور یہ جہالت محض پردے نے پرورش کی ہے، برعکس اس کے غیر قوم کے لئے کس قدر مسرت بخش اور باعث فخر ہے کہ ان کی عورتیں اہم سے اہم مضامین لکھا کرتی ہیں اور تمام علوم و فنون پر کافی عبور رکھتی ہیں وہ بڑے بڑے محکموں میں کام کرتی ہیں جنگ میں بہادری کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتی ہیں مگر آہ ——— ! ایک ہماری عورتیں ہیں۔ جو چہار دیواری میں بیٹھی ہوئی "اے" "اوئی" کے سوا کچھ بھی نہیں جانتیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے میں کہتی ہوں کہ اس تباہی کا باعث وہ مرد ہیں جو عورتوں کو بالکل باندی بلکہ اس سے زیادہ پینے پیر کی جوتی کے برابر سمجھتے ہیں اور انہیں اب تک تاریکی میں رکھے ہوئے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں کا تعلیم حاصل کرنا بالکل بیکار ہے کچھ فائدہ نہیں۔ وہ اس لئے کہ مردوں کی طرح ان کو کہیں دفتر میں کام کرنا تو نہیں ہے، لیکن اس جہالت کا کیا حساب، تعلیم سے وہ بہت کچھ کر سکتی ہیں تعلیم ہی سے ان کے دماغ میں ایک قسم کی تازگی پیدا ہوگی، امور خانہ داری کے لئے اچھی بیوی ثابت ہوں گی، تعلیم ہی کے ذریعہ سے ان کو انشا پردازی کا شوق ہوگا جس کا اثر ان کے بچوں کے لئے مفید ہوگا کیونکہ عورتوں کا اصلی فرض آئندہ نسلوں کی اصلاح ہے ملک کے لئے مضبوط نسلوں کا بہم پہنچانا بالکل عورتوں کے اختیار میں ہے۔ تم دیکھتی ہو کہ مسلمانوں کے عزم و استقلال اور صحت و جسمانیت میں ایک بڑا

انقلاب آرہا ہے اس انقلاب کی ذمہ داری صرف مسلم خواتین پر ہے اس وقت مسلمان گھرانوں میں جس قدر بچے جنم لے رہے ہیں ان میں نہ کوئی شکسپیئر ہے اور نہ کوئی صلاح الدین اعظمؒ بلکہ ایک نیم مردہ نسل ہے جو آہستہ آہستہ زندگی کے میدان کی طرف حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہے یہ مظلوم بچے وراثتاً ماں کے پیٹ سے بہت سی بیماریاں لاتے ہیں اور اپنی بیماریوں کے باعث زندگی کے نہایت ہی تلخ سانس پورے کرکے رخصت ہو جاتے ہیں، اس وقت اموات اطفال کی تعداد بہ نسبت اور ملکوں کے بہت زیادہ ہے ہندوستان میں ہر سال لاکھوں ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں جو کسی طرح زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے، مرے ہوئے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا ہوکر مرجاتے ہیں اس مصیبت کی سب سے بڑی وجہ ہندوستانی خواتین کی کمزوری ہے جس کا باعث محض پردہ ہے دنیا کا کوئی شخص محنت کار دیا ورزش، سیر و سیاحت اور ہوا خوری کے بغیر اپنی صحت کو قایم نہیں رکھ سکتا، اگر آج رستم کو زندہ کرکے مسلمان عورتوں کی طرح گھر کی چہار دیواری میں اسی طرح قید کر دیا جائے تو وہ چھ ماہ تک بھی اپنے جسم کی تازگی اور خون کی سرخی کو قایم نہیں رکھ سکے گا ۔ لیکن جو عورتیں صدیوں سے نسلاً بعد نسل قید تنہائی میں اسیر ہیں اور ان کے سامنے کوئی ایسی صورت موجود نہیں ہے جو ان کی فطرت میں تازگی ان کے دلوں میں وسعت و سرور اور ان کے دماغوں میں نزہت و شادابی پیدا کرسکے ۔ جب تک مسلمان عورتوں کو جہالت و تنگ نظری، غفلت و تن آسانی اور اس پردہ کی بری رسم کو نکال کر علم تہذیب محنت و مشقت اور کھلی آب و ہوا سے آشنا نہ کیا جائے گا وہ کبھی ملک و ملت کے لئے پاکباز، راست کیش غیور، بلند ہمت، صحتور، اور وجیہہ جوان مہیا نہ کرسکیں گی ۔

اگر عورتوں کی تعلیم و تربیت، اصلاح و تہذیب اور صحت کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تو کمزور سے کمزور نسلیں پیدا ہوں گی، اور خدا کی مقدس سرزمین کم ہمتی، بداخلاقی اور بد اطواری سے لبریز ہو جائیگی ضرورت ہے کہ ہم ان خطرات کا احساس کریں اور بلا پس و پیش اپنے حلقہ اثر میں عورتوں کی اصلاح

کی طرف متوجہ ہوں اب یہ خط ختم کرتی ہوں امید ہے کہ تم بھی اس رواج کے بت کو توڑ کر اور جہالت کے پردہ کو چاک کر کے ترقی کی راہ پر گامزن ہوگی، باقی خیریت ہے تم لوگوں کے لئے دل بہت اداس ہے، میری اچھی اختری کو دعا، نجمہ کو گلے لگا کر پیار کر لو۔ عجب بہن وہ ہمیں بھول گئی ہو۔ .... زیادہ دعا۔ تمھاری شمیم

کیجئے مشقِ ستم، ہاں بندہ پرور کیجئے
کب میں کہتا ہوں کہ سمجھیں رحم کے قابل مجھے

پیر کر پہنچوں وہاں تک آہ یہ ممکن نہیں
تک رہا ہوں یاس سے ساحل کو میں ساحل مجھے

مل چکا اوروں کو جب رنج والم روزِ ازل
تب بڑے الطاف سے بخشا گیا یہ دل مجھے

پھونک دے ہستی مری اے سوزِ الفت پھونک دے
ناامیدی اُن سے اب کرنے لگی غافل مجھے

پاؤں تھک جائیں تو سر کے بل لئے جائیگا شوق
کیا ڈرا سکتی ہے اختر دورئ منزل مجھے

اختر قریشی

از

محترمہ بیگم عباس علیخان بیخود ایم اے

(۲)

بہن شمیم کل کی ڈاک سے تمہارا خط آیا، بجمہ کے ابّا نے اندر بھیجدیا۔ بھلا خط کاہے کو تھا شیطان کی آنت تھا۔ مگر تمہارا خط وہ بھی مصر سے دل بیچین ہو گیا تمام کام چھوڑ کے پڑھنے بیٹھی، شروع سے اخیر تک پڑھ ڈالا، لیکن وہی پرانی رٹ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے، نئی جگہ، نئے لوگ، نئی ملاقاتیں، کوئی نئی باتیں لکھتیں، لیکن تمہیں تو ضد ہے کہ مجھے چھیڑو، تم کو اور بھائی جان کو میرے چھیڑنے میں ایک خاص لطف ملتا ہے، حالانکہ ہمیشہ منہ کی کھاتی ہو، مگر نا بہن اب کے تمہارا رویہ ناصحانہ ہے اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو میرا گمان کیا یقین ہے کہ اب کے ہندوستان کو لوٹنے کے بعد اپنی لیڈری کا اعلان کرو گی، اور اصلاح خواتین کے پردے میں ہمارے سکون اور چین کی دنیا کو تاراج کرنا شروع کرو گی، اس لئے میں تمہیں لکھتی ہوں، خدا کے لئے غور کرو، اگر تم نہیں بدل سکتیں تو کم از کم للّٰہ ہماری غریب بہنوں کے اطمینان کی دنیا کو ہنگامہ سے بدلنے کی کوشش نہ کرو۔

پردے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے صحت صحت جو تم پکارتی ہو، اس کو پردے سے واسطہ؟ یہ صحت آب وہوا اور غذا پر منحصر ہے، افغانستان کی عورتیں پردہ میں رہکر بھی بنگال کی آزاد عورتوں سے زیادہ قوی اولاد پیدا کر سکتی ہیں، سو عام طور پر ہندوستان کی آب وہوا اچھی ہے پردہ نشین خواتین کی اولاد بھی ایسے گرانڈیل، خوشرو، اور طاقتور ہوتے ہیں کہ بس دیکھا کیجئے، کیا تم نے چند ہی

دن قبل اخباروں میں نہیں پڑھا کیا وہ ہندوستانی ماں کا لعل نہ تھا جس نے زبسکو جیسے نامی گرامی پہلوان کو پچھاڑ میں نیچا دکھایا ۔ دوسری بات یہ کہ ہندوستان غریب ملک ہے لوگوں کو پیٹ بھر کھانا میسر نہیں آتا ۔ تن ڈھانکنے کو کپڑا نہیں ملتا ، اتنا بوتہ نہیں کہ صفائی کا انتظام کر سکیں ، ہوادار مکانوں میں رہیں ایسی حالت میں صحت اچھی رہے تو تعجب ہے جن کو خدا نے کھاتا پیتا بنایا ہے وہ ادری بنی ہوتی ہیں گو لر تلے کی مرنے والیاں ہیں ، ہل کر پانی تک نہیں پیا جاتا ، اس پر دیر ہضم ثقیل غذائیں تحلیل ہوں تو کیونکر لیکن تم تو کہو گی کہ سارا فساد پردے ہی کا ہے بہن !

یہ سکھ روگ امیروں میں عام ہے اس سے غرض نہیں کہ وہ پردے میں رہتی ہوں یا بے پردہ میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ تم سے ملنے والی عورتیں جو بے پردہ رہتی ہیں ، اگر اپنے چہرے سے غازے اور ہونٹوں سے مصنوعی سرخی دور کر دیں تو ان کے چہرے تمہیں پردہ نشینوں کے مریض چہروں سے کہیں زیادہ بھیانک معلوم ہوں گے دور کیوں جاؤ آخر تم بھی تو آزاد ہو ، ذرا اپنی طرف دیکھو اور میری حالت سے مقابلہ کرو ۔ بہن اب بھی اگر تم اپنی بات پر اڑی رہو تو ہٹ دھرمی ہے ۔

تعلیم کی جو پوچھتی ہو تو اس میں بھی پردہ حائل نہیں ، اگر چاہو تو ہر طرح تعلیم حاصل کر سکتی ہو اصل تو عورتوں کی تعلیم جداگانہ ہونی چاہیئے کیونکہ ان کی ضروریات مردوں کی ضروریات سے بالکل الگ ہیں اس پر بھی اگر یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنی ہیں تو ان کا بھی انتظام ہے ، پردہ میں رہکر ہماری بہتیری بہنوں نے ڈگریاں حاصل کی ہیں ، اب کہو گی کلاس میں حاضری کس طرح ہو ، تو میں کہتی ہوں ، کہ حاضری ہی کیا ضرور ہے کتابیں میسر ہیں تو مطالعہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے ، ہاں کسی فن میں نمایاں قابلیت حاصل کرنے کو کہو تو یہ کسی قانون کے ماتحت نہیں ، فطرت بعض لوگوں کو منتخب کر کے ایک خاص دماغ ودیعت کرتی ہے اور وہ خواہ کسی ماحول میں ہوں اپنا جوہر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے جتنے لوگ آسمان ترقی پر ستارے نہیں بلکہ سیارے بنکر چمکے ہیں ، ان میں اکثر محض معمولی ، غریب اور جاہل خاندانوں سے تعلق

ہ گاما پہلوان

رکھتے تھے ان کے نام کے ساتھ یونیورسٹی کا کوئی دم چھلا نہ تھا، وہ یونیورسٹیوں کے نہیں، یونیورسٹیاں ان کی محتاج ہیں آج ان کی تصانیف پڑھنے اور ان کے کلام کے سمجھنے کی قابلیت پیدا کرنے پر یونیورسٹیوں سے ڈگریاں اور تمغے ملتے ہیں، تم نے شکسپیر کا نام لیا ہے، اسی کو دیکھو، کس روشن خیال ماں کی گود میں پرورش پائی، کس یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی، لیکن آج وہی شکسپیر ہے جس کو پڑھکر اور جس کی تصانیف پر مضامین لکھکر لوگ اعزاز حاصل کر رہے ہیں، آج بھی ہندوستان کی پردہ نشین تمہارے قول کے مطابق جاہل اجڈ، غیر مہذب مائیں ایسے فرزند پیدا کر رہی ہیں جن کے ایسے فرزندوں کی یورپ کی آزاد اور مہذب اور تعلیم یافتہ خواتین کو آرزو ہے۔

حالی۔ شبلی، آزاد، سرسید، اقبال اور محمد علی وغیرہ جیسے سپوتوں کو جن پر ہندوستان کو بجا ناز ہے اور رہے گا، انھیں پردہ نشینوں نے نہیں جنا؟ جب ان ماؤں کے لئے اپنے بچوں کی تربیت کی راہ میں پردہ رکاوٹ ثابت نہیں ہوا تو اب کیوں؟ پھر بھی تم کہو گی کہ پردہ ہی ہماری ترقی کی راہ میں حایل ہے۔

خیر اور لوگوں کو جانے دو تمام بوڑھے پاگل ہو گئے ہیں ان کا دماغ کھسک گیا ہے۔ بھیجا خراب ہو گیا ہے، ہمارے آباو اجداد اس نسل جدید کے نقطۂ نگاہ کے مطابق غیر مہذب تھے، لیکن سرسید کو تم کیا کہو گی جنھوں نے عورتوں کی تعلیم کے لئے وہی پرانا طریقہ بہتر سمجھا اور کسی کالج یا اسکول کی فکر نہیں کی، بہن، مرحوم جانتے تھے کہ عورتوں کی ذمہ داریاں کچھ اور ہیں۔

آج کل جو تقسیم عمل پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے وہ "ہر کسے را بھر کارے ساختند" کی تشریح نہیں تو کیا ہے، پھر بزرگوں نے مرد عورت کے درمیان جو تقسیم عمل کیا ہے اس میں کون سی برائی ہے کہ کیڑے ڈالے جا رہے ہیں؟ اور کیا ضرورت ہے کہ مردوں اور عورتوں کو ایک طرح کی تعلیم دی جائے جبکہ دونوں کی ذمہ داریاں علیحدہ ہیں۔

بہن شمیم! میری تعلیم بھی نئے اصول پر اسکول میں ہوئی۔ ایک زمانہ تھا کہ آزادی نسواں کی سموم ہوائیں میرے دماغ میں بھی چکر لگا رہی تھیں، لیکن خدا بھلا کرے پھوپی اماں کا کہ ان کی سختی نے مجھے بچا لیا، گو اس وقت ان کی باتیں ناگوار گزرتی تھیں اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سختیاں میرے لئے رحمت تھیں۔ ہاں تو میں بھی مردوں کو ظالم، سفاک اور خود غرض سمجھا کرتی تھی، لیکن بہن ایسا نہیں ہے آؤ تمہیں ایک واقعہ سناؤں جو باوجود معمولی ہونے کے میرے خیالات میں انقلاب کا باعث ہوا ہے، میرے خلیرے بھائی سمیع کی شادی تھی ہم لوگوں کو شریک ہونا ضروری تھا، ریل کا سفر چلنے کو تو چلے لیکن اسٹیشن پر وہ پریشانی ہوئی کہ خدا کی پناہ، بی بیوں کے قدم نہیں اٹھتے پاؤں من من بھر کے ہوئے جاتے ہیں، پیروں سے جوتیاں نکلی پڑتی ہیں۔ اس وقت بیچارے ابّا جان کی حالت قابل رحم تھی، ہاتھ میں پان کی پٹاری، گود میں حمید کبھی دوڑ کر قلی کو روکتے ہیں کبھی پیچھے آکر جلدی چلنے کی تاکید کرتے ہیں خدا خدا کرکے کسی طرح ریل میں سوار ہوئے تو آپ بستر درست کر رہے ہیں پانی کے لئے دوڑ رہے ہیں غرض ان کی جان عذاب میں تھی اور صرف ہمارے لئے اس کا مجھ پر بڑا اثر ہوا، ایسے مردوں کو جو ہم عورتوں کے لئے اپنے آرام کو آرام نہیں سمجھتے اور مفت کی پریشانیاں مول لیتے ہیں، ظالم کہنا احسان فراموشی نہیں تو کیا ہے۔

بہن جس کو تم آزادی سمجھ رہی ہو وہ آزادی نہیں غلامی ہے، وہ مرد جو آزادی نسواں پر زور دے رہے ہیں، وہ عورتوں کی پابندی کا پھندا اپنے گلے سے نکال کر انھیں غلام بنانا چاہتے ہیں۔ کیا آج یورپ کی لڑکیوں کو سن بلوغ پر پہونچ جانے کے بعد مجبور نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنی روزی آپ حاصل کریں اور خاندان کی مدد کریں اس کا اخلاقی نتیجہ جو ظاہر ہو رہا ہے وہ تمہارے سامنے ہے بیان کی حاجت نہیں ہمارے یہاں لڑکیوں کی پرورش، شادی بیاہ اور غور و پرداخت میں جتنی زحمتیں ہیں پوشیدہ نہیں، ہر شخص جس کے گھر میں لڑکی ہے جب تک اس کا انتظام نہ کر لے چین نہیں پاتا۔ بہت سے مردان ذمہ داریوں سے اکتا گئے ہیں۔ اور اس سے سبکدوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو آزادی نسواں کے

حامی بنے ہیں، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ہمارے مردوں نے ہم کو کھلونا بنا رکھا ہے، یہ بھی ماننا پڑیگا کہ وہ اس کھلونے کی حفاظت بھی اپنا فرض جانتے ہیں، لیکن آزادی نسواں کے حامی مرد ایک ایسا کھلونا بنانا چاہتے ہیں جس سے وہ کھیل سکیں لیکن اس کی حفاظت کی ذمہ داریوں سے الگ رہیں چنانچہ یورپ میں آزادی نسواں زوروں پر ہے نکاح ایک لفظ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے اس کے کیا یہ معنی ہیں کہ مرد عورتوں سے لذت یاب ہونے کو تو تیار ہیں لیکن ان کی تلخیوں کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتے، وہ عورت کی جوانی کے خریدار ہیں، لیکن اس کے بڑھاپے کے ذمہ دار نہیں، ارے بوڑھاپا تو بڑھاپا انہیں تو ہمارے بچوں کی پرورش تک گوارا نہیں اور تہذیب کے نام سے ایسی دوائیں ایجاد کی ہیں کہ اولاد پیدا کرنے کی زحمت سے چھٹکارا مل جائے چلو چھٹی ہوئی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔

بہن شمیم! میں تمہیں الزام نہیں دیتی خدا برا کرے غلامی کا کہ آزادی کی ہر ادا بھلی معلوم ہوتی ہے اور حاکم کا عیب بھی ہنر دکھائی دیتا ہے اس میں ہم کیا ہمارے مرد زیادہ گرفتار ہیں، لیکن تم سے استدعا کرتی ہوں خدا کے لئے سوچو اور اگر نہیں سوجھتی تو ان زرق برق لباس، گلگونہ اور لونڈر والی عورتوں سے کلب میں نہیں ان کے گھروں پر ملو ۔ ان کی خانگی زندگی کا نزدیک سے مطالعہ کرو تو تم کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہے ۔

بات میں بات نکلتی چلی گئی اور وقت نہ معلوم کدھر گیا اب چار بج رہے ہیں نجمہ کے ابا کے لئے چائے تیار کرنی ہے ۔ اس وجہ سے خط ختم کرتی ہوں، تمہیں قسم ہے اپنا حال برابر لکھتی رہو ۔ نجمہ اور اختری سلام کہتی ہیں ۔ خدا کرے تم اس سفر سے خوش خوش واپس ہو ۔

تمہاری ۔ عباسی (ن ۔ خ لاہور)

غزل

بندشیں ٹوٹیں گی پیدا ہو جو نہی ذوق عمل
جو نکالیں قید سے وہ بال و پر پیدا تو کر

لطف تو جب ہے کہ قلب سنگ سے ٹپکے لہو
نالہ و شیون میں بلبل وہ اثر پیدا تو کر

ذرہ ذرہ میں نظر آجائے جلوہ یار کا۔
دیکھنے کے واسطے پہلے نظر پیدا تو کر

میں جہاں رکھدوں جبیں کعبہ کھنچا آئے وہیں
اپنے سجدوں میں بھی زاہد یہ اثر پیدا تو کر

آرزو جب ہے فنا فی العشق کی اختر تجھے
حضرتِ منصور سا قلب و جگر پیدا تو کر

(اختر قریشی)

صنف نازک کا دوسرا رُخ

از

محترمہ مسز ظہیر الدین احمد مختار (مرزاپور)

لوگ کہتے ہیں کہ عورت ایک نور ہے جس کی ضیا رکائنات کے چپہ چپہ کو روشن اور سطح زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کر رہی ہے، وہ دنیائے حسن کی ملکہ ہے جس کے جمال لازوال کی شعاعیں اس کے جسم نرم و نازک جسم سے نکل کر اور باریک کپڑے میں سے چھن چھن کر چاروں طرف پھیلتی ہیں، وہ گلشن حسن کا ایک پھول ہے جس کے سرخ و نازک رخسار گلاب کی پنکھڑیوں سے بھی زیادہ ملیح اور دلکش ہیں، اس کی مخمور غزالی آنکھیں کسی اہل دل کو اپنی جانب کھینچنے کے لئے مقناطیس سے بھی کہیں زیادہ تیز اثر

رکھتی ہیں، اس کی شیریں بیانی اور خوش کلامی میں وہ رس اور چاشنی ہے جو شاید دنیا کی میٹھی سے میٹھی اور شیریں سے شیریں چیز کو بھی میسر نہیں، وہ رحم کی ملکہ اور کرم کی دیوی ہے اس کے دل میں محبت کا دریا موجیں مارتا ہے اور ہمدردی کی لہریں اٹھ اٹھ کر آرزومندان محبت سے ہمکنار و ہم آغوش ہوتی ہیں۔

اے سیدھے سادھے اور بھولے بھالے مردو! تم عورتوں کی جفاؤں اور سحرکاریوں سے ابھی ناواقف ہو۔ یہ تمہاری نازک خیالی اور بلند پروازی کا نتیجہ ہے، نہیں نہیں بلکہ تمہاری معصومیت و مسکینیت کا تقاضا ہے جو تم عورتوں کی اس درجہ تعریف و تحسین کرتے ہیں ذرا غور کرو اور چشم بینا سے کام لو تو یہ سیاہ پردہ جو عورتوں نے اپنے نسائی جادو سے تمہارے فہم و ادراک پر ڈال رکھا ہے فوراً اٹھ جائے گا اور تم اس کی ماہیت سے بخوبی واقف ہو جاؤ گے۔

تمہارا خیال کہ عورت ایک نور ہے یا باغ حسن کا ایک پھول ہے غلط اور سراسر غلط، سنو! مجھ سے سنو! میں تم سے ہمدردی رکھتی ہوں اور ایک زبردست ایثار کے بعد تم کو عورتوں کی اصلیت سے واقف کرتی ہوں۔ اچھا سنو!!!

عورت نور نہیں بلکہ نار ہے اور اپنی شعلہ مزاجی سے تمام مردوں کے معصوم دلوں پر آگ برسا کر ان کو خاک سیاہ کر دیتی ہے اس کی آنکھوں میں مستی یا خمار نہیں بلکہ زہر کے بجھائے ہوئے تیر ہیں جن کے ذریعہ سے وہ مردوں کے بے گناہ اور بے لوث دلوں کا نشانہ بناتی ہے اور ان کو ماہی بے آب کی طرح تڑپا تڑپا کر فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے اس کی سیاہ سیاہ زلفیں جو ظاہرہ اس کے رخ روشن پر اس طرح حلقہ کئے ہوتی ہیں جیسے کالی گھٹا چودھویں رات کے چاند کو حلقہ کئے ہو، حقیقت میں یہ نسائی جال ہے اس کا حسن صبیح، اس کی ادائے دلکش اس کی آواز نغمہ سنج اور اس کی گفتگوئے راحت فضا یہ سب دھوکہ اور فریب ہیں حقیقت میں یہ سب اس کے حربے و ہتھیار ہیں جن کے ذریعہ سے وہ مردوں کے مضبوط سے مضبوط اور مستحکم سے مستحکم قلعۂ دل کو بھی ڈھا کر سپرد خاک کر دیتی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۹)

۲۵

منشی فاضل - ایم اے - ایس بی، ایم آر اے ایس (لندن)

اکتوبر ۱۹۱۰ء کی پہلی رات کے گیارہ بجے ایک اٹھارہ سالہ دوشیزہ مردانہ لباس پہنے اور خرمائی رنگ کے
کے لامبے لامبے بالوں کو لمبی ٹوپی میں چھپائے مردانہ انداز سے ایک خانہ باغ کے کٹہرے کے پاس جو پرتگال کے
پایۂ تخت لیس بن کے قصر شاہی کے شمال میں واقع ہے کھڑی ہوی ہے۔ یہ کٹہرہ تقریباً ایک میٹر سے زیادہ نہیں
ہے روشنی کی مدہم شعاعیں اس پر پڑ رہی ہیں۔ لڑکی اس آدھی رات کی تاریکی اور سکون میں یہ کوشش
کرتی ہے کہ فولادی سیخوں سے گزر کر ریشمی پردوں تک پہونچ جائے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ تک اسی طرح کھڑی
ہوئی گفتگو سنتی رہی، مگر درختوں کے نیچے کسی کے چلنے کی آواز سنکر ہٹ گئی اور ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرنے لگی۔
وہ جس قدر تیزی سے دوڑ رہی تھی اس کا تعاقب بھی اسی تیزی کے ساتھ پیچھا کر رہا تھا وہ ابھی باغ سے باہر
بھی نہ ہوئی تھی کہ اس نے جا لیا۔

تعجب اس پر ہے کہ نہ تو اس نے شدتِ وحشت میں زبان ہلانے کی کوشش کی اور نہ اس کے پکڑنیوالے نے۔
ایک اور شخص نے آکر باغ کا چوردروازہ کھول دیا اور تعاقب کرنے والے نے اپنی گرفتار کو آغوش میں لے کر
موٹر پر سوار کرا دینا چاہا جو وہاں سے بیس قدم کے فاصلہ پر کھڑی ہوئی تھی۔

یہ تمام باتیں تین منٹ میں ختم ہوگئیں اور کسی نے ایک لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ مگر دوشیزہ نے اپنے پاؤں
زمین پر ٹیک کر موٹر میں سوار ہونے سے انکار کر دیا تو ان دونوں میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی سے
انگریزی میں کہا۔

——— میں نہیں سمجھتا کہ وہی ہے -

دوشیزہ نے مردانہ آواز میں کہا -

——— حضرات مجھے چھوڑ دیجئے آپ کو مغالطہ ہوا ہے -

دوسرے نے پرتگالی میں جواب دیا،

——— لاحول ولا ہمارا مقصد صرف چند اطلاعات حاصل کرنا ہے بہتر یہ ہے کہ ہمارے ساتھ چلے چلیے -

——— کہاں ؟

——— شہر سے باہر کسی گوشۂ عافیت میں -

——— کیوں ؟

——— معلوم ہو جائے گا !

اُسے زبردستی موٹر پر سوار کر دیا گیا اور موٹر روانہ ہو گئی -

تھوڑی ہی دیر میں شہر کے آخری مکانات بھی گزر گئے اور صنوبر کے جھنڈ میں موٹر کھڑی ہو گئی -

ان دونوں میں سے ایک نے انگریزی میں کہا،

اس ہاتھ کی نرمی اور نزاکت شک پیدا کر رہی ہے موسیو ارمنڈ !

ارمنڈ نے جواب دیا -

——— ہاں موسیو شکسپیر - مجھے بھی یہی شبہ ہو رہا ہے چراغ جلاؤ تو صورت بھی دیکھ لیں -

شکسپیر نے موٹر کی قندیل جلا کر دوشیزہ پر روشنی ڈالی جو اپنے ہاتھوں سے منہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی -

ارمنڈ نے اُس کے ساعدِ سیمیں کو پیچھے کی طرف کھینچ لیا اور جب ان دونوں کی نظریں چہرے پر پڑیں تو حیرت سے چیخ اٹھے -

——— آہ کیا حسن ہے -

شکیپیر نے چراغ بجھا کر پرتگالی میں پوچھا۔

——— تم کون ہو؟

دوشیزہ نے نہایت ہی جرأت سے جواب دیا۔

——— مین آدمی ہون تم کون ہو تم نے میری آزادی کیون سلب کی مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔

پہلے تم اپنا تعارف کراؤ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ تم آدھی رات کے وقت اس باغیچہ میں کیا کر رہے تھے؟

——— تم میرے جسم کو گرفتار رکھ سکتے ہو مگر میری طبیعت پر جبر نہیں کر سکتے اور نہ مجھے اپنے سوالات کی جوابدہی کے لئے مجبور کر سکتے ہو مجھ سے ہاتھ اٹھالو اور یہ کہو کہ تم کون ہو اور مجھے یہاں کیون لائے ہو؟

——— جب ہم نے آدھی رات کے وقت چوروں کی طرح کٹہرہ کے پاس تمہیں جاسوسی کرتے پایا تو گرفتار کر لیا تمہاری خاموشی ہمارے شک کو یقین تک پہنچا رہی تھی کیونکہ اگر تم کسی برے خیال سے وہاں نہ ٹھہرے ہوتے تو اپنے آپ کو چپ چاپ گرفتار نہ کرا دیتے۔

——— تم لٹیرے یا ڈاکو نہ ہوتے تو جس وقت تم نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ مین وہ نہیں ہوں جس کی تمہیں تلاش تھی تو مجھے چھوڑ دیتے اور معافی مانگتے!

——— تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ ہم کسی کی تلاش میں تھے؟

——— مین علم غیب نہیں جانتا مگر یہ تو کہو تم کس کی تلاش میں ہو؟

——— تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم تمہاری تلاش میں نہ تھے؟

——— یہ تو تم خود ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

(۲)

یہاں لوگوں نے دو منٹ تک خاموشی اختیار کی اور پھر ارمنڈ نے اس دوشیزہ سے پوچھا۔

——— کیا تم کسی گارسیا نامی سے واقف ہو؟

—— دوشیزہ اس نام کو سنتے ہی چونک گئی اور بھڑک کر کہنے لگی۔

آہ شاہ چارلس اور ولی عہد کی قاتلہ کو کہتے ہو!

—— ہاں گارسیہ انارشی۔

—— میں اسے صرف نام سے پہنچانتا ہوں قاعدہ کی رو سے تو اسے لندن میں رہنا چاہیے کیونکہ وہ انارشیوں

کا مرکز ہے۔

—— مگر ہم تمہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ وہ لیس بن میں ہے۔

دوشیزہ نے اضطراب کے ساتھ پوچھا،

—— آہ گارسیا یہاں ہے؟

—— اچھا ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مکان جس میں گا۔ سیا داخل ہوئی کس کا ہے؟

—— میرا خیال ہے کہ وہ کسی فوجی عہدہ دار کا مکان ہے!

—— کیا تم اس عہدہ دار کو پہچانتے ہو اور جانتے ہو کہ وہ کس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے؟

—— اچھی طرح نہیں پہچانتا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہیکہ وہ جمہوریت پسند ہے۔

—— ہاں تو پھر گارسیا کا داخلہ اس جگہ دوست صادق کی حیثیت سے ہوا ہے نہ کہ جاسوس کی۔

—— ہاں اگر گارسیا لیس بن میں ہے تو خدا . . . . رحم کرے۔

ارمنڈ کہنے لگا۔

—— خدا بادشاہ پر رحم کرے کیا تم یہی کہنا چاہتے تھے؟ ۔

—— آہ تمہیں انصاف سے کہو کہ بادشاہ کی اس جوانی پر کس کو رحم نہ آئے گا۔

—— یہ تو کہو کہ تم جمہوریت پسند ہو یا بادشاہ پسند؟

—— مگر میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پرتگال کی یا سیاست تمہارے لئے عجیب کہ تم انگریز ہو کیا

اہمیت رکھتی ہے اور ان دونوں سیاسی فرقوں میں سے تمہارا رجحان کس کی طرف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم نہایت ہی آزادی سے جواب دو کیونکہ گارسیا کا تعاقب کرنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ تم میرے ہم خیال ہو؟ شکسپیر کہنے لگا۔

—— اگر تم شہنشاہیت پسند ہو تو ہم بھی تمہارے ہم خیال اور ہم مسلک ہو سکتے ہیں۔

دوشیزہ یہ سن کر خوش ہو گئی اور ہنس کر کہنے لگی،

—— مجھے اجازت دو کہ میں اتحاد مسلک کی وجہ سے تم سے دوستانہ معانقہ کروں۔

ہاں تم نے مجھے بادشاہت پسند سمجھنے میں غلطی نہیں کی اگر تم یہ جانتے ہو کہ گارسیا یہاں ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ بادشاہ کو قتل کرنے کے سوا کسی اور کام کے لئے نہیں آئی ہے تم نے اس کا تعاقب کس لئے شروع کیا ہے؟

—— جب ہم نے اسے لندن سے چلتے دیکھا تو بادشاہ کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے خود بھی نکل پڑے خوش قسمتی سے اس کا ساتھ ہو گیا اور اسی ٹرین میں جگہ ملی جس میں کہ وہ آ رہی تھی مگر تم حقیقت میں شاہ پرست ہو تو مجھے اس قصر کے واقعات کی اطلاع دو جس میں گارسیا داخل ہوئی تم نے وہاں کیا دیکھا اور کیا سنا؟

—— اس وقت جمہوریت پسند امراء وہاں جمع ہیں اور موجودہ حکومت کو توڑنے اور جمہوریت قایم کرنے کے متعلق تدابیر سوچ رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ تم نے مجھے کچھ سننے نہیں دیا۔

—— کیا تم خفیہ پولس کے جاسوس ہو جو اس تاریک اور سرد رات میں یہ مصیبت اٹھا رہے ہو؟

—— میں اپنی طبیعت اور ارادہ کے وجہ سے جاسوسی کر رہا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کیا تصفیہ کرتے ہیں اور بادشاہ کے لئے کیا حکم ہوتا ہے۔

—— کیا تم نے کچھ معلوم بھی کیا؟

—— ہاں اس موضوع پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی بعض اس کو قتل کرنے کے موئد تھے اور بعض اس کے

گرفتار کرنے کے محرک ایک دو آدمی یہ بھی چاہتے تھے کہ اسے فرار ہونے کی مہلت دی جائے۔ اس سے قبل کہ نتیجہ معلوم ہو تم نے مجھے آلیا اب تم کہو کہ تم بادشاہ کی نجات کے لئے کیوں کھڑے ہوئے ہو؟

—— اس واسطے کہ ہم گارسیا کے تعاقب اور گرفتاری کے لئے مامور کئے گئے ہیں اگر ہم اپنے فرائض کو انجام دیں تو بادشاہ کو بھی نجات مل سکتی ہے۔

دوشیزہ نے ان کے ہاتھ شکریہ کے طور پر دبا کر کہا۔

—— اب جب کہ ہمارا مقصد ایک ہی ہے تو یہ بھی کہدو کہ تمہیں کس محترم ہستی نے اس کام کے لئے مامور کیا ہے؟

—— اسکا محرک کون ہے معلوم نہیں مگر لندن کی پولس کے افسر اعلیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ گارسیا کی نگرانی اور تعاقب کریں ہم نے خیابانِ سوہو میں اسے جالیا اور عازم پرتگال دیکھکر ساتھ ہو گئے ہمارا ارادہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو اس کو گرفتار کر کے حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ کیفر کردار کو پہونچ سکے۔

—— میں اس عنایت کے لئے تمہارا اور تمہاری حکومت کا شکر گزار ہوں کہ اگر تمہاری اور گورنمنٹ کی دوراندیشی کام نہ کرتی تو کسی پرتگالی کو بھی یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ گارسیا یہاں آئی ہوئی ہے مگر اس اثنا میں جمہوریت پسند کامیاب ہو جائیں اور تم اس کو گرفتار کر لو تو وہ کس کے حوالہ کی جائے گی کیونکہ اس وقت حکومت اس کی معاون اور حامی رہیگی اور گارسیا ان کی ہم خیال ہوگی۔

—— ایسی صورت میں ہم صرف بادشاہ کی نجات کی کوشش کریں گے۔

دوشیزہ نے تھوڑی دیر سوچکر کہا۔

—— میں تمہاری مہربانیوں کا شکریہ ادا کر کے اطمینان دلاتی ہوں کہ تم چاہو تو اس سے بھی زیادہ کر سکتے ہو۔

—— کیا کر سکتے ہیں؟

—— اگر مجھ سے وعدہ کر لو تو میں تمہیں وقت پر اطلاع دوں گی کہ کیا کرنا چاہیئے تم کہاں ٹھیرے ہوئے ہو؟

——— ہوٹل کنٹی نان تال میں۔

——— کس نام سے؟

——— ارمنڈ اور شکسپیر کے نام سے۔

——— بہت خوب اب اجازت دیجئے پھر ملاقات ہوگی۔

——— موٹر ہی پر چلیئے۔

جس وقت دوشیزہ موٹر سے اتر گئی اور آگے جانے لگی تو ارمنڈ یہ کہتا ہوا کہ میں اس کا تعاقب۔۔۔ب۔

موٹر سے اتر کر اس کے پیچھے روانہ ہوگیا اور صبح ہوٹل واپس ہو کر شکسپیر کو رپورٹ دی۔

——— میں جب اس کے پیچھے گیا تو وہ ایک عالیشان عمارت میں داخل ہوگیا میں نے پولس سے دریافت

کیا تو معلوم ہوا کہ وہ قصر جنرل ڈلفاسٹے کا ہے۔

شکسپیر نے یہ سنکر ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

——— آہ ہم دھوکا کھا گئے

——— کیا کہا؟

——— یہی کہ جنرل جمہوریت پسند دلکا لیڈر ہے اگر یہ لڑکا اس کا بیٹا نہ ہو تو اس کا کوئی عزیز ضرور ہے۔

ہمارے خیالات جنرل تک ضرور پہونچا دیگا بہتر یہ ہے کہ جس قدر جلد ہوسکے ہم کسی دوسری ہوٹل میں منتقل ہوجائیں

اور نام بدل کر رہیں ورنہ جمہوریت پسند گرفتار کر لینگے۔

——— تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ جنرل جمہوریت پسند ہے۔

——— ابھی ہوٹل کے ایک نوکر سے سیاسیاتِ پرتگال پر گفتگو کر چکا ہوں میں نے جمہوری لیڈروں کو پوچھا

تو اس نے چند نام گنائے جن میں ایک جنرل بھی تھا۔ ہمیں فوراً ہوٹل میڈویال میں منتقل ہوجانا چاہیئے۔

---

(۳)

قصر میں صرف وہی کمرہ روشن ہے جس کے پاس وہ دوشیزہ کھڑی ہوئی تھی۔

آٹھ آدمی نصف دائرہ کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں بیچ میں ایک گول میز رکھی ہوئی ہے۔

ان میں سے ایک نے کہا حضرات آج کا ڈاکٹر بمبارڈو کا قتل ہماری شورش کے لئے بہترین ہے کیونکہ پبلک اور خصوصاً ہماری جماعت کے لوگ اس قتل کے واقعہ کی وجہ سے مبتلائے ہیجان ہیں اگر اس آگ کو بھڑکایا جائے اور انھیں دعوتِ شورش دی جائے تو بہت کامیابی ہوگی۔

دوسرے نے کہا کیا پبلک سمجھ چکی ہے کہ بمبارڈو کے قاتل بادشاہت پسند ہیں اور یہ قتل سیاسی اغراض کی بناء پر ہوا ہے؟

—— لوگوں نے اس سے زیادہ سمجھ لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "چونکہ ڈاکٹر جمہوریت پسندوں کا لیڈر تھا اس لئے سلطنت پسندوں نے اسے قتل کیا تاکہ فرقہ کمزور ہو جائے۔"

انھیں معلوم نہیں کہ ایک بمبارڈو کے قتل ہونے سے کچھ نقصان نہیں ہوا ابھی ہزاروں بمبارڈو باقی ہیں ہمیں چاہئے کہ اس حادثہ سے فائدہ اٹھائیں۔

—— ہاں ہاں ایسا وقت کھویا نہیں جا سکتا خصوصاً جبکہ پبلک میں ہیجان پیدا ہو چکا ہو کیونکہ لوگوں نے کری ڈیٹ برڈیال کی آواز کو فراموش نہیں کیا ہے کہ آٹھ سو ہزار لیرا سے زیادہ حکومت اور بادشاہ کی جیب میں داخل ہوتے ہیں۔

تیسرے نے کہا اگر ہم چاہیں تو ایسے طریقوں سے پبلک کو ہم خیال بنا سکتے ہیں مگر یہی کافی ہے کہ ان کو حکومت توڑنے کے بعد انتخاب کے موقع پر پارلیمنٹ کے ممبروں کی کمی اور زیادتی سمجھا دی جائے حکومت پرتگال درحقیقت استبداد اور ظلم کی بساط ہے حکومت پسند جس طرح چاہتے ہیں کھیلتے ہیں۔

چوتھے نے کہا بادشاہ بیگم آفرو ڈو ٹو املاوی خانگی پرتگال کی دولت اپنی قسمت اپنی میں لکھا لائی ہے۔

اس کے لئے بہترین اسباب تعیش مہیا کئے جا رہے ہیں اب ہمیں بادشاہ اور اس کے وزرا کے قتل کی تدبیر سوچنی چاہئیں پرتگالی اس وقت تک امن و انصاف اور آزادی نہیں حاصل کرسکتے جب تک کہ ان کے سر و نپر جمہوری پرچم نہ لہرائے بجا ئیو ہم نے بہت صبر کیا۔

پانچویں نے کہا ہاں یہ وقت جدوجہد کا ہے چاہئے کہ سلطنت کو آلہ معطل کی طرح نکال پھینکیں اور اس ظلم کی دیوار کو گرا کر جمہوری حکومت قائم کی جائے۔

پہلے نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ غدر اور اعلان جمہوریت کے لئے تیار رہو۔ اگر کسی کو اختلاف ہو تو وہ ظاہر کر دے۔

سب خاموش۔

—— اکثریت کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب لوگ موافق ہیں اب ہمیں چاہئے کہ کامیابی کے اور پہلوؤں پر بھی غور کریں۔

ایک شخص نے کہا میں دس ہزار باقاعدہ فوج رکھتا ہوں اور ہر وقت نیا دیس کے قصر پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

دوسرے نے کہا توپ خانہ میرے اختیار میں ہے جس وقت چاہوں قصر سلطنت (گورنمنٹ ہاؤس) کو زیر و زبر کر سکتا ہوں۔

ایک اور شخص نے کہا جنگی کشتیاں میرے قبضہ میں ہیں میں دریا کی طرف کا راستہ بادشاہ کے لئے بند کر سکتا ہوں۔

ایک اور شخص نے کہا تمام لیس بن میرے ساتھ ہے جس وقت سلطنت توڑ دی جائے گی اور جمہوری پرچم بلند کیا جائے گا میں پبلک کو اس جھنڈے کے نیچے جمع کر دونگا۔

پہلے شخص نے کہا کیا دولِ متحدہ سے اطمینان رکھا جا سکتا ہے۔

اگر تیزی کے ساتھ جمہوریت قایم کرلی جائے تو دولِ خارجہ کو چوں وچرا کا موقع ہی نہ رہے گا سوائے اس کے احترام کے کیا کریں گے کیونکہ یہ ہماری حکومت قومی ہوگی ۔

—— ضروری ہے کہ ہم شورش کے پروگرام کو اس طرح مرتب کریں کہ وہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ طویل نہ ہو ۔

جنرل دُل فارئے نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ آدھی رات کے وقت بنسیا دیس کے قصر کا محاصرہ کرلونگا ۔ اپنی جنگی کشتیاں نہر تاثر میں لاکر قصر کے سامنے لنگر ڈال دونگا ۔

ڈی گونڈی بھی شہر کے مرتفع حصوں پر توپ خانہ لگا دیگا یہ تمام کام آدھی رات کے وقفہ میں پورا ہوجائے گا اور صبح کو شورش کی علامت کے طور پر بارہ توپ سر کی جائیں گی اور فوجی دستہ اعلان جمہوریت کے طور پر گشت کریگا کہ اگر کوئی مخالف نظر نہ آئے یا مقاومت ظاہر ہو تو سرکوبی کی جائے اور قصر حکومت پر قبضہ کرکے فوراً جمہوریت کے کاروبار شروع کردیئے جائیں ۔

ڈیفزار نے کہا پروگرام اور نقشہ بہت ہی عمدہ ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر چیز عمدگی سے ہوجائے گی شاہی دستہ (گارڈ آف آنر) ابھی باقی ہے اور قوم میں بادشاہت پسندوں کی تعداد بھی کافی ہے اکلی روس اور رہباں خانوں کلیساؤں مندروں میں گولہ بارود بھی موجود ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ پروگرام میں کچھ ترمیم کی جائے ۔

—— وہ کیا ۔

—— بادشاہ اور اس کے چچا ڈیوک رابرٹ اور دوسرے وزراء کا قتل کیونکہ بغیر خون بہائے آزادی ممکن نہیں اور شاہد محبوب آزادی کی رونمائی میں قربانی ضروری ہے ۔

—— لیکن مجھے خون ریزی سے اتفاق نہیں ہے البتہ ان لوگوں کی گرفتاری کی رائے ضرور دوں گا اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک شخص ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے مقرر کردیا جائے ۔

فون سوکوستا نے جو ایک نامی رئیس تھا کہا ۔

—— اس میں شک نہیں کہ بادشاہ کا قتل ہماری نجات کے لئے ضروری ہے مگر وہ کون ہے جو آسانی کے ساتھ اس کو انجام دیسکے ۔

سامنے سے یکایک ایک آواز آئی تیں ۔

تمام لوگ اس آواز سے پریشان ہو گئے اور گھبرا گھبرا کر دروازہ کی طرف دیکھنے لگے تھوڑی دیر کے بعد ایک پست قد موٹا آدمی دروازہ میں داخل ہوا ۔

—— آپ کی مخلص گارسیا ۔

تمام لوگ گارسیا کے یکایک آنے پر محو حیرت ہو گئے کوستا نے پوچھا تم ہو کب آئیں کس طرح آئیں ؟

—— اسی وقت کیونکہ میں یہ سمجھ چکی تھی کہ پرتگال کا تخت و تاج دو تین روز کا مہمان ہے ۔ اگر بادشاہ کے قتل کے لئے میری ضرورت ہو تو میں تیار ہوں ۔

جنرل ڈال فارئے نے کہا میں خون ریزی کو پسند نہیں کرتا مگر دوستوں کی رائے سے میں نے گرفتاری کا مشورہ دیا ہے اگر تم سے ہوسکے تو بسم اللہ ۔

—— جب تک یہ لوگ زندہ ہوں موجودہ حکومت کی تخریب اور جمہوریت کی تشکیل ناممکن ہے میری دانست میں بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ جلد قتل کئے جائیں ۔

بہت رد و قدح کے بعد جنرل ڈال فارئے کا نقشہ منظور ہو گیا اور بادشاہ اس کے متعلقین وزراء وغیرہ کی گرفتاری اور جمہوریت کی تاسیس کے لئے دوسرے دن جلسہ طلب کرنے کے فیصلہ پر یہ جلسہ برخواست ہوا ۔

جب جلسہ برخواست ہو گیا اور سب جانے لگے تو ڈیفرار نے گارسیا کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں مل کر جانے لگے ۔

دفرارا نے راستہ میں کہا ان احمقوں کا نقشہ مجھے پسند نہیں ۔

——— کیوں ۔

——— اس واسطے کہ جب تک بادشاہ زندہ رہیگا حکومت پسند طبقہ مقاومت کرتا رہیگا ۔ فرض کرو کہ جمہوریت قایم ہوجائے اور ہوا خواہان سلطنت اور طرف داران اگلی روس اولیں فرصت میں علم بغاوت بلند کریں تو مشکل ہوگی اس لئے لازم بلکہ واجب ہے کہ فساد کی جڑیں ہی اکھیڑ دی جائیں ۔ ۔ ۔

——— گاریبا نے بات کاٹ کر کہا میں نے بھی تو یہی کہا تھا مگر کوئی مانتا نہیں ۔ اگر انھیں انھیں کے حال پر چھوڑ دیں اور ہم بقار جمہوریت کے لئے کچھ کریں تو کیا برا ہے ۔

——— کس طرح ؟

——— اس طرح کہ بساط بادشاہ سے خالی ہوجائے ۔

——— میں اس سے اختلاف کیسے کروں درآں حالیکہ میں خود اس کا محرک ہوں ۔

——— بہت خوب پھر خاموشی کیوں ؟

——— آخر اس کے اسباب بھی چاہئیں اس تک پہونچنے کا ذریعہ بھی ہو تم جانتے ہو کہ نیا دیس کے قصر کے نزدیک جانا گارڈ آف آنر کے نیزوں پر سر رکھنا ہے ۔

——— اگر میں تمہیں بادشاہ تک پہونچا دوں اور کسی محفوظ مقام پر دونوں کو ملا دوں تو کیا دوگی ۔

——— تم کیا چاہتے ہو اس کا سر تمہاری نذر کرونگی ۔

——— پھر میں راضی ہوں کل تم سے کہونگا کہ کہاں ملنا چاہئے ۔

(۴)

ہماری ہیروئن دوشیزہ کا نام مارگریٹ ہے جو جنرل ڈل فارسے کی ایک لوتی بیٹی ہے اس کا باپ اسے اس قدر عزیز رکھتا ہے جس قدر تنگ دستوں کے پاس آفتاب زمستان یا مئے پرستوں کو شراب مروق ۔ اس کی ماں نے اسے

چھوٹی سی عمر میں چھوڑ کر انتقال کیا تھا ۔

اس کا باپ جیسا کہ گزشتہ فصل میں ظاہر کیا گیا ہے بڑا جنرل ہونے کے علاوہ امرائے سلطنت سے ہے اور سلطنت پسندوں کا دشمن ۔ مگر مارگریٹ نے چونکہ شاہی خاندان کے ساتھ پرورش پائی ہے اور قصر نیا دیس میں بادشاہ کے ساتھ رہی ہے اس لئے اپنے باپ کی ہم خیال نہیں ہے پرتگال کی سیاسیات سے بخوبی آگاہ ہونے کے علاوہ آزادی پسند طبقہ کے خیالات سے بھی واقف ہے اور بادشاہ کے لئے پریشان ۔

رات کو وہ اپنی عادت کے موافق جمہوریت پسندوں کے جلسہ کی کارروائی معلوم کرنے کے لئے مردانہ لباس میں نگرانی کر رہی تھی کہ شکپیرا اور ارمنڈ نے اسے گرفتار کر لیا ۔

اسے گارسیا کی آمد کی اطلاع سے بے انتہا پریشانی پیدا ہو گئی کیونکہ گارسیا کا مقصد جبکہ وہ سابق بادشاہ اور ولی عہد کے قتل میں شریک رہ چکی تھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ مانویل کو قتل کرے ۔

رات کے آخری گھنٹوں میں شکپیرا اور آرمنڈ کو چھوڑ کر وہ اپنے گھر کو آگئی اور کپڑے اتار کر بستر پر پڑ رہی باوجود تکان اور کسل کے بادشاہ کے خیال نے اسے سونے نہ دیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی صبح اس نے اپنے چچازاد بھائی چارلس ڈیگونڈی کو جو شاہی فوج کا افسر تھا بلوایا ۔

ڈیگونڈی کے لئے یہ بلاوا مژدہ وصل سے کم نہ تھا وہ فوراً قصر محبوب کو آگیا کیونکہ وہ رابطہ قرابت کے علاوہ دیرینہ رشتہ الفت بھی رکھتا تھا بچپن میں ہی اس نے اپنا دل دیدیا تھا اور اسی زمانہ میں ایک دوسرے سے منسوب بھی ہو چکے تھے مگر ڈیگونڈی جمہوریت پسند تھا ۔

مارگریٹ ابھی شب خوابی کا لباس اتارنے بھی نہ پائی تھی کہ خادمہ نے اس کے آنے کی اطلاع دی اور ایک ۲۵ سال کی عمر کا صبیح المنظر خوش قیافہ جوان وردی ڈانٹے بلٹ لگائے تلوار حمائل کئے اپنی محبوبہ کے قدموں کے پاس سر جھکا کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ۔

رب النوع صباحت و جمال ڈیگونڈی تعمیل حکم کے لئے حاضر ہے ۔

دلبر پرتگال نے عشوۂ ناز کے ساتھ تیز نگاہ سے صیدزنوں کو تڑپاتے ہوئے مسکرا کر کہا ابھی لطیفہ گوئی کی عادت نہیں گئی بیٹھو کوئی کام تو نہیں ہے صرف تمہیں دیکھنے دل چاہتا تھا ۔

اس نے اظہار تشکر کے لئے سر جھکا کر کرسی کھینچ لی اور اپنی محبوبہ کے سامنے بیٹھ گیا ۔

بعت فستان نے پوچھا کیا خبریں ہیں آج کل کیا تحریکات ہو رہے ہیں اور بدبخت بادشاہ کے لئے کیا کیا جا رہا ہے ۔

ڈیگو نڈی نے مسکرا کر کہا کوئی تازہ بات نہیں ہے سوائے اس کے کہ ڈاکٹر بمبارڈو کے قتل سے لوگ مشتعل ہیں ۔

——— گارسیا کی بھی کوئی اطلاع ہے ؟

——— وہ لندن میں تھی تازہ خبر تو معلوم نہیں ۔

——— مجھ سے چھپانا بے فائدہ ہے تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے خیالات سے ناواقف ہوں اور تم کیا کیا کر رہے ہو مجھے معلوم نہیں کیا کل رات کو کمرہ میں مجمع نہیں تھا بادشاہ کی گرفتاری کی گفتگو نہین ہوئی گارسیا آخر وقت میں نہیں آئی . . . . .

یہ سنکر ڈیگو نڈی کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ معذرت کے لہجہ میں کہنے لگا واقعہ یہ ہے کہ خاندان برگانس کا کوکب اقبال ظلم و استبداد کی شعاعوں سے پرتگال کو ویران کر چکا اب ضرورت ہے کہ یہ پرانی عمارت ڈھا دیجائے یہ ایک قدرتی چیز ہے اور ہو کر رہیگی ۔

——— لیکن تم جانتے ہو کہ بیچارہ مانویل بیقصور ہے کیونکہ ملک و ملت کی ترقی کا خیال اس کے دل میں آیا ہی نہیں اور وہ ایک بامروت سخی جامع صفات جری شخص ہے اب تک کوئی ایسی بات اس میں نہیں پائی گئی جو بری ہو ۔

آخر تمہیں ہو کیا گیا کیا تمہارے دل میں ایک ایسے لڑکے کے لئے محبت نہیں جس کا باپ قتل کیا گیا ہو

کیا تمہیں اس کی ماں پر رحم نہیں آتا ۔

——— اگر تمہیں کل کے جلسہ کی اطلاع ہوتی تو معلوم ہوتا کہ اس کے لئے کوئی برائی نہیں کی جا رہی ہے۔

——— ہاں مجھے سب معلوم ہے مگر گارسیا مانویل کے جان کی لاگو ہوگئی ہے وہ لیس بن میں محض اسی لئے آئی ہے تا وقتیکہ وہ بیوہ ماں کو جوان فرزند کے ماتم میں نہ دیکھ لے نچلی نہ بیٹھے گی خدا کے لئے اس بیوہ ماں پر رحم کرو جو اپنے شوہر اور بڑے بیٹے کا ماتمی لباس پہنے ہوئے ہے ۔

——— میری جان کیا کیا جائے تمام چیزیں طے ہو چکی ہیں اب کچھ نہیں کیا جا سکتا ۔

——— میں یہ چاہتی ہوں کہ صرف مانویل کی جان بچائی جائے ۔

——— ہم تنہا ایسا نہیں کر سکتے !

——— میں دو اور آدمیوں کو جانتی ہوں جو میرے ہم خیال ہیں اور ہر قسم کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں ۔

——— وہ انگریز ہیں اور لندن کی خفیہ پولس سے تعلق رکھتے ہیں لندن پولس کے افسر اعلیٰ نے گارسیا کی نگرانی (جاسوسی) کے لئے انہیں مامور کیا ہے وہ گارسیا کے ساتھ آکر کنتی نان تال ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے ہیں اتفاق سے کل رات مجھ سے ملاقات ہوگئی میں نے ان سے ملاقات کا وعدہ بھی کیا ہے میں چاہتی ہوں کہ تم ان دونوں کو لے آؤ ۔

دیگوزنڈی نے تامل کے ساتھ کہا،

——— کیا تمہیں یقین ہے کہ اس نازک موقع پر ایسی کوشش خطرناک نہیں اگر جنرل . . . . . .

لعبت قتان نے قطع کلام کرکے کہا خدا کے واسطے ان توہمات کو دور کرو مانویل صاف دل جوان ہے میں نہیں سے اسکے ساتھ محبت رکھتی ہوں گارسیا کے ہاتھ سے اس کا بچانا میرا فرض ہے جلد ان لوگوں کو لے آؤ ۔

(باقی آیندہ) ———

بقیہ مضمون صنف نازک کا دوسرا رخ آہ۔ وہ کس قدر دردناک منظر ہوتا ہے جبکہ غریب مرد اپنے بھولے پن اور ناتجربہ کاری سے اس کی محبت کے جال میں پھنس جاتا ہے وہ اسکو رحمدل اور مہرباں سمجھکر اپنا دل دے بیٹھتا ہے مگر جب قیمت دل کے عوض میں بجائے رحم کے ظلم اور بجائے مہربانی کے جفاکاری کو پاتا ہے تو اسے دنیا تاریک نظر آتی ہے۔ اور وہ ایک آہ سرد بھر کر خاموش ہو جاتا ہے وہ صبر سے کام لینا چاہتا ہے مگر بیصبری اسکی رہنمائی کرنے لگتی ہے جب اسکی تکلیفیں ایک حد تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ گریہ وزاری اور اظہار بے قراری کرتا ہے اور گڑگڑاتی ہوئی آواز میں کہتا ہے کہ میری روح مضطرب ہے، دل بیقرار ہے آنکھوں میں آنسو ہیں کلیجے میں درد ۔۔۔۔۔! اے ملکہ حسن! میری التجاؤں کو آغوش اجابت میں جگہ دے اور میری تمناؤں کو ناکامی کے دریا میں ڈوبنے سے بچالے۔

یہ وہ سب سنتی ہیں مگر مسکرا کر خاموش ہو جاتی ہے!!!

آہ! مغرور پسند عورتوں کے گلاب سے زیادہ خوشنما گالوں اور شب ہجر سے زیادہ سیاہ زلفوں پر مٹنے والے مرد روز و شب ناکامی پر پڑے حسرت و یاس سے دم توڑتے ہیں اور ان کی ٹھنڈی فغاں فضائے آسمانی کے غیر محدود اور لامتناہی سلسلہ پر چاروں طرف سے ٹکرا کر مایوسانہ طرز سے نیست و نابود ہو جاتی ہے ان کے حسن لازوال کے پرستار ان کی سنگدلی سے تنگ آکر پہاڑوں پر سے گر کر جان شیریں کو رخصت کرتے ہیں، مگر ان تغافل کیشوں کے پتھر جیسے دلوں پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔!!

کیا عورتوں کی محبت اسی لئے مشہور ہے۔؟

کیا ان کی رحمدلی اور وفا شعاری کا یہی تقاضا ہے؟

ٹیلیفون نمبر ۴۱۸

ہلوؔ! .... نمبر فور ' ون ' ایٹ ' پلیز! ٹن .... ٹن .... ٹن .... ہاں .... کہاں سے؟

میں فرخ منزل خیریت آباد سے بات کر رہی ہوں — اور آپ؟

جی میں — رام دیال سیڈمل کلاتھ مرچنٹ کی دوکان سے۔" اچھا سنو — پرسوں معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پاس جارجٹ اور نینو کے بالکل نئے نمونے آنے والے ہیں کیا وہ آگئے؟

جی — صرف جارجٹ اور نینو ہی کیا ہماری دکاں میں ہمیشہ ہر قسم کا کپڑا ہر رنگ اور ہر ڈیزائن میں موجود رہتا ہے۔" ہاں! یہ مجھے معلوم ہے — لیکن سنتی ہوں کہ آپ کے ہاں دام واجبی نہیں ہوتے۔

بیگم صاحبہ اگر دام میں کبھی ایک پائی کا بھی فرق آجائے تو آپ ایک ہفتہ تک خریدا ہوا مال واپس کر سکتی ہیں" بہتر ہے۔ اپنے آدمی کو بھیج رہی ہوں فی الحال جنگلہ کا اور بارڈر والا جارجٹ روانہ کیجئے — اور ہاں آپکی دوکاں کس نام سے موسوم اور کہاں واقع ہے۔

جی — **رام دیال سیڈمل کلاتھ مرچنٹ پتھرگٹی روڈ**۔ بس اتنا پتہ کافی ہے کیونکہ ہماری دیانت اور کاروبار کی وسعت نے خاص و عام میں ہم کو کافی مشہور کر رکھا ہے۔

گوہر

— امّی جان یہ لیجئے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ اس دفعہ تو ہم درجہ اول میں کامیاب ہوئے ہیں۔

— آہا بیٹا بہت خوشی کی بات ہے، خدا مبارک کرے۔

— نہیں امّی ایسی خالی مبارکباد سے ہم نہ مانیں گے، ہم تو شیرینی کھائیں گے، شیرینی

— اچھا تو یہ کون بڑی بات ہے، یہ لو روپیہ آدمی کو بھیج کر منگوالو۔ مگر ہاں آدمی سے کہدینا کہ شیرینی حافظ محمد میاں کی دکان سے ہی لائے کیونکہ وہاں خالص گھی سے تازہ مٹھائیاں بنتی ہیں۔

— اچھی امّی بھلا یہ دکان کہاں ہے۔

— ارے تمہیں معلوم ہی نہیں، وہ تو "پتھر گٹی" پر واقع ہے۔

اس جگہ اشتہارات بمعاوضہ صرف دو روپیہ (عاں) قبول کئے جائیں گے۔

طباعت میں اگر نفاست درکار ہو تو
چھتہ بازار
معین دکن پریس
کو
نہ بھولئے جو وقت کی پابندی
اور
کام کی خوبی کے لئے بہت
مشہور ہے۔

یم مہدی مصوّر
چھتہ بازار
حیدرآباد
دکن

طلائی تمغہ یافتہ
مرقع نگار عالی

M Mahdi
ARtist

ہمہ اقسام کے گھڑیال
اور گراموفون وغیرہ کی درستگی کا بہترین
اور
قابل اطمینان مرکز
دی محمود واچ کمپنی ریپیرس اینڈ ڈیلرس
کمان نواب سالار جنگ بہادر چھتہ بازار
حیدرآباد دکن

کارہائے مصوری
اور
لیتھو ڈزاین وینز سائن بورڈ کے لئے
یم گوہر آرٹسٹ
کے خدمات آپ کو ہر طرح مطمئن کرینگے
پتہ
دفتر ماہنامہ سفینۂ نسوان
چھتہ بازار —— حیدرآباد دکن

۱۳ برس ؟
کی طویل مدت سے ہمارا کارخانہ اپنے کام کی خوبی اور وعدہ کی پابندی کی وجہ نیکنامی کیساتھ ملک
اہل مذاق حضرات کیخدمت انجام دیرہا ہے ۔ ہمارے پاس کپڑوں پر اعلیٰ درجہ کی رنگریزی
اور کمیکل طریقوں سے صاف کیا جاتا ہے جس سے نئے اور پرانے کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔
بڑی بڑی دریوں کا رنگنا صرف ہمارے لئے آسان ہے
دی امپیریل واشنگ اینڈ ڈائنگ کمپنی
کپڑوں کو نفاست سے رنگنا اور رنگ میں چمک پیدا کرنا صرف ہمارا کام ہے
۶۱ جیمس اسٹریٹ سکندرآباد

غزل

(الف)

اکرم (عالیجناب نواب اکرم الدین خان بہادر)

کونسا دل ہے جو تیری یاد میں بسمل نہیں
بھول ایسی ہے کہ وہ احساس کے قابل نہیں

بیخودی جس کو نہ ہو وہ عاشقِ کامل نہیں
وصل و فرقت کے بکھیڑے عشق میں شامل نہیں

عشق میں یہ راز تھا جو آج مجھ پر کھُل گیا
میرے ہی دل کے سوا کوئی مرا قاتل نہیں

بحرِ حسن و عشق یکتائی کے دعویدار ہیں.
تہ نہیں ہے ایک کی تو ایک کا ساحل نہیں

ہے ثبوتِ حسنِ جاناں کیلئے تیرا وجود
اے نقابِ یار تو خود پردۂ حائل نہیں

گردشِ چشمِ سیہ سے جان و دل وابستہ ہیں
آنکھ پھرتے ہی ہماری جاں ہمارا دل نہیں

کر رہا ہے اُن سے ملنے کی نئی تیاریاں
شور ہے میرا پنے دل کے میں ابھی اب شامل نہیں

اُن کی نزدیکی قیامت اُنکی دوری ہے بلا
وصل کے لائق نہیں ہیں ہجر کے قابل نہیں

کیا کرشمہ ساز ہے نیرنگیٔ اندازِ حسن
دیکھتے وہ خود نہیں کہتے ہیں یہ اس قابل نہیں

وصلِ جاناں نے مجھے مدہوش ایسا کر دیا
چشم وا بھی لذتِ دیدار کے قابل نہیں

شکر ہے اکرم خیالِ یار دل میں جم گیا
اُن کے میرے بیچ میں اب پردۂ حائل نہیں

غزل

الم (ڈاکٹر سید مہدی حسن صاحب)

جس سے کہ لطفِ زندگانی تھا ہمیں وہ دل نہیں
اب کسی سے ملنے جلنے کے بھی ہم قابل نہیں

کیا ترا مذہب مسلمانی بتِ قاتل نہیں
کیوں زباں پر تیری بسم اللہ دمِ بسمل نہیں

گر وصالِ یار کا طالب ہے پیدا کر کمال
اُس کو پا سکتا نہیں جو عشق میں کامل نہیں

دل ہے میرے پاس ویسا کہ ہی لاکھوں میں ایک
لیکن اس پہ بھی وہ تیری نذر کے قابل نہیں

جانتا ہے گر نہ آئی آج ، کل آجائیگی
جان تجھ پر دینے والا موت سے غافل نہیں

پار کیا اُترے کوئی بحرِ محیطِ عشق سے
جس کا تھل بیڑا نہیں کشتی نہیں ساحل نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بتخانے سے کعبے کو چلو
ہے تو بات اچھی مگر دل اُس طرف مائل نہیں

دوستوں کے تم ہو دشمن دشمنوں کے دوست ہو
یہ گمان وہم یا اندیشۂ باطل نہیں

گر یہی بیتابیاں ہیں صبح و شامِ ہجر تک
دیکھ لینا یا نہیں ہم یا ہمارا دل نہیں

ہو رہا ہے سہو سے قاتل کو دیدارِ اخیر
شکر یارب آنکھوں پر پہنچی دمِ بسمل نہیں

کب سبھی بیمارِ غم کی آپنے کی دیکھ بھال
منہ زبانی مہربانی کا تو میں قائل نہیں

کام کی کثرت سے گر فرصت نہیں ہے موت کو
یہ غضب دیکھو کہ دنیا میں کوئی قاتل نہیں

کوہکن کی خودکشی سے ہو گیا ہم کو یقیں
جان دینی عشق میں آسان ہے مشکل نہیں

یار کی دیوار ہے سینہ مرا۔ ٹوٹیگا کیا
برق کی صورت بھی دل تڑپے تو کچھ حاصل نہیں

دیکھتے بیٹھے ہیں سب رونا۔ تڑپنا۔ چیخنا
کوئی اپنوں میں ہمارے حال کا شامل نہیں

اُس پری پیکر کو شیشے میں اُتاروں کس طرح
میں کوئی رمّال۔ یا جفار یا عامل نہیں

دل مرا بہلانے کو احباب نے جلسہ کیا
خاک بہلے دل۔ جہاں وہ رونقِ محفل نہیں

نامہ بر جاتے وہاں کیوں دم نکلتا ہے ترا
جنتِ دنیا ہے وہ۔ کچھ آخری منزل نہیں

ہو گئی حاصل جسے چشمِ بصیرت اے الم
اُس کو ہفت افلاک کے پردے بھی تو حائل نہیں

غزل

اسد (جناب سید صدیق علی صاحب مہتمم کتبخانہ سرکار محمد اعظم بہادر)
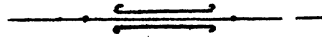
اُس کی بزمِ عیش میں جانے کے میں قابل نہیں
سچ ہے ناکام تمنا لائقِ محفل نہیں

یادِ جاناں سے کبھی یہ دل مرا غافل نہیں
اور اُس کو دیکھئے میری طرف مائل نہیں

میں سمجھتا تھا لکھینگے مجھ کو مضمونِ عتاب
اُنکی نظروں میں مگر اس کے کبھی میں قابل نہیں

آرزوئے وصل کی تکمیل تیرے ہاتھ ہے
تو اگر چاہے تو اتنا کام کچھ مشکل نہیں

اک دمِ اُمید سے قائم ہے میری زندگی
ورنہ بیمارِ محبت زیست کے قابل نہیں

میں اُسے دیکھوں تو میرے دردِ دل میں ہو سکوں
وہ اگر پردہ کرے تو اُس کو کچھ حاصل نہیں

ہے سمندِ شوق کا حدِ نظر پر ہر قدم
اس وجہ سے مجھ کو خوفِ دوریٔ منزل نہیں

ہے دمِ تقریر اندازِ تکلم اِک فسوں
ہیں سحر اس کی باتیں اور وہ عامل نہیں

قبضہ دل پر کرلیا اپنی نگاہِ ناز سے
پہلے تھا یہ میرا لیکن اب یہ میرا دل نہیں

میری آشفتہ سری ہے قیس سے بھی کچھ سوا
ذرہ ذرہ ہی جنوں افزا فقط محمل نہیں

ناصحا اب ختم کر کچھ اور جینے دے مجھے
بارِ احساں کا دلِ نازک مرا قابل نہیں

بستے ہیں یوں تو سبھی اپنے پرائے اسد
ہستیٔ دنیا میں لیکن رازدارِ دل نہیں

غزل

اختر (جناب سید اختر علی صاحب)

مجھ کو ہے ہر بات مشکل آپ کو مشکل نہیں
آپ سب قابل ہیں لیکن میں کسی قابل نہیں

اے خیال غیر رخصت اس کے تو قابل نہیں ۔۔۔ جلوہ گاہِ دوست ہی خلوت سرائے دل نہیں

پر تو دستِ حنائی کا اثر اشکوں میں ہے ۔۔۔ اس کو خونِ دل سمجھتے ہو یہ خونِ دل نہیں

بیٹھنے بھی ہم نہ پائے تھے کہ دربان نے کہا ۔۔۔ اُٹھئے اُٹھئے بے ٹھکانوں کیلئے منزل نہیں

المدد ہاں المدد اے ہمت صبر و شکیب ۔۔۔ دو قدم کا فاصلہ ہے دور کچھ منزل نہیں

ہم اگر گرداب سے بچ بھی گئے تو کیا ہوا ۔۔۔ پوچھنے والا کوئی اپنا سر ساحل نہیں

بے ٹھکانے تھے جہاں پہونچے ٹھکانا کر لیا ۔۔۔ وہ قدم اپنا نہیں جو حامل منزل نہیں

چند روزہ ہے تمہارے حسن فانی کا فروغ ۔۔۔ گھٹتا بڑھتا جس میں عارض ہو وہ کامل نہیں

جائیے اے حضرت اختر یہاں سے جائیے
بزم دُنیا آسماں والوں کی کچھ محفل نہیں

غزل

(ب)

باغ (جناب سید کاظم علیؑ صاحب)

ائے خیال ماسوا تو دل کے ہے قابل نہیں ۔۔۔ یہ مقام دوست ہے اغیار کی منزل نہیں

کیا دلِ صد چاک نذر نوکِ پیکاں ہو گیا ۔۔۔ جو شریک اشک پیہم آج لختِ دل نہیں

میں نہیں تم اپنی دزدیدہ نظر سے پوچھ لو ۔۔۔ جب سے تم آئے یہاں پہلو میں میرے دل نہیں

گو پریشاں ہوں مگر رہتا ہوں تیری یاد میں ۔۔۔ میں کسی عالم میں ہوں تجھسے مگر غافل نہیں

گو سفر میں رات دن سرگرم ہے عمرِ رواں ۔۔۔ پر نشانِ نقش پا کوئی سرِ منزل نہیں

مٹنے والے کا نشاں دھندلا سا باقی رہ گیا ۔۔۔ خون کا دھبّہ سا ہے پہلو میں میرے دل نہیں

اُن سے کہدو جنکو حسن چند روزہ پہ ہے ناز ۔۔۔ چودھویں کے بعد وہ رنگ مہِ کامل نہیں

کہہ رہا ہوں ایک افسانہ طلسمِ عشق کا
آپ سُنئے تو سہی یہ داستانِ دل نہیں

دل کے ہر گوشہ میں دنیائے تمنا بس گئی
صد جہانِ آرزو ہے اب ہمارا دل نہیں

کس زباں سے دل کی بربادی کا افسانہ کہوں
ہائے کس دل سے کہوں پہلو میں میرے دل نہیں

دینے والے نے دیا اتنا کہ یہ کہنا پڑا
تجھ میں وسعت نام کو بھی دامنِ سائل نہیں

جس کو ہم آسان سمجھے تھے بہت دشوار ہے
جس کو تم مشکل سمجھتے ہو وہ کچھ مشکل نہیں

دل یہ کہتا ہے کہ اُس در تک پہونچنا ہی محال
شوق کہتا ہے چلو بھی دُور کچھ منزل نہیں

بزم میں کیوں دیکھتے ہیں مجھ کو دشمن بار بار
عاشقِ شوریدہ ہوں آئینۂ محفل نہیں

ہوگئی کایا پلٹ دَورِ جوانی کیا گیا
وہ اُمنگیں ہی نہیں وہ ہم نہیں وہ دل نہیں

عالمِ برزخ کا ذاتِ شادؔ صوفی میں ہے رنگ
سب میں شامل اور اُدھر اللہ سے غافل نہیں

باغؔ کو یہ کہہ کے بزمِ ناز سے اُٹھوا دیا
یہ ہماری انجمن ہے آپ کی محفل نہیں

غزل

بسمل (جناب سید ابن الحسن صاحب سشن جج)

عشق جسکا نام ہے وہ کار لاحاصل نہیں
تو ملا مجھ کو ملا سب کچھ نہ ہو گر دل نہیں

آپ کی سفاکیوں پر غور جب کرتا ہوں میں
سوچتا ہوں واقعی پہلو میں میرے دل نہیں

بے حجابانہ تکلف بر طرف جلوہ دکھا
میری لیلیٰ یہ مرا دل ہے کوئی محمل نہیں

ایک از خود رفتہ افسردہ پریشاں مضمحل
دل تو ہے پہلو میں لیکن آپکے قابل نہیں

بسملؔ کافی ہے ذرا رُخ سے وہ سرکائیں نقاب
ماہِ کامل کو خجل کرنا کوئی مشکل نہیں

غزل

(ج)

جوگی (بھاشا) جناب عبدالوکیل صاحب

ڈھیٹھ سجنی شیام سندر سا کو وسکا تِل نہیں
بان مینن کے چلاوت اور کرت گھائل نہیں

جا رِنا سے مورا من موہن بھیو مینن سے اوٹ
اے سکھی کا سے کہوں پل بھر بیاکل دل نہیں

مورے نینن ہی ما بس دِن رین تلپھت تیر رہے
شیام کے چرنن او بھاگی جات کاہے بِل نہیں

پیو پیو کی توری رٹ سے سُن پپیہا باورے
پریم کی ماری کا   کا جھیٹے کر جواہل نہیں

مورا من ہر لے گیو وہ شیام بطلے کو ہری
جا کی مُرلی سے کوو سنسار ما کامل نہیں

سا گن ہم سے بھیو کاہے بہیے ایسے کٹھور
شیام تم ہر وسے بسے پہلے توستے گا بھبل نہیں

ایک جگ بیتو ہے موہن تمکا ہرونے ما بسے
موری آشا کا کنول اب جات کاہے کھل نہیں

سُن رے پاپی بھونرے تو ئی کا ہے بہیرو دار
پریم بن یہ پریم رس ڈھونڈھی سے جھٹے بِل نہیں

اِچھیا جوگی کی ہے جگ جگ رہو تم شاد شاد
شاد نگری ما تہارے ہوت کچھ مشکل نہیں

غزل

(د)

ذکی (جناب محمد عبدالسّلام صاحب)

کون ہے جو آشیانِ عشق پر سائل نہیں
دین ہے اللہ کی کوشش سے کچھ حاصل نہیں

جلوت و خلوت میں سوتے جاگتے میں رات دن
تیرا عاشق یاد سے تیری کبھی غافل نہیں

دیکھ لوں بے پردہ تجھکو میں جو مٹ جائے خودی
میں ہوں جبتک میں تری دیدار کی قابل نہیں

کھینچ لا - اے جذبِ الفت اس کو اک دن کھینچ لا
تو اگر چاہے تو یہ آساں ہے کچھ مشکل نہیں

گرہ

اب وہ سارے پردہ ہائے اعتبارات اٹھ گئے
میرے اُس کے درمیاں پردہ کوئی حائل نہیں

تیرے جلوے کا ہوں شیدائی دکھا جلوہ مجھے
ہے یہی مقصودِ دل جنت کا میں سائل نہیں

صحبت اغیار سے پرہیز کر - پرہیز کر
جو نہیں ملنے کے قابل ان سے اے دل مل نہیں

قہر تو دیکھو کہاں انساں کہاں الفت کا بار
اور پھر کیا ہے اگر یہ ظالم و جاہل نہیں

کاش تو آگاہ ہو اے آشنائے بحرِ عشق
عشق کا وہ بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں

امتیازِ ناقص و کامل کی بحثیں ہیں عبث
یعنی مجھ سا ناقص اور تجھ سا کوئی کامل نہیں

شاد رکھے حق جناب شاد صوفی کو مدام
بے جناب شاد صوفی رونق محفل نہیں

بے قراری میں کبھی اٹھے کبھی بیٹھے ذکی
عاشق ناقص ہو شاید عاشق کامل نہیں

غزل

(۳)

سعید - عالی جناب نواب تراب یار جنگ بہادر

زندگی ہی کیا کہ لطفِ زندگی حاصل نہیں
دل تو پہلو میں ہے لیکن اضطرابِ دل نہیں

جسکو میں مانوں وہ تیرا اضطراب آدل نہیں
ہو کے بسمل جو نہ تڑپا دے اُسے بسمل نہیں

آپ چاہیں غیر کو میں آپ کو چاہوں تو جرم
آپ ہی کا دل ہے دل کیا اور مرا دل ہی نہیں

تم نہ آجانا کہیں بالیں پہ میری وقتِ نزع — حالِ بیمارِ محبت دید کے قابل نہیں

ہیں جفائیں آپ کی اور اپنے دل کا حوصلہ — جان دینا پھر محبت میں کوئی مشکل نہیں

دل نہ ٹھیرا ہے نہ ٹھیریگا قیامت تک کبھی — جادۂ عشق و محبت کی کوئی منزل نہیں

کہہ رہا ہے شمع و پروانہ کا ربطِ باہمی — سوز جس دل میں نہ ہو وہ عشق کے قابل نہیں

وہ تو کہیئے کچھ خدا ہی نے مدد کی اے سعید
تم سمجھتے تھے رہِ صبر و وفا مشکل نہیں

غزل

سالک ـ جناب سید علی حسن صاحب تقوی

زحمتِ فکر کشودِ کار سے حاصل نہیں ـ — یہ بھی اک رازِ مشیت ہے مری مشکل نہیں

وہ نظر آتی ہے گردِ کاروانِ رفتگاں — اب گراں دل پر خیالِ دوریٔ منزل نہیں

ہائے وہ دن جبکہ تھا خود حسن بیتابِ جمال — آج ہیں لطفِ نگاہِ ناز کے قابل نہیں

اٹھ کہ ہے ہنگامۂ عالم کو تیرا انتظار — بیخبر! اموجِ رواں آسودۂ ساحل نہیں

فصلِ گل ہے جوش پر آئی ہے داغوں کی بہار — حیف تو لے رونق آرائے حریمِ دل نہیں

کر چکی برباد اس کو بھی ہوائے روزگار — کچھ نشانِ کارواں باقی سرِ منزل نہیں

مجھ پہ اے سالک کھلا ہے جب سے رازِ جستجو
دل میں باقی حسرتِ آسائشِ منزل نہیں

غزل

سلیمؔ (جناب محمد یونس صاحب)

تھا نشانہ جو نگاہ ناز کا وہ دل نہیں — ہم سلیمؔ اب امتحانِ عشق کے قابل نہیں

ہو گیا معمور جلوؤں سے، تو دل پھر دل نہیں — قطرہ ہے قطرہ، وہ جب تک بحر میں شامل نہیں

پہلے یہ ارماں تھا دل کا مر مٹوں اُس شوخ پر — اب یہ حسرت ہے کہ مر مٹنے کے بھی قابل نہیں

جستجو اب کیا کہ ہم خود جستجو میں گم ہوئے — پہلے منزل تھی مگر اب کوئی بھی منزل نہیں

اپنے آئینہ میں اک دن شکل میری دیکھ لو — عشق کا اندازہ کرنا حسن سے مشکل نہیں

جلوۂ رخ دیکھنے کے واسطے آنکھیں تو ہوں — طالبِ دیدار ہو جانا تو کچھ مشکل نہیں

جتنے مسلک ہیں جہاں میں سب کا مرکز عشق ہے — راستے گو مختلف ہیں مختلف منزل نہیں

جو جہاں ڈوبا وہیں اُس کا کنارہ ہو گیا — ورنہ دریائے محبت میں کہیں ساحل نہیں

صرف جلوہ ہے تمہارا اب نہ ارماں ہے نہ شوق — حسن کے خلوتکدہ میں عشق کی محفل نہیں

لامکانِ عشق میں یہ کہیئے دل گم ہو گیا — عالمِ کون و مکاں تو اب مرے قابل نہیں

ہچکیوں میں نزع کی پنہاں ہے روداد حیات — یہ شکستِ دل کی آوازیں بھی لاحاصل نہیں

کوئی رخصت ہو رہا ہے یا قیامت ہے قریب — آج کچھ تو ہے کہ اپنے رنگ پر محفل نہیں

ابتدا یہ تھی کہ پہلے دل تھا دل میں درد تھا — انتہا یہ ہے کہ بس اک درد ہے اب دل نہیں

ایک دربار جناب شادؔ ہے ورنہ سلیمؔ
اب کہیں بھی امتیاز ناقص و کامل نہیں

غزل

(ص)

صہبا۔ جناب عبد الوکیل صاحب

ہیں یہ سب ناحق کے شکوے کوئی اہلِ دل نہیں
تم ذرا دیکھو نظر بھر کر تو کچھ مشکل نہیں

کس جگہ لیلیٰ نہیں ناقہ نہیں محمل نہیں
ہاں مگر اب مثلِ مجنوں کوئی اہلِ دل نہیں

جمگھٹا سا کیا یہ پروانوں کے دم کے ساتھ تھا
ہے وہی محفل مگر اب رونقِ محفل نہیں

ڈوبنے والا تو جا پہونچا ہے ساحل کے قریب
دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ کچھ حاصل نہیں

ہے اسی اک آخری ہچکی میں روداد حیات
بے مروت اب تو سُن۔ یہ شکوہ باطل نہیں

رہروانِ عشق ہیں ممنونِ لطفِ بیخودی
خواب میں بھی انتشارِ دوریٔ منزل نہیں

ایک ہی ہچکی میں یہ کہکر کسی نے جان دی
خیر کچھ ہو وہ تو میری یاد سے غافل نہیں

پوچھ میرے جرم مجھ سے اپنی رحمت دیکھکر
یہ نہیں کہتا کہ میں تعزیر کے قابل نہیں

اللہ اللہ عہدِ ماضی کے تصور کا یہ حال
دو گھڑی میں فرصتِ احساسِ مستقبل نہیں

حشر میں کیا دو گے ان دامن کے دھبوں کا جواب
میں اگر کہنے کو کہہ بھی دوں کہ یہ قاتل نہیں

تا ابد صبح و مسا صہبا رہیں یہ شاد شاد
جو گھڑی بھر بیکسوں کے حال سے غافل نہیں

غزل

(ع)

عالی۔ عالیجناب راجہ نرسنگراج بہادر

کون کہتا ہے نگہ ظالم تری قاتل نہیں
پر تڑپنے کے لئے پہلو میں میرے دل نہیں

ہو کے بسمل دیر تک تڑپوں میں وہ بسمل نہیں
جان ہنستے بولتے دیدوں یہ کچھ مشکل نہیں

غیر کے دکھ درد میں انساں اگر شامل نہیں
خاک کا تودہ ہے وہ حالیؔ کسی قابل نہیں

جو نہ تڑپے زیرِ خنجر وہ کوئی بسمل نہیں
جو نہ تڑپائے نگاہِ ناز سے قاتل نہیں

ہر سکونِ قلب پر دھوکا نہ کھا لے راہرو
سوچتا کیا ہے ذرا بڑھ آگے یہ منزل نہیں

ڈال دی کشتی جو دریا میں تو بیڑا پار ہے
دل کا آنا ہی ہے مشکل اور کچھ مشکل نہیں

عشق کے پیراک کو اتنا سمجھنا چاہیئے
یہ وہ دریا ہے نہیں جس کا کوئی ساحل نہیں

گل پہ بلبل مر مٹا لیکن نہ آیا رحم کچھ
کیا سرشتِ گل وفا کی تجھ میں آبِ گل نہیں

شمع پر بھی جل چکا پروانہ دیکر یہ صدا
عشق کے کوچے کی یہ بھی آخری منزل نہیں

شوق کہتا ہے کہ چل بھی زیست کی پروا نہ کر
ضعف ہمت کہہ رہا ہے تو جگہ سے ہل نہیں

حق ہی حق ہے ہر جگہ مانے نہ مانے یہ کوئی
آنکھ کو ہے کیا خبر اس کی کہ ہے حائل نہیں

ہیں گل و گلشن وہی لیکن نہیں لطفِ بہار
یار محفل میں نہیں اور رونقِ محفل نہیں

چاہتا تھا جس دوا کو اب نہیں اس کی تلاش
درد تو باقی ہے لیکن اب مرا وہ دل نہیں

حاصلِ مطلب یہی ہے حالیؔ اپنی زیست کا
حاصلِ دنیا کو ہم سمجھے کہ کچھ حاصل نہیں

غزل

حالیؔ - جناب محمد اسمٰعیل خاں صاحب خورجوی

کیا کہوں میں حالِ دل کہنے کے یہ قابل نہیں
جب سے دیکھا ہے تمہیں قابو میں میرے دل نہیں

کیا سناؤں دردِ دل کی میں کہانی آپ کو
آپ کے سننے سنانے کے تو یہ قابل نہیں

دیکھ کر اس شوخ کو کیا حال میرا ہو گیا
دم میں میرے دم نہیں پہلو میں میرے دل نہیں

کچھ زکوٰۃِ حسن ہم کو بھی خدارا دیجئے
آپ کے دیدار کے بھوکے ہیں کچھ سائل نہیں

دیکھو مایوسی شہیدانِ محبت کی ذرا
جلتے ہیں کہتے ہوئے مقتل میں وہ قاتل نہیں

ہم سے دیوانوں پہ کیا ہوگا نصیحت کا اثر — ناصحا کہنے مسے ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں

دوستو آنے دو آئی ہے اگر فصل بہار — اب کہاں وہ ولولے وہ ہم نہیں وہ دل نہیں

دیکھو گر چشم بصیرت سے تو کھل جائے ابھی — میرے اُن کے درمیاں پردہ کوئی حائل نہیں

یہ محافظ حسن جاناں کا ہے کیا جانے کوئی — تم اسے خال سیاہ سمجھے ہو یہ وہ تل نہیں

وعدے کرتے ہو کبھی ایفاء وعدہ بھی کیا — میں تو اب قول و قسم کا آپکے قائل نہیں

دیکھو پروانوں کو کیسے تم پہ ٹوٹے پڑتے ہیں — شمع روشن ہے مگر کوئی اودھر مائل نہیں

ہے زباں پر دوستوں کی بھی نہیں لگتا ذرا
کیا سبب کیوں آج عالی بزم میں شامل نہیں

غزل

(م)

معینؔ عالیجناب نواب معین الدولہ بہادر امیر پائیگاہ

بے وفا جب سے یہ سُن پایا ہے دل میں ہوں نہیں — دو گھڑی بھی غیر سے خالی تری محفل نہیں

انجمن میں اپنی وہ رشک مہ کامل نہیں — کیا کہیں محفل ہے لیکن رونق محفل نہیں

غیر سے ترک تعلق مجھ سے اقرار وصال — آپ اگر چاہیں تو سب آسان ہے مشکل نہیں

کیا حسینان جہاں سے مہربانی کی اُمید — ایک پتھر ان کے سینے میں ہے گویا دل نہیں

دیکھتے ہیں آج وہ مجھ کو نگاہ لطف سے — وہ عنایت ہو رہی ہے جس کے میں قابل نہیں

اس کی خاموشی میں اک حسن طلب کا راز ہے — ہاتھ پھیلانے کا عادی آپ کا سائل نہیں

حضرت ناصح کی ہاں میں ہاں ملانا ہی پڑا — منہ پہ قائل ہوں تو کیا دل میں تو میں قائل نہیں

بزم دنیا میں نہیں ہے مجھکو راحت کا خیال — وہ مسافر ہوں کہ جس کو خواہش منزل نہیں

راستہ بتلا دے مجکو منزل مقصود کا — اے معینؔ اب کوئی ایسا رہبر کامل نہیں

غزل

ماہر ۔ جناب منظور حسین صاحب

عرصۂ ہستی جنونِ عشق کے قابل نہیں — اس میں وسعت ہے بہت لیکن بقدرِ دل نہیں

میں نے مانا میری نظریں دید کے قابل نہیں — آپ کے جلوے اگر پیدا ہیں تو کچھ مشکل نہیں

ایک مرکز پہ سمٹ آئے ہیں اجزائے حیات — دل سمجھ رکھا ہے جس کو در حقیقت دل نہیں

منزلِ الفت میں اک کب کا ہو گیا ہوتا ہلاک — وہ تو یہ کہیے مجھے اندازۂ مشکل نہیں

خاک کے غنچے، چمن کے پھول، دریا کی موج — کون ایسا ہے جہاں میں یادگارِ دل نہیں

موت کے طعنے ندو ترکِ تمنا پر نہ جاؤ — وہ بھی آساں ہے مجھے یہ بھی کوئی مشکل نہیں

فصلِ گل میں مست رنگ و بو ہے ہر اہلِ چمن — ایک شبنم ہے کہ جو انجام سے غافل نہیں

کس لئے پروانہ اپنی جان سے بیزار ہے — شاید اس کو اعتبارِ عشرتِ محفل نہیں

اور کیا ماہر کیا جائے خموشی کے سوا
کس کو حالِ دل سنائیں کوئی اہلِ دل نہیں

غزل

(ف)

فاضل ۔ جناب سید محمد حسین خانصاحب

فکرِ تحصیلِ رضائے دوست کے قابل نہیں — جس کو دل کہتے ہیں اہلِ دل وہ میرا دل نہیں

دردِ دل سننے کے تم کہنے کے میں قابل نہیں — جاؤ اب وہ تم نہیں وہ میں نہیں وہ دل نہیں

آئے وہ پر میں نہ سمجھا کون آیا کب گیا — جذب کامل ہے توجہ ہی میں خود کامل نہیں

مانگ دل کی ہے الگ فرقت کی دھمکی ہے الگ — وہ کھڑے ہیں سامنے اور میرے دل میں دل نہیں

چشم و ابرو روئے و دندان و لب کا ذکر کیا — تیرا شیدا ان کی ہست و بود کا قائل نہیں

کر دیا رسوا اتنا لیلیٰ نے تیرے حسن کو
قیس لیلیٰ ہی نہیں گر پردہ محمل نہیں

وہ چلا اک ہاتھ میں سر ایک میں خنجر لئے
اب بھی دل چلا رہا ہے یہ مرا قاتل نہیں

وار تیغ ادا کا جینا مرنا ایک ہے
زندہ دل زندہ جسے سمجھیں وہ بسمل نہیں

آتش فرقت نے اُن کی کیا اڑا دی ہیں دھوئیں
میرے تن میں نام کو آثار آب و گل نہیں

پردہ اچھا یا برا ہے غور اس پر کیا کریں
میری آنکھیں ہی ترے دیدار کے قابل نہیں

جھڑکیوں سے آپکی سیری کبھی کی ہو گئی۔
میں محبت کا ہوں بھوکا نان کا سائل نہیں

کاروان زیست کیا ہے ایک دم کا کھیل ہے
ساتھ اچھا ہو تو عقبیٰ کچھ کڑی منزل نہیں

جنس دل بیچی ہے لے لینا یہ سن لو سوچ لو
ہے تو چیز اچھی پر اطمینان کے قابل نہیں

سہم جاتا ہی لہو کشتہ کا اپنے دیکھ کر
میرے قاتل کا دل نازک ابھی قاتل نہیں

ٹھیک ہے اسم اور ہے فاضل مسمّٰی اور ہے
نام فاضل ہے تو کیا میں ذات سے فاضل نہیں

غزل

(ق)

قیس جناب خواجہ بدیع اللہ صاحب

وصل کی کوشش سے کیا حاصل ہی کچھ حاصل نہیں
جب جگر پہلو میں سینہ میں ہمارے دل نہیں

میں اڑوں اڑ کر ملوں ایسا تو میں سائل نہیں
بات یہ ہے دوسری کہہ دو کہ تو قابل نہیں

میں اگر چاہوں تو ہو جائیگا مشکل سہل کام
تم اگر چاہو تو سب کچھ سہل ہے مشکل نہیں

کشتۂ تیغ تغافل ہوں تمہیں معلوم ہے
خوں لگا کر میں شہیدوں میں ہوا داخل نہیں

چلتے پھرتے ہیں تصور میں وہ میرے رات دن
اُن کے میرے درمیاں پردہ کوئی حائل نہیں

میری اُمیدوں کو شاید منقطع کرنے کو ہے
تیز کرتا ہے چھری میرے لئے قاتل نہیں

کوئی دم میں طے کریگا ساحلِ ملکِ عدم — ہاتھ پاؤں مارتا ہے مفت یہ بسمل نہیں

آرزو حسرت تمنا یاس کا ہے جمگھٹا — یہ تو سب کچھ ہے مگر پہلو میں میرے دل نہیں

کس طرح ملتی سخن کی داد اہلِ بزم سے
قیس صاحب ناقصوں میں بھی تم کامل نہیں

غزل

(۹)

و۲ صفی جناب سید عبد الصمد صاحب

سنگدل ہے وہ تپش سے آشنا جو دل نہیں — لذتِ دردِ محبت اُس کو کچھ حاصل نہیں

بات کہدینی زباں سے یوں تو کچھ مشکل نہیں — اس کو کیا کیجئے کہ تاب عرضِ حالِ دل نہیں

گلشنِ دلدار کی جب سے ہوا حاصل نہیں — غنچۂ پژمردہ ہے پہلو میں اپنے دل نہیں

مضطرب میں ہی نہیں ہوں ایک بحرِ عشق میں — مضطر و بیتاب کیا موجِ لبِ ساحل نہیں

کس لئے راہِ طلب میں ہیں مری بربادیاں — یا الٰہی میں کوئی گردِ سرِ منزل نہیں

سو حجابوں میں بھی دیکھیگا جمالِ یار کو — دیکھنے والا ہو تو پردہ کوئی حائل نہیں

وہ گھرا رہتا ہے ہر لحظہ ہجومِ ناز میں — اُس سراپا ناز کو خلوت بھی کب محفل نہیں

اتنی بیدردی سے ملتے ہیں وہ جس کو بار بار — غنچۂ گل ہے وہ یارب کیا کسی کا دل نہیں

حسرتِ خوں گشتہ کا کیونکر دکھاؤں رنگ کسے — آنسوؤں میں بھی مرا خونِ دل شامل نہیں

پائمالی ہی سے بر آتی مری حسرت کوئی — وائے ناکامی ترے زیرِ قدم بھی دل نہیں

اُن سے جب کہتا ہوں کیجے غور میرے حال پر — کہتے ہیں وہ حال تیرا غور کے قابل نہیں

حسرتیں اُن کو نظر آئیں تو آئیں کس طرح
روبرو اُن کے ہے آئینہ کسی کا دل نہیں

شکل لیلیٰ جب سے آنکھوں میں سمائی قیس کی
اب نگاہِ شوق اُس کی جانب محمل نہیں

رات دن گردش ہے مجکو جستجوے یار میں
وہ مسافر ہوں کہیں جس کی کوئی منزل نہیں

شوق کامل ہے تو ہو جائیگی طے راہ وفا
واصفی کچھ مجھکو خوف دوریٔ منزل نہیں

مشاعرۂ خاص

ایوان پیشکاری خاص باغ

تاریخ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ م ۳ مہر ۱۳۴۳ف شب

فارسی - یار آمد و من طاقت دیدار ندارم

گفتار قافیہ

اُردو - رقابت کام آئی رازداں کی

بیاں قافیہ

غزل

(الف)

آلمؔ - جناب ڈاکٹر سید مہدی حسن صاحب

مرحبا از گل عذارے آں گلِ رعنا خوش است
حبذا از سروِ موزوں قامتِ بالا خوش است

وہ چہ حسنِ دلربائے آئینہ سیما خوش است
بارک اللہ با جمالِ یار عشقِ ما خوش است

ہر کہ دل در باخت با آں شاہِ خوباں دو کون
لوحش اللہ حال او اینجا خوش است آنجا خوش است

کردہ شور زائل جنونم از جنان و کوثرش
بہترین آب و ہوائے جنگل و دریا خوش است

غولِ عقل اندر رہِ خوابیدہ آتش گو لم زند
خضرِ عشقم گوید ایں مسلک بسالک ہا خوش است

نقدِ دل گر نیست کافی در بہائے جنسِ حسن
جاں بیفزائیم بر وے در گیر کایں سودا خوش است

ناپسندیدہ است جورِ آسمانِ کینہ توز
ہر جفائی کاں ستمگر آرا کند ما را خوش است

دل گرفتہ میشود در مجلسِ اہلِ ورع
صحبتِ پیرِ مغان و ساقی و صہبا خوش است

گر بپرسد آں تغافل کیش از احوالِ ما
بے محابا گو بوے اے قاصد کنوں او را خوش است

رہ مدہ در بزمِ خود اغیارِ ناہنجار را
احتراز از صحبتِ ناقابلِ اینہا خوش است

مدح میگویند ای آلم خلقتی منصور را
[illegible] گر کسی در عشق شد رسوا خوش است

باوجود بیوفائیہا از وشادیم ما ....
باہمہ صبر و رضا بے مہر از ما نا خوش است

میزنندش اہلِ ظاہر تیرِ طعن از چار سو
اندریں عالم بحالِ خود دلِ شیدا خوش است

کرد دامن چاکِ دختِ رز مرا پیرِ مغاں
ساقیا ہنگامِ دورِ ساغر و مینا خوش است

کردہ ام از دستِ وحشت خانہ را ویرانہ
قیس تفریحاً اگر آید دریں صحرا خوش است

بے تردد یافتم کوثر جناں حور و قصور
اے آلمؔ حقا مرا طاعتِ عترتِ طٰہٰ خوش است

غزل

(ب)

براق - جناب سلطان محمود میرزا گورگانی

ہر جفائے را پسند داو برائے ما خوش است	شاد مانم گر ز انجم آں مہ سیما خوش است
من اگر نالم ز بیداد تو لے گردونِ دوں	تو بگو آنرا کہ از جور تو در دنیا خوش است
از طواف کعبہ زاہد من ز طوف کوئے تو	قیس را گشتی بگرد ناقہ لیلیٰ خوش است
من ز درد ہجر نالم بسانِ عندلیب	آں گُلِ نورس باغیارم زہے ہا خوش است
قیس مینالد اگر از درد دل در کوہ و دشت	کے تواں گفتن کہ در ایوان خود لیلیٰ خوش است

براق کے ترسم ز عدوانم دریں شہر دکن
از عطائے رب اکبر شاد ما از ما خوش است

غزل

(د)

داعی - جناب آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر فارسی نظام کالج

بر تن آرایاں لباس اطلس و دیبا خوش است	ما دل آرائیم نقش بوریا ما را خوش است
ما بہ تخت سلطنت ہم باحقارت بنگریم	با خدای خویش گر دانا بود ہر جا خوش است
رو فروزاں باغہا بنگر بہ پشت بام چرخ	غافل است ار کس بزیر گنبد خضرا خوش است
ترک لذت گر کنی از آسماں ہم بگزری	طفل بیماری ز نادانی تو با حلوا خوش است
بر امید وصل او دادم در اول دین و دل	عاشق دیوانہ را بنگر در ایں سودا خوش است
خوش دریں محنت سرا جز دردمند عشق نیست	ورنہ ہر کس را کہ می بینی بد روی نا خوش است
نالہای زار دل در زلف جز از شانہ نیست	معجز عشق است دل در کام اژدرہا خوش است

حسن لیلیٰ را بجز مجنوں ہزاراں عاشقند　　چوں تواں دیدن رقیباں قیس را صحرا خوش است

کس نمید اند کہ راز در دِ عشق یار چیست　　پیر از ایں درد شاداں میز ید برنا خوش است

چشم بر دل بود و سر بالا نکردم او گذشت　　گاہ گاہے با نگار خویش استغنا خوش است

زندگی ایں زمانہ یکدگر آزردن است　　گر خوشی در زیستن ممکن بود عنقا خوش است

بوستانی شد ز خلق شاؔد ہر دل در دکن
خوش زید بے شبہ داؔعی ہر کہ زو دلہا خوش است

غزل

(س)

سعیؔد جناب سعید صاحب

اے کہ گفتی ہر کہ آزاد است در دنیا خوش است　　از غمِ حق ہر کہ آزاد است ہر جا نا خوش است

بندگی کن تا ز بندِ غصہ آزادت کنند　　عشرتِ آزادگی در طاعت مولیٰ خوش است

شرق اگر طوفانِ بادِ غرب را خوش کردہ است　　ما غریباں را ہوائے یثرب و بطحا خوش است

سرخرو نتواں شدن چوں بلبل از دیدارِ گل　　سبز بختاں را نظر بر روضۂ خضرا خوش است

در رضائے حق کہ دستِ عزم از و کوتہ مباد　　آستین افشاندن از دنیا و از عقبیٰ خوش است

بر لبِ دریائے فیضِ مصطفیٰؐ کوثر کشیم　　تشنہ کام خاک پیما را لبِ دریا خوش است

ہمچو ذاتِ حق صفاتش نیز بے ہمتا بود　　زیں جہت سلطانِ ظل اللہ بے ہمتا خوش است

پشت گردوں شد دوتا از صولتِ یکتائیش　　صولتِ یکتا برائے خسروِ یکتا خوش است

بادہ کش کاز دولتِ آصف دکن شد لالہ زار　　بادۂ حمرا بروے لالۂ حمرا خوش است

بارک اللہ جوشِ صہبائے سخن در بزمِ شاؔد　　جوشِ ایں مینا خوش است و کیفِ ایں صہبا خوش است

وردِ نامِ شاؔد در دل شادمانی آورد　　مرحبا نامے کہ در ملفوظ و معنیٰ خوش است

کار امروز ار بفردا افگنی خجلت کشی
ہم ورا امروز اسمعیل اندیشۂ فردا خوش است

غزل

(ض)

ضیا علامہ نواب ضیاء یار جنگ بہادر

تیشہ ہا آرد بسر یا خوں کند دلہا خوش است
ہر چہ خواہد حسن سرکش عشق بے پروا خوش است

گر بمیرد طالب وصلت منجم را چہ باک
از دل خود پرس کان امروز یا فردا خوش است

حال موج و رطہ را افسانہ می سازد کنار
از لب ساحل شنیدن قصہ دریا خوش است

بندہ را جز بندگی بہتر نباشد ہیچ کار
دین و دنیا از برائے طالب مولا خوش است

شادمانی نشۂ دارد کہ غم از دل برد
کے بہ اندیشد ز عقبیٰ ہر کہ را دنیا خوش است

دور باش خلق روشن می نماید چشم شیر
مرد حق بیں گوشۂ گیرے دامن صحرا خوش است

دیدہ ام زلف درازے با تقاضا دل ہا چہ کرد
دست کوتاہم بہ بند نارسائی ہا خوش است

حسرت ناسازے صہبائے عشرت تا کجا
تشنہ کاماں را خراش گردن مینا خوش است

چوں کنم یارب تلاش جیب احسان کسے
قانعم در آستینم دست استغنا خوش است

خاطرم از گفتہ ہائے غافلاں آزردہ نیست
کز لب طفلاں شنیدن حرف بے معنیٰ خوش است

وقت بازار است خوباں خود فروشی می کنند
نقد دل بردن بہ جیب حسرت سودا خوش است

از ادب دور است قرب پردۂ محمل ضیا
قیس را مردن بہ پائے ناقۂ لیلیٰ خوش است

غزل

(ف)

فدائی جناب مولوی ہدایت محی الدین صاحب ناظم دار القضار سرکار عالی

منکہ دل گم کردہ ام زاں جستجو ہر جا خوش است
ورنہ مجنوں را تلاشِ دامنِ لیلیٰ خوش است

عالماں را وعظ و ممبر سند فتویٰ خوش است
مے پرستاں را شراب و مستی و ہوہا خوش است

خوب رویاں را تبسم عشوہ و ناز و ادا
عاشقاں را آہ و زاری در دو ر دلہا خوش است

ہر کسے را دولت و راحت مسرت بخش شد
صاحب تسلیم را بس مرضئے مولا خوش است

عالمے ماتم کناں از بہر فرزند بتول
لیک وقت قتل خود آں سید والا خوش است

ایدل رنجور تا کے ضبط غم لب بر کشا
گر تو پنداری بفریاد م بت رعنا خوش است

شاد را ناخوش نمودن کے روا باشد بتا
کز ستمگر درد و عالم حقیقتا لے ناخوش است

کن نگاہِ مرحمت یا کن نگاہ خشمگیں
ہر چہ از دست تو جاناں میرسد مارا خوش است

طالب محبوب را باک از خس و خاشاک نیست
در ہزاراں خار پائے بادیہ پیما خوش است

ہر کہ حق گو ہست اُو بردار ہم رنجور نیست
بر سر شاخ گلے چوں بلبل شیدا خوش است

گنبد گردوں مزین گرچہ شد از مہر و ماہ
در نگاہِ حقیقتا لی گنبد خضرا خوش است

کعبہ عاشق فدائی منزل جاناں بود
قیس عامر در طواف محمل لیلیٰ خوش است

غزل

فرخ - میرزا محمد رحیم خانصاحب شیرازی

بہر عاشق سینۂ سوزاں دل شیدا خوش است
ناز و انداز و جفا از دلبر رعنا خوش است

بادہ خواراں را صدائے قلقل مینا خوش است
خاصہ در فصل بہاراں گردش صہبا خوش است

بی خبر از عالم ہستی کن اے ساقی مرا | بیخبر از ہرچہ در دنیا و مافیہا خوش است

تا ز انگشت بلوریں تو می نوشم مدام | بادہ نوشیدن مرا در حال استغنا خوش است

عاشق بیچارہ را با ہر دو عالم کار نیست | بہر مجنوں یار سرو قامت لیلی کو خوش است

خار و خاشاک بیاباں بستر عشاق تو است | بر قد سرو تو جانا اطلس و دیبا خوش است

بے تو جنت را ندانم بہتر از زاغ و دمن | با تو گر باشم مقید اے صنم آنجا خوش است

روزہا مجنوں صفت آوارہ اندر کوہ و دشت | وا ز فراقت دیدہ را بیدار شبہا خوش است

گفتم اے مہ رو برخ زلف سیہ افشاں مکن | گفت نور ماہتاب اندر شب یلدا خوش است

بر سر دار فنا رفتن نہ کار ہر کس است | ایں چنیں ہمت براہ عشق از عیسی کو خوش است

چون بچشم مست جاناں در مثل باشد قریں | زیں سبب در دیدہ من نرگس شہلا خوش است

عشق از بہر بشر باشد نشان ارتقاء | بیخبر از عشق باشد ہر کسی بیجا خوش است

غرہ بر عز و جلال ایں جہاں اے دل مباش | عاقلاں را باخبر گشتن زیک ایما خوش است

مرد آں باشد کہ پشت پا زند آفاق را | مرد نبود آنکہ بہر جیفہ دنیا خوش است

لائق ہر چیز فطرت دیدہ ہر کس را داد | چغد را ویرانہ بلبل را چمن ماوی خوش است

تا جہاں باقی است باقی رب شا دبادا شادماں | زانکہ ایں بزم ادب را ایں چنیں مولا خوش است

فرخا مدح و ثنائے صدر اعظم کن مدام
بلبل شیراز را ہر دم چنیں آوا خوش است

غزل

(۴)

محوی۔ جناب مولوی مسعود علی صاحب [illegible]

گفت دل گر امتحان پائے رہ پیما خوش است | بر زمین یثرب و در وادی بطحا خوش است

گفتم اے دل مے شوی اینجا ہلاک ناز دوست
گفت دل ہم مردن و ہم زیستن آنجا خوش است

گر بمانم زندہ جان بخش است قرب مصطفےٰؐ
در بمیرم از حساب حشر استثنا خوش است

سوزنِ خار مغیلاں، چادرِ ریگ رواں
قبر پوشِ بے نوایاں دامن صحرا خوش است

کشتیِ اہلِ محبت در محیط عاشقی
از ہوائے چار سوئے غم تہ و بالا خوش است

خشکیِ لب را غنیمت داں پسِ طوفانِ اشک
از پس دریا نوردی ہا لب دریا خوش است

سوزش در محبت، جوشش سودائے عشق
در دل ایں درد ست اولیٰ، در سر ایں سودا خوش است

قصہ یاس و تمنائے وصال، ما مپرس
ایں حدیث درد بے انشا و بے املا خوش است

وصل کے گردد میسر زانکہ در آئین عشق
عاشق از خود رفتہ و معشوق بے پروا خوش است

شوکت حسنش کجا تاب تماشا میدہد
طالب دیدار بودن ہمچو موسیٰ نا خوش است

میکشد شوق زیارت ناقہ ما را مہار
رو حدی خواں ایں حدی با محمل لیلیٰ خوش است

نیست بیجا خواستن ہمت ز ارباب ہمم
گرچہ توفیق عمل از عالم بالا خوش است

از پئے تردامناں زیباست بر دل داشتن
زاہدانِ خشک را داغیکہ بر سیما خوش است

ایکہ وانی درد دلہائے حزیں ناگفتہ ہم
گرچہ گفتن درد با تو در دل شبہا خوش است

داغہائے معصیت را از جبینم پاک شو
داغ سودائے تو بر لوحِ جبیں تنہا خوش است

آدم کم مایہ پیش تو کہ یاراں گفتہ اند
چوں تنک شد مایہ با اہل کرم سودا خوش است"

محویؔ لب بستہ را در ماتم قلب حزیں
گریہ بے اشک رواں، فریاد بے آوا خوش است

غزل

مفتوں۔ جناب حاجی فتح اللہ صاحب یزدی

رستہ شو وارستگی از عالم دنیا خوش است — بگذر از دنیای فانی دولت عقبیٰ خوش است

مال دنیا جیفہ و خواہاں او جمعی کلاب — ترک کن ای دل تو را اگر گفتۂ مولا خوش است

لیک در قرآں خدا ایش زینت دنیا ستود — درک فرق ایں سخن از مردم دانا خوش است

بشنو از من گفتۂ شہ نعمت اللہ ولی — شاہ عرفانست و گفتارش برای ما خوش است

خوش بود گر دوست داری مال دنیا بہر دوست — کی برائے زینت تن دولت دنیا خوش است

ہر کہ دل بندد بہ دنیا ہر کجا باشد برنج — "ہر کہ آزاد ست باید گفت او ہر جا خوش است"

عاملی جیحون نمودم از دو چشم اشکبار — سوی من بگذر نگارا سیر در دریا خوش است

وصل جستم چشم او گفتا نعم ابروش لا — آری از چشمش نعم زابروی آں لا خوش است

قد او سرو است و ادیش گل گلستانم چہ سود — سیر گلشن از برائے بلبل شیدا خوش است

بلبل و من در بر مرداں رہ ہمرتبہ ایم — بہر او گلزار و بر من دامن صحرا خوش است

گہ بہ بتخانہ گہی مسجد گہی دیر مغاں — در تجلی ہر کجا آں یار بہ سیما خوش است

فخر می زیبد دکن را از وجود شاہ دراد — محفل علم و ادب زد ہر طرف برپا خوش است

شاد باش از مدح شاد بہترین مفتوں بدہر
شاد ماند شاد شادیش برائے ما خوش است

گوہر

مقام قیام طعام ؟

نفیس اور لذیذ کھانے

عمدہ اور صاف کمرے

یہ ہماری خصوصیات ہیں

منیجر سعیدیہ ہوٹل نامپلی حیدرآباد دکن

سمنٹ کا فرش
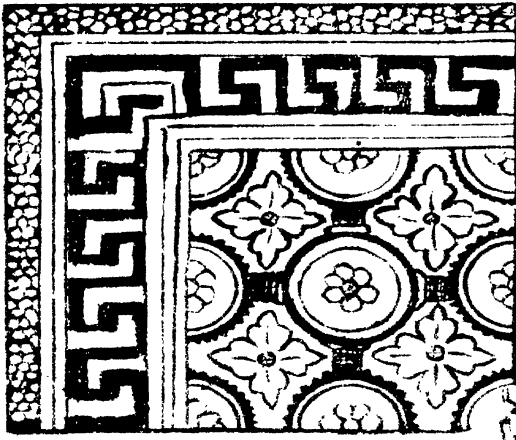
اگر آپ اپنے شاندار مکان کو دیدہ زیب و دلفریب بنگلہ بنانا چاہتے ہیں تو ہماری تیار کردہ سمنٹ کی مصنوعات کا فرش چھاپئے باغیچہ کی خوبصورتی کے لیے کونڈے نصب کروائیے حمام و حجرہ کی صفائی کا اور باورچیخانہ میں چونٹیوں وغیرہ سے بچنے کے لئے چینی کا فرش لگا لیجئے جو ہمارے ہاں

ہر قسم، ہر رنگ، ہر نمونے

کے نہایت عجیب دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ایک بار کا تجربہ امتحان کے لیے کافی ہے۔

حیدرآباد سمنٹ آرٹ ورک ڈول گوڑہ

قریب گلہ سیشن ساگر حیدرآباد دکن

زرّین موقع

جلد نظام صابن کے انعامی ٹکٹ حاصل کیجئے

برادران وطن کی انفع کی غرض سے ہم نے اپنے مشہور و معروف
نظام صابن کے ڈبوں اور بنڈلوں میں انعامی ٹکٹ بصراحت
ذیل رکھا ہے بال کا مول و نقد بر آزمائی علاوہ نفع کثیر صرف نقلی
صابن سے بچنے کی غرض سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے امید دیسی
اشیاء کے قدردان محبان وطن ضرور اپنی نفع اور عمدہ چیز کے دستیاب کا
موقع اس کی خریدی سے حاصل کرکے کارخانہ کو ترقی کا موقع دیں گے
سکندرآباد و بلدہ حیدرآباد و ممالک محروسہ سرکار عالی و صوبہ برار کی ہر چھوٹی و بڑی
دکان میں دستیاب ہو سکتی ہے قیمت فی بنڈل ۹ اور فی ڈبہ ۱۰ ر جن میں
۳ جوڑواں بٹی ہوتے ہیں یہ نرخ صرف بلدہ و سکندرآباد کے لیے مخصوص ہے
امید کہ قدردان و محبان وطن ایسے زرین موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

تفصیل انعامی ٹکٹ

پہلا ٹکٹ (عنہ) دوسرا ٹکٹ (صہ) تیسرا ٹکٹ (سے) چوتھا ٹکٹ (عاں) جن ڈبہ جات یا بنڈل نظام صابن
میں مذکورہ ٹکٹ نکل جاویں مہربانی فرما کر ہماری دکان واقع مہانکالی اسٹریٹ تشریف لاکر بعد ادائی ٹکٹ انعام حاصل فرمائیں
نوٹ:- ہر بنڈل یا ڈبہ نظام صابن پر سیل بیں محفوظ پاکر خرید لیا کریں۔ مذکورہ انعامی ٹکٹ پر جب تک کالیر کشٹیا
کی دستخط بخط تلنگی نہ ہو وہ مسروقہ تصور کیجائیگی۔ نوٹ:- برادران اہل ہنود کے نئے سال میں تقدیر آزمائی کا نادر موقع ہے۔

پروپرائٹرس کالیر کشٹیا اینڈ برادرس مینیجنگ ایجنٹ شیخ چاند سکندرآباد